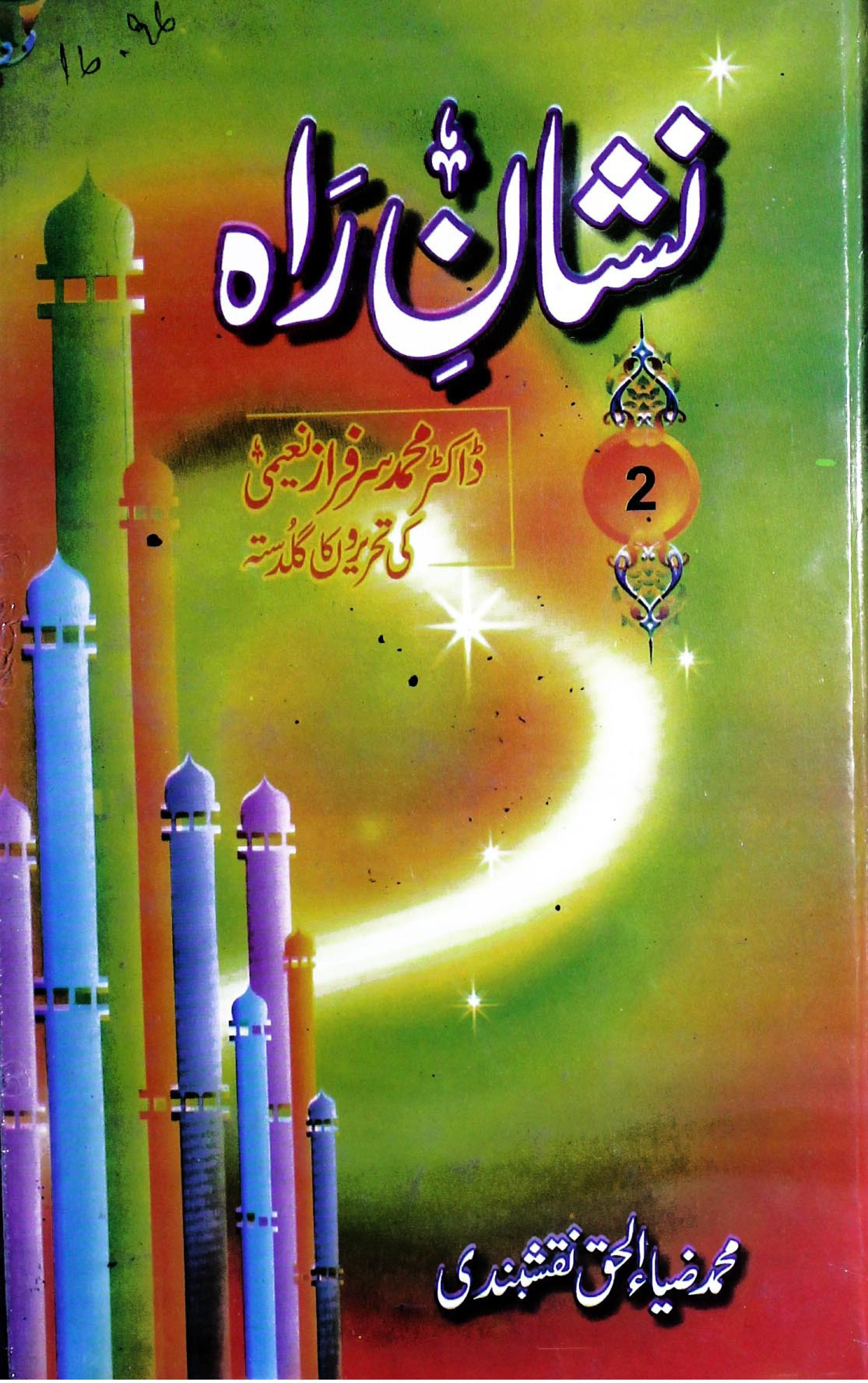

نشانِ راہ
2
ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمیؒ
کی تحریروں کا گلدستہ
محمد ضیاء الحق نقشبندی

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ذخیرہ

نشانِ راہ 2

Marfat.com

Marfat.com

نشانِ راہ 2

ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی کی تحریروں کا گلدستہ

ترتیب و تحقیق

محمد ضیاء الحق نقشبندی

ادارہ نعیم المصنفین

جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو، لاہور

فون: 0092-42-6293289

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ

98183

نام کتاب	....	نشانِ راہ 2
ترتیب و تحقیق	....	محمد ضیاء الحق نقشبندی
ناشر	....	فکر پبلیکیشنز
		اسلامی نگر روڈ، تیزاب احاطہ، لاہور
		فون: 0092-42-6821059
زیر اہتمام	....	ادارہ نعیم المصنفین
		جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو، لاہور
سن اشاعت	....	اگست 2009ء
تعداد	....	1100
قیمت	....	-/220 روپے

زیر اہتمام

ادارہ نعیم المصنفین

جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو، لاہور

فون: 0092-42-6293289

Marfat.com

انتساب!

12 جون 2009ء بروز جمعۃ المبارک کے دن سانحۂ جامعہ نعیمیہ میں استحکامِ پاکستان کے لیے اپنی جان قربان کرنے والے بے داغ اور اجلے کردار کے مالک، حیاء اور وفا کے پیکر، سادگی اور سچائی کے علمبردار، خوش بخت نوجوان، خوش نصیب، خوش اخلاق، پیارے دوست، پیارے بھائی

مولانا حافظ عبدالرحمن شہید

اور

سچائی، اخلاق ،صداقت، شرافت، دیانت، امانت ،محبت اور مروّت کے اجالوں میں لپٹی دلآواز شخصیت، صاحب عمل ،صاحب کردار ،صاحب سیرت وصورت، سچے دل، سماجی خدمت کے جذبے سے سرشار، اسلام، پاکستان اور مسلک اہلسنّت والجماعت سے والہانہ محبت کرنے والے عظیم آدمی

محترم حاجی محمد اعجاز چشتی

کے نام

Marfat.com

Marfat.com

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
9	میرے مربی میرے محسن اور نشانِ راہ 2	-1
15	والد گرامی کا جہاد بالقلم	-2
17	جدید سائنس کی روشنی میں کھجور سے افطار	-3
20	ٹی وی کے پروگرام	-4
23	راشی ٹریفک مجسٹریٹ	-5
27	غیر مسلموں کے نزدیک روزے کی افادیت	-6
30	صدر محترم کا سجدہ سہو	-7
33	غیر مسلموں کے نزدیک روزے کی افادیت	-8
36	وہ دن بھی آئے گا جب ہر انسان روزے رکھے گا	-9
42	پی ٹی وی پر اذان کی دعا بھی غائب	-10
46	جمعہ کی وجہ تسمیہ	-11
50	لیلۃ القدر اور پاکستان	-12
54	انداز عید میں نمایاں فرق	-13
57	چاند پر بھی جوا......	-14
60	5 فروری کیا کھویا! کیا پایا	-15
82	قربانی مانگنے والے	-16
95	محرم الحرام اور تخریب کاریاں	-17
105	اسلامی مشن کے بانی کا مشن جاری رہنا چاہیے	-18
109	وزارت تعلیم کا ناظرہ قرآن کریم کے بارے میں دعویٰ	-19
119	وزارت تعلیم کا ترجمہ قرآن کریم	-20

Marfat.com

-21	تقسیم اعزازات اور تقریب اعزازات	126
-22	پاکستان کے حکمران ہوش کے ناخن لیں	135
-23	پاکستانی ٹی وی پر ”دوپٹہ“ بھی غائب	147
-24	پاکستان کے دشمنوں کا نیا روپ	151
-25	بسوں میں تفریح کی آڑ میں سمگلنگ	155
-26	صدر اور وزیر اعظم ملک وقوم پر رحم کھائیں	158
-27	قرآن کریم میں شراب کا حکم	163
-28	انجیل مقدس میں شراب کا حکم اور اُس کی سزا	169
-29	طبی نکتہ نگاہ سے شراب کی سیاہ کاریاں	172
-30	شراب سے اجتناب میں کردار سازی کا حصہ	176
-31	اسلامی نظام عدل کا قیام	179
-32	قضاء کے عہدے کا قبول کرنا	185
-33	قضاء کے عہدے پر فائز ہونے کی شرائط	189
-34	عدالتوں کی تعداد اور قاضی القضاء کے اختیارات	193
-35	اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور معاشیات	196
-36	قانون سازی کے مقاصد	201
-37	فیصلہ کرتے وقت......	205
-38	قانون کی حکمرانی اور توہین عدالت	211
-39	تعاون کا فرمان کس کے لیے......؟	220
-40	وزرائے خارجہ کے ”بوسے“	224
-41	توہین، توہین اور توہین	227
-42	اسلام میں توہین عدالت کا تصور	230
-43	ایٹمی دھماکہ ہی مستقل حل اور علاج ہے	253

♥......♥......♥

Marfat.com

میرے مربی میرے محسن اور نشانِ راہ 2

حضرت مفتی محمد حسین نعیمیؒ اہل سنت والجماعت کے بلند پایہ عالم، محقق اور دانش ور تھے۔ تمام مکاتب فکر اور مسالک کے سربراہ اور ان کے مداحین، مولانا نعیمیؒ کا دل کی گہرائیوں سے احترام کرتے تھے۔ وہ عالم دین ہی نہیں تھے بلکہ انھوں نے لاہور کے قلب میں جامعہ نعیمیہ کے نام سے دینی ادارہ قائم کیا اور شبانہ روز محنت اور لگن، توجہ اور دلجمعی سے اُس کی آبیاری کی کہ وہ ان کے حیات مستعار کے دوران ہی چھتناور درخت بن چکا تھا اور ملک کے اندر اور باہر اُس کی اعلیٰ دینی و تعلیمی خدمات کو تسلیم کیا جاتا تھا۔ ان تمام کارناموں کے علاوہ مفتی محمد حسین نعیمیؒ کا سب سے بڑا کارنامہ مسلمانوں کے مختلف مسالک اور مکاتب فکر کو اکٹھا کرنا تھا جو عصر حاضر کا تقاضہ تھا۔ انھوں نے تحمل، رواداری، برداشت اور تالیفِ قلوب کی بے نظیر مثالیں قائم کیں اور سب کو ایک دوسرے کے قریب تر لانے میں اہم کردار ادا کیا۔

حضرت مفتی محمد حسین نعیمیؒ کے لائق اور قابل فرزند، زندگی کا لمحہ لمحہ اسلام اور پاکستان کے لیے وقف رکھنے والے، جرأت و استقامت کے پہاڑ حضرت ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمیؒ شہید کی بکھری ہوئی تحریروں کو جمع کر کے ''نشانِ راہ'' کے عنوان سے ان کی زندگی میں شائع کیا گیا تھا۔ اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے اب ''نشانِ راہ'' کی جلد دوم قارئین کے مطالعہ کے لیے شائع کی جا رہی ہے۔ اس کتاب میں شامل مضامین علمی و ادبی ہونے کے باوجود اندازِ تحریر نہایت سادہ اور آسان فہم ہے جس کی وجہ سے عام قاری بھی ان سے بآسانی استفادہ کر سکتا ہے ورنہ ہمارے علمائے کرام اپنی نگارشات میں مشکل انداز اختیار کرتے ہیں اور دقیق الفاظ استعمال کر کے اپنی علمی فضیلت منوانے کی کوشش کرتے دکھائی دیتے ہیں حالانکہ عصر حاضر کا تقاضہ ہے کہ تفہیم اور ابلاغ کے لیے سادہ اور عام فہم طریق کار اپنایا جائے تا کہ علمائے کرام کے ساتھ عام قارئین بھی ان معاشرتی و سماجی نیز اخلاقی مسائل سے آگاہ ہو سکیں اور پھر ان پر عمل پیرا ہو سکیں۔

Marfat.com

ڈاکٹر سرفراز نعیمی الازہری نے اپنی ان گرانقدر نگارشات میں ان عصری تقاضوں کو کما حقہ پیش نظر رکھا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان نگارشات کی ضرورت اور افادیت میں کئی چند اضافہ ہوگیا ہے۔

مثال کے طور پر اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ''روزہ'' دوسرے نمبر پر آتا ہے اور اس کی اہمیت و افادیت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ ڈاکٹر صاحب نے روزہ کے بارے میں چار پانچ اقساط میں مضمون کو مکمل کیا ہے لیکن قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کے حوالے سے جہاں روزے کی فرضیت کو ثابت کیا ہے، وہاں مستند اطبائے کرام اور غیر مسلم مستشرقین کی ماہرانہ آراء کو پیش کر کے اس کی افادیت اور اہمیت کو ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا اسلوب نگارش اس قدر دل نشیں ہے کہ ہر بات قاری کے دل میں اُترتی چلی جاتی ہے اور قاری مطالعہ کے دوران ہی برضا و رغبت اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے تیار نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کو یہ کریڈٹ بھی جاتا ہے کہ انھوں نے ''روزے کے ذریعے معاشرے کی اصلاح'' کے عنوان کے تحت بھی مفید اور اہم خیالات پیش کیے ہیں جو اپنے اندر ندرت اور اچھوتے پن کا پہلو لیے ہوئے ہیں۔

اسی طرح دور جدید کے تقاضوں کے عین مطابق تمام تحریریں ہیں۔ مغربی علوم و تہذیب کی چکاچوند نے ہم مسلمانوں کی آنکھوں کو خیرہ کردیا ہے جس کے نتیجے میں ہم نے مغرب کی بخشی ہوئی عینکوں اور آئنوں کے ذریعے دیکھنا شروع کردیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے دلائل و براہین سے ایک طرف اہل مغرب کے افکار ناپختہ کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے تو دوسری طرف مغربی علوم و افکار سے مرعوب و مسحور مسلمانوں کو اسلام کی روشنی سے دیکھنے اور پرکھنے کے اسلوب سے آگاہ کیا ہے لیکن ان کا انداز ناصحانہ ہی نہیں مشفقانہ بھی ہے۔

اہل مغرب اپنی ''معنوی اولاد'' کے ذریعے ہماری تہذیب و ثقافت اور روایات پر ہی اثر انداز نہیں ہوتے بلکہ ہمارے آئین پر بھی حملہ آور ہونے سے گریز نہیں کرتے۔ آئین میں پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی شان میں گستاخی کی شق اور حدود آرڈی نینس پر پورا مغرب برسوں سے ہمارے خلاف بے سروپا پراپیگنڈہ کرتا رہا ہے۔ ڈاکٹر سرفراز نعیمی نے اپنے کئی اقساط پر مشتمل مضمون میں اس شرانگیز پراپیگنڈے کا جواب تحقیق اور دلائل سے پیش کیا

Marfat.com

ہے اور بتایا ہے کہ یورپ کے تمام ممالک کے آئین (Constitutions) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہ السلام کی توہین کے بارے میں سزا مقرر ہے، تو پھر وہ ہمارے پیغمبر، رسالت مآب ﷺ کے بارے میں توہین اور گستاخی پر سزا کے قانون پر یہ لوگ کیوں معترض ہیں؟ اور آزادیٔ اظہار کے بہانے ان کی شان میں گستاخی کے کیوں مرتکب ہوتے ہیں؟ اور آئے دن ان کے خلاف نازیبا، ناروا اور غیر شائستہ کارٹون کیوں چھاپتے ہیں؟ ڈنمارک کے تیرہ اخبارات نے 2006ء میں ایسے کارٹون چھاپ کر ڈیڑھ ارب مسلمانوں کی دل آزاری کی ہے۔ آخر کیوں؟

ہم مسلمانوں میں یہ برائی عام ہے کہ جب دو تین مسلمان جمع ہوتے ہیں تو معاشرتی برائیوں کا ذکر ضرور کرتے ہیں اور اس میں ہمیشہ دوسروں ہی کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ کوئی بھی شخص اس کا آغاز اپنی ''ذات'' سے نہیں کرتا، کوئی بھی اپنی ''چارپائی کے نیچے لاٹھی مار کر'' اپنی خرابی کو تلاش نہیں کرتا۔ کسی کو اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا، اس کے مقابلے میں دوسرے کی آنکھ میں ''تنکا'' بھی ہمیں آسانی سے نظر آ جاتا ہے۔ یہ طرز عمل درست نہیں اور اسے کسی طرح بھی مستحسن قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ڈاکٹر صاحب نے آیات واحادیث کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اصلاح کار کا آغاز ہمیں ''اپنی ذات'' سے کرنا چاہیے۔ اگر ہم اپنے اپنے ''کردار'' کی اصلاح کرنا شروع کر دیں اور اپنے افعال واعمال کو بہتر بنا لیں تو معاشرے کے تمام مسائل از خود حل ہونا شروع ہو جائیں گے اور بیشتر لڑائیاں اور جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔

دینی اور علمی حلقوں میں قحط الرجال کا احساس روز بروز بڑھتا جا رہا ہے یہ احساس دل اور روح کو مایوس کر دینے والا ہے کیونکہ جب بھی بھری محفل سے کوئی چراغ بجھتا ہے تو اس سے نہ صرف اندھیرا ہوتا ہے بلکہ محفل میں موجود افراد بھی اس کی روشنی سے محروم ہو جاتے ہیں اور ان کی زبانوں سے بے اختیار یہ الفاظ جاری ہو جاتے ہیں۔

کچھ ایسے بھی اس بزم سے اُٹھ جائیں گے جن کو
تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے

16 فروری 1948ء کو طلوع ہونے والا یہ سورج 12 جون 2009ء بروز جمعۃ المبارک کو لاہور میں غروب ہو گیا جس طرح سورج کے غروب ہونے پر تمام مخلوق اپنے کام

Marfat.com

ترک کر کے مایوسی کے عالم میں اپنے اپنے ٹھکانوں کا راستہ لیتی ہے اسی طرح اس آفتاب کے غروب ہونے پر علم کے پیاسوں اور دین کا درد رکھنے والے محب وطنوں کو اس وحشت ناک خبر نے رُلا دیا کہ مفتی ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی خودکش بم دھماکے میں شہید ہو گئے ہیں۔ مفتی ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی نور اللہ مرقدہٗ کی شخصیت وہ بزرگ ہستی تھی جن میں ملک کے ساتھ ساتھ عشق قوم کا درد اور وطن عزیز کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ایمان، حق گوئی اور عقیدہ کامل پر ڈٹ کر رہنے والا ''بلغوا عنی ولو اٰیة'' پر عمل پیرا ہونے والا مجاہد حق شہید اسلام، شہید اہلسنت، شہید پاکستان ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی ایک لازوال شخصیت کا نام ہے طالبان (ظالمان) کے فتنوں اور ظلمات نے انہیں بہکانا چاہا، مٹانا چاہا اور دبانا چاہا لیکن وہ نہ مٹ سکے نہ بہک سکے اور نہ ہی جھک سکے۔

یہ کیوں نہ ہوا اس لیے نہیں کہ یہ ان کی طاقت تھی بلکہ ایمان کامل اور اللہ پر پختہ عقیدہ ہے کیونکہ ایمان نے شکست سیکھی ہی نہیں بلکہ ایمان تو آگ میں بھی مسکراتا ہے اور خاکستر کے ڈھیر سے بھی ''انا الحق'' کی صدا لگاتا ہے وہ تپتی ریت پر گھسیٹ کر بھی حسن محبوب کے گیت گاتا ہے وہ کلمہ حق کہنے پر قید و سلاسل کی مصیبتوں کو برداشت کرتا ہے۔ ایمان آگ میں پانی اور پانی میں آگ روشن کرنے کے اسباب فراہم کرتا ہے اسی ایمان نے قبلہ ڈاکٹر مفتی محمد سرفراز نعیمی کے دل کو ایسا منور و روشن کر دیا کہ وہ کلمہ حق کہنے کے لیے کہیں لکنت محسوس نہ کرتے اور نہ ڈرتے بلکہ ایوانوں میں جا جا کر صدائے حق بلند کرتے تھے آپ ایمان کی پختگی اور بے باکی سے عوام کے مجمعوں میں منبر کی زینت بن کر قرآن و حدیث کی روشنی میں حکمرانوں کو صحیح سمت پر گامزن رہنے پر للکارتے ہوئے نظر آتے تھے۔ گویا کہ وہ اس چیز کے مصداق تھے۔

وہ جس کی جرات بے باک سے سفاک ڈرتے تھے
وہ جس کے بازوؤں کی دھاک سے افلاک ڈرتے تھے

وہ زمانہ تاریخ کبھی نہیں بھلا سکتی بلکہ آپ کی بے باکی اور مجاہدانہ للکار تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے جب 22 اپریل 2002ء کو پرویز مشرف نے یہ بیان دیا کہ ہم قانون ناموس رسالت 295C کے طریقہ تفتیش کو بدل رہے ہیں تو ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی جو عاشق صادق تھے نے ایک میٹنگ کال کی اور متفقہ طور پر دفاع اسلام محاذ تشکیل

Marfat.com

دیا جس کو بعد میں تحفظ ناموس رسالت محاذ کے نام دے دیا گیا ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی نے ایک آمر پرویز مشرف کے دور میں جس طرح ڈٹ کر آواز اٹھائی شاید ہی کسی نے ایسی آواز بلند کی ہو۔اس میں کافی مقدمات کا بھی ڈٹ کر سامنا کیا۔مگر آپ کے پائے استقلال میں ذرا سی بھی لغزش نہ آئی۔اور بالآخر مشرف کو واضح طور پر اعلان کرنا پڑا کہ 295C میں ترمیم نہیں کی جائے گی۔پھر جب غیر ملکی سازش کے تحت مختلف ممالک نے توہین رسالت کے خاکے شائع کیے تو یہی ہستی تھی جس نے غیر ملکی ناپاک جسارت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔آپ کا طرۂ امتیاز آپ کی حق گوئی و بے باکی ہے گویا کہ آپ حق وصداقت کی برہنہ شمشیر تھے آمریت کا ظلم ہو یا پھر نام نہاد جمہوریت ہر دور میں باطل کے آگے سیسہ پلائی دیوار بن کر کھڑے رہنا ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی کا خاصہ تھا۔

قبلہ مفتی صاحب وہ مجاہد تھے جنہوں نے اپنی ساری زندگی نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کے مطابق گزاری ''افضل الجهاد من قال كلمة حق عند سلطان جابر'' سلطان جابر ظالم اور جابر حکمران کے سامنے حق بات کہنا بہترین جہاد ہے قبلہ ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی نہ صرف گلشن نعیمیہ کے ہر پھول کے لیے خوشبو تھے بلکہ وہ عالم کے ایسے آفتاب تھے ۔جس کی کرنوں نے پورے ملک کو جگمگا رکھا تھا ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی کی زندگی نمائش و آرائش، تصنع اور دنیاداری سے پاک تھی ان کی شخصیت کے نمایاں اوصاف میں ایک بلند وصف سادگی تھا۔وہ ایک بڑے دارالعلوم کے ناظم اعلیٰ، مفتی اور مدرس تھے اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر اور اتحاد بین المسلمین کمیٹی کے ممبر رہے،ریڈیو،ٹی وی کے مقرر تھے اور سرکاری،دینی اور علمی حلقوں میں نمایاں پہچان رکھنے کے باوجود انہیں پرانی موٹر سائیکل چلانے اور خادموں کی طرح مدرسہ کا خیال رکھنے میں عار نہ تھی۔نہ عالموں جیسا رعب نہ دانشوروں جیسا تکلف نہ بڑے لوگوں جیسا ترفع یہی وہ اوصاف تھے جنہیں اب دیکھنے کو آنکھیں ترستی رہیں گی۔

معاملہ فہمی،دور اندیشی اور تمام مذاہب ومسالک کے ساتھ رواداری ان کے عمدہ اخلاق تھے۔یہی وجہ تھی کہ ہر مکتب فکر کے لوگ ان کی عزت وتکریم کرتے تھے۔لیکن اپنے مسلک ومذہب کے حوالہ سے لامۃ لائمہ کی پروا کیے بغیر جس سٹیج پر جاتے گلشن مجدد الف ثانی کی باغبانی کا حق ادا کردیتے تھے۔

محترم مفتی ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی کی شہادت بالعموم عوام پاکستان اور بالخصوص اہلسنت

Marfat.com

کے لیے انتہائی رنج وغم کا باعث اور ایک عظیم دینی نقصان ہے۔آپ کی وفات حسرت آیات عالم اسلام اور اہلسنت و جماعت کے لیے نا قابل تلافی ہے ۔آپ جیسی ہمہ صفت اور بحرالعلوم وفنون شخصیات صدیوں پیدا نہیں ہوتیں ۔حضرت ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی کے تلامذہ متوسلین اور مدرسین کو چاہیے کہ وہ ان کے صاحبزادے کے دست وبازو بن کر مقام مصطفیٰ ﷺ کے تحفظ، نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ، تحفظ پاکستان اور عالم اسلام کی عظیم درس گاہ جامعہ نعیمیہ کے مشن کو عام کرنے کے لیے قدم بڑھائیں۔

شہید پاکستان ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی سے جس تعلق پر مجھے قیامت تک فخر رہے گا شاید زندگی بھر ایسا تعلق کسی اور سے نہ بن سکے۔ بندہ ناچیز نے مارچ 2008ء میں جب نشانِ راہ کی پہلی جلد مرتب کی تو میرے محسن میرے مربی اسیر ناموس رسالت، شہید پاکستان علامہ حافظ قاری مفتی ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے میری جس طرح حوصلہ افزائی فرمائی اس کو میں الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا نشان راہ 2 آپ کی زندگی میں تیار ہوگئی تھی لیکن شائع نہ کی جاسکی۔کاش! آج وہ دنیا میں موجود ہوتے تو مجھے بہت خوشی ہوتی بہرحال شہید پاکستان کے جانشین علامہ ڈاکٹر صاحبزادہ راغب حسین نعیمی نے بھی ہرممکن میرے ساتھ تعاون فرمایا ہے میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور ان کے لیے میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں اپنے نبی کریم ﷺ کے وسیلے سے ہر آنے والی مصیبت سے محفوظ فرمائے آمین!

ہمیں توقع ہے کہ اہل علم و دانش اور دین متین سے محبت رکھنے والے تمام دردمند حضرات ''نشان راہ 1 اور 2'' کی ''پذیرائی'' کریں گے اور اسے ہاتھوں ہاتھ لے کر خدمت دین کے اس فریضے کو پورا کریں گے جس کا اسلام اور دین ہم سے تقاضہ کرتا ہے۔

محمد ضیاء الحق نقشبندی
میڈیا سیکرٹری ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی شہید
0323-0300-4388083
fikr786@yahoo.com

♥......♥......♥

Marfat.com

والد گرامی کا جہاد بالقلم

مجاہد اسلام اسیر ناموس رسالت ﷺ، شہید پاکستان، مفکر اسلام، پیکر خلوص و وفا مولانا مفتی ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی ازہری شہید ماہنامہ عرفات ایک عرصہ تک نائب مدیر رہے۔ ماہنامہ عرفات کے لیے مضامین کے انتخاب سے لے کر اس کی کتابت (کیونکہ 1990ء سے قبل کمپوزنگ نہ تھی) اور بعدازاں کمپوزنگ تک، کاپیوں کی تیاری سے لے کر دفتری کی جلد بندی تک سارا کام خود ہی کیا کرتے تھے۔ پھر حالات حاضرہ اور دیگر جدید معاملات پر مضامین بھی تحریر فرمایا کرتے تھے۔ یہ مضامین ماہنامہ عرفات کے اوراق کی زینت بنتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ماہنامہ عرفات کا اداریہ بھی تحریر فرماتے رہے۔

والد گرامی علیہ الرحمہ نے ''نشانِ راہ'' کے نام سے روزنامہ جنگ کے لیے 1996ء سے کالم تحریر فرماتے رہے۔ یہ سلسلہ 1998ء تک چلتا رہا۔ جدامجد حضرت مولانا مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد حسین علیہ الرحمۃ کی وفات پرُملال کے بعد مدرسہ کے امور میں کثرت کی بنا پر اور جنگ اخبار کے صفحات کم کیے جانے کی وجہ سے آپ نے موقوف کر دیا۔ مجھے یاد ہے کہ محترم سینئر صحافی روزنامہ جنگ جناب انور قدوائی کے ذریعے سے پہلا کالم روزنامہ جنگ میں شائع ہوا۔ احباب نے پسند کیا۔ پھر مزید لکھنے کے بارے کہا گیا اور اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہا۔

والد گرامی یہ کالمز عموماً صبح 10 بجے سے 12 بجے کے درمیان تحریر فرمایا کرتے۔ مدرسہ میں دو گھنٹے اپنے پیریڈ پڑھانے کے بعد گھر تشریف لے آتے اور مطالعہ کی میز پر تشریف فرما ہو کہ یہ کالمز تحریر فرماتے۔ کالم کا پلان اور کہانی اکثر رات کو ہی سوچ لیا کرتے تھے۔ عموماً یہ کالمز روزمرہ دینی معاملات، مختلف دینی موضوعات، معاشی، معاشرتی اور سماجی رویوں پر مشتمل ہوا کرتے تھے۔ والد گرامی اخبارات کا مطالعہ تفصیلاً کیا کرتے تھے اور اس طرح ان کے کالمز کے عنوانات بسا اوقات اخبارات میں شائع شدہ چھوٹی سی خبر پر مشتمل ہوا کرتے تھے۔ مثلاً چند کالمز کے عنوانات ملاحظہ فرمائیے۔

1- چاند پر جوا
2- بسوں میں تفریح کی آڑ میں سمگلنگ
3- وزیر خارجہ کے بوسے
4- ہمارے نشریاتی حکمران
5- اسلام میں توہین عدالت کا تصور
6- صدر محترم کا سجدہ سہو
7- وزارت تعلیم کا ترجمہ قرآن
8- پی ٹی وی پر اذان کی دعا غائب
9- وزیر اعظم کا آبائی قبرستان
10- رات کے سناٹوں میں
11- پاکستانی ٹی وی پر ''دوپٹہ'' بھی غائب
12- پاکستان کے دشمنوں کا نیا روپ

آپ اپنے اردگرد واقع ہونے والے حالات و واقعات کا بغور مشاہدہ کیا کرتے تھے اور کوئی بھی چھوٹا سا واقعہ ان کے کالم میں جگہ پا لیتا تھا۔ ایک دفعہ کسووال سے واپسی پر پتوکی کے بعد

Marfat.com

ٹریفک مجسٹریٹ نے ناکہ لگایا ہوا تھا اور ہر ٹرک، بس، ویگن اور کار کو روک کر زبردستی رشوت لی جارہی تھی۔ آپ نے اس واقعہ کو بڑے ہی اچھوتے انداز میں قارئین کی خدمت میں پیش کیا۔ جس کو راشی ٹریفک مجسٹریٹ کے عنوان سے لکھا۔

استحکام پاکستان کے حوالے سے اپنے ایک کالم خوبصورت مترنم آواز میں اور استحکام پاکستان میں نشریاتی اداروں کو مخاطب ہو کر یوں تحریر فرماتے ہیں۔

''ملک کے بجٹ کے اندر رہتے ہوئے، ریڈیو اور ٹی وی چیلنجز سے مترنم آواز میں ایسے نغموں، گیتوں اور نظموں کو سنوا سکتے ہیں جس میں ملک کے استحکام کا پیغام ہو۔ خوابیدہ خوابوں کو زندہ و جاوید کیا جانا مقصود ہو۔ پیارے وطن کو ترقی کے منازل طے کرنے کے جذبہ سے معمور ہوں۔''

آپ نے ان کالمز کی تحریر بغیر کسی مالی منافع کے کی، بلکہ آپ کا ہر کام بغیر مالی لالچ کے ہوا کرتا تھا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ آپ کے خیال میں دین اسلام کی تبلیغ و ترویج اور مسلک حقہ اہلسنت کے لیے کام اور خدمت کے لیے رقم اور معاوضہ لینا اس خدمت اور کام کو بیچ دینے کے مترادف تھا۔ آپ کے خیال کے مطابق اگر ہم نے ان کاموں کی رقم لے لی تو ہم نے کیا نیکیاں کمائیں اور پھر ہمارا اخلاص اور للٰہیت کہاں گئی۔ دراصل یہ سوچ کر جدامجد مفتی محمد حسین علیہ الرحمۃ کی تھی جو کہ مکمل طور پر خاندان میں آگے منتقل ہوئی۔

والد گرامی کی یہ بامعنی، بامقصد کالمز لطافت اور جاذبیت سے بھرے ہوئے تھے۔ دنیا بھر کی معلومات ان میں موجود ہیں۔ اس سے قبل 74 کالمز نشانِ راہ (1) میں پیش کیےگئے ہیں۔ اب نشان راہ (2) کے نام سے آپ کے تحریر کردہ 43 کالمز قارئین کی خدمت میں پیش کیے جارہے ہیں جو کہ ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی کے میڈیا سیکرٹری، برادر محترم محمد ضیاء الحق نقشبندی مجددی کی والد گرامی سے محبت، الفت اور عقیدت کا مظہر ہے۔ بقول علامہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب:

''ضیاء الحق نقشبندی نے بکھرے ہوئے پتوں کو اکٹھا کر کے پھولوں کے گلدستے بنا کر قارئین کی محفل مطالعہ کو سجا دیا ہے۔ انھوں نے ذروں کو سمیٹ کر آفتاب بنا دیا ہے۔ قطروں کو اکٹھا کر کے دریا بہا دیے ہیں۔''

برادرم عزیز محمد ضیاء الحق نقشبندی کو ان کی اس گراں قدر کاوش پر داد تحسین دیتے ہوئے اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ والد گرامی علیہ الرحمہ کی ان تحریروں سے زندگی گزارنے کے حسین نکات سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

علامہ ڈاکٹر محمد راغب حسین نعیمی
ناظم اعلیٰ جامعہ نعیمیہ، لاہور

Marfat.com

جدید سائنس کی روشنی میں کھجور سے افطار

زمانہ جوں جوں سائنس کے میدان میں ترقی کے مدارج طے کرتا جائے گا یوں یوں اسلام کے نظام عبادات کی عظمتوں کا اعتراف بھی ہوتا جائے گا یہ صرف دعویٰ ہی نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ اسلام کے نظام عبادت کا کوئی حکم ایسا نہیں جو انسان کی فطرت، مزاج، طبیعت اور اس کی جسمانی و روحانی ضرورت کے منافی ہو۔ ہر حکم میں کسی نہ کسی انداز میں روحانی فوائد کے علاوہ جسمانی فوائد بھی مضمر ہیں اور بعض اوقات انہی جسمانی فوائد کے اعتبار سے ان پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

یہ امر اپنی جگہ باعث تاسف بھی ہے کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرستادہ پیغمبر آخرالزماں محمد مصطفےٰ ﷺ کے فرامین، ارشادات اور احکامات کی حکمتوں اور فوائد کو اس انداز سے اجاگر کرنا چاہیے تھا کہ جس سے نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ غیر مسلموں کو بھی اسلام کے احکامات کی حقانیت پر ایمان لانے اور ایقان حاصل ہونے کے مواقع میسر آتے۔ بہرحال کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک محقق یا سائنسدان اپنی تحقیق کے سلسلے میں تجربات کی بھٹی سے گزر رہا ہوتا ہے کہ دوران تحقیق ایسا نکتہ سامنے آجاتا ہے جس سے اسلام کے کسی نہ کسی حکم کی حقانیت اجاگر ہو جاتی ہے۔ یا جب وہ تجربات سے نکل کر حاصل شدہ نتائج کو مجتمع کرتا ہے تو ان نتائج ہی میں اسلام کے کسی نہ کسی حکم کی سچائی سامنے آکر اپنی صداقت کا مظہر بن جاتی ہے اور یوں بلاارادہ اسلام کے احکامات کی صداقت کا سامان مہیا ہو جاتا ہے۔

روزہ کا حکم بھی خالق کائنات کے احکامات میں سے ایک حکم ہے جس کا دورانیہ موسم کی تبدیلیوں کی بنا پر عمومی طور پر 12 گھنٹے سے 15 گھنٹے پر مشتمل ہوتا ہے چنانچہ اس دورانیہ میں کھانے پینے سے مکمل اجتناب کے نتیجہ میں بظاہر کمزوری کے آثار پیدا ہوتے ہیں اور اس ظاہری کمزوری کے تدارک کے لیے حضور اکرم ﷺ نے جو تعلیم عطا فرمائی ہے اس میں مکمل طور پر ظاہری کمزوری کی تلافی بھی موجود ہے۔

Marfat.com

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔

"جسے کھجور میسر ہو وہ اس سے روزہ افطار کرے اور جسے وہ نہ ملے وہ پانی سے روزہ کھول لے کیونکہ وہ بھی پاک ہے۔"

میڈیکل سائنس میں غور و فکر اور تجربات کرنے والوں نے کھجور کا جب کیمیائی تجزیہ کیا تو یہ امر واضح ہوا کہ کھجور کے اندر ایسی معتدل اور جامع اشیاء موجود ہیں جو روزہ سے واقع ہونے والی جسمانی کمی کو نہ صرف پورا کرتی ہیں بلکہ کئی اعتبارات سے توانائی بھی مہیا کرتی ہیں۔

کھجور کے کیمیائی تجزیہ کے بعد یہ بات سامنے آئی کہ عام طور پر کھجور میں مندرجہ ذیل مقدار کے مطابق یہ اشیاء موجود ہوتی ہیں......

1-	لوہا	1.61. Iron
2-	چاندی	4.7 Sodium
3-	چونا	67.9 Calcium
4-	کاربوہائیڈریٹس	24.0 Corbohidrates
5-	پوٹاشیم	754.0 Potasium
6-	گندھک	51.6 Sulphur
7-	پروٹین	2.0 Proteine
8-	میگنیشیم	58.9 Magnesium
9-	کلورین	290.0 Chlorine
10-	کیلوریز	20. Calories
11-	تانبا	0.21 Copper
12-	فاسفورس	638.0 Phosphorus

ان کے علاوہ روغن (Fats) اور جوہر (Perox-ides) بھی موجود ہوتا ہے۔

چونکہ سحری کے وقت سے لے کر شام افطاری کے وقت تک نہ کھایا جاتا ہے اور نہ ہی کچھ پیا جاتا ہے اس لیے جسم کی کیلوریز (Calories) یا جسم کے حرارے آہستہ آہستہ کم ہوتے جاتے ہیں جس کی کو کھجور پورا کرتی ہے اور جسم کو اعتدال پر لے آتی ہے جس کی بنا پر جسم میں توانائی پیدا ہو جاتی ہے اور جسم متعدد امراض سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اس طرح جسم کی

Marfat.com

حفاظت میں کھجور اہم کردار ادا کرتی ہے۔

خاص کر وہ حضرات جو بلڈ پریشر کی کمی (Low blood pressure) کا یا فالج (Paralysis) یا لقوہ (Facial paralysis) یا سر میں چکر آنے کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں ان کے لیے کھجور بہترین غذا ثابت ہوتی ہے۔

بعض افراد جسم میں خشکی محسوس کرتے ہیں تو ایسے روزہ داروں کے لیے حکماء اور اطباء کھجور کے استعمال کو بہتر غذا میں شمار کرتے ہیں کیونکہ اس میں ایسا اعتدال پایا جاتا ہے جو روزہ دار کے لیے بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔

اسی طرح بعض اوقات غذائیت کی کمی کی بنا پر خون میں کمی کی شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کی بنا پر روزہ کھولنے کے وقت ایسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کمی کی تلافی کر سکے تو اس کے لیے کھجور سے بہتر اور کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ کھجور میں اللہ تعالیٰ نے لوہے اور فولاد کی قوت عطا فرمائی ہوئی ہے جو ایسے مریضوں کے لیے بہترین ٹانک ہے۔ روزہ رکھنے کی بنا پر پیاس محسوس ہوتی ہے اور اگر روزہ کھولنے کے وقت فوراً بہت سرد پانی استعمال کیا جائے تو اس کے نتیجے میں جسم میں بخارات یا تبخیر یا معدے میں گیس، جگر میں ورم (Liver Inflmation) پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس لیے افطاری کے وقت اگر کھجور استعمال کی جائے تو ٹھنڈے پانی کے پینے کے باوجود اس کے مضر اثرات سے بچا جا سکتا ہے۔

(روزنامہ جنگ، لاہور یکم جنوری 1998ء)

♥ ...... ♥ ...... ♥

Marfat.com

ٹی وی کے پروگرام

ٹی وی پروگراموں میں تبدیلی اس لیے نہیں کی جا سکتی کہ دنیا میں صرف ہمارا ٹی وی ہی تو ''اکلوتا'' ٹی وی نہیں ہے کہ لوگ صرف ایک ٹی وی کے پروگرام دیکھنے پر مجبور ہوں۔ اس لیے ہم جس طرح کے ''اصلاحی'' پروگرام دکھائیں، وہ دیکھتے چلے جائیں بلکہ اس وقت تو دنیا میں ٹی ویز کے پروگراموں کی بھرمار ہے جن میں ایک سے ایک بڑھ کر ''فحش پروگرام'' دیکھا جا سکتا ہے، اس لیے ہمارا ''اصلاحی'' پروگرام ''فحش نگاری'' میں ان سے پیچھے نہ رہ جائیں اور اس طرح ہمیں ''سبکی'' کا سامنا نہ کرنا پڑ جائے۔ ہمارے ''اصلاحی'' پروگرام دیکھ کر وہ کیا کیا ''طعنہ'' نہ دیں گے۔ آخر ہم نے کوئی اصلاح کا ''ٹھیکہ'' لے رکھا ہے۔ یہ ''نصیحتیں'' ان افراد کے لیے ہوتی ہیں جو ''نظریاتی'' افراد ہوتے ہیں اب اتفاق ہی ایسا ہے کہ نہ ہمارے حکمران نظریاتی ہیں نہ ادارے چلانے والے حکام اور خاص طور پر نہ ہی ''نشریاتی اور طباعتی'' ادارے چلانے والے افراد بلکہ ''مفاداتی'' کہا جائے تو کچھ غلط بھی نہ ہوگا اور آپ بخوبی جانتے ہیں کہ ''مفادات'' کے تقاضے کیا کیا ہوتے ہیں؟

قوم کو کیا دکھانا ہے؟ ان کے ذہنوں میں کس طرح کے خیالات اور تصورات پیدا کرنے ہیں؟ انھیں کن چیزوں سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار کرنا ہے؟ اور اس طرح کے دیگر مقاصد تو نظریاتی مملکت میں پیش نظر ہوتے ہیں۔ جب ہم ''غلام'' ہی ٹھہرے تو ہم نے تو وہی کچھ دکھانا ہے جو ''آقا'' چاہیں گے اور ہم نے ''قوم'' کو انہی مقاصد کے لیے تیار کرنا ہے جو ''آقا'' چاہتے ہیں، وگرنہ دنیا کا مقابلہ کیسے کر پائیں گے؟

اور ہم مجبور ہیں ایسے پروگراموں کے دکھانے پر کیونکہ ''قوم'' اس کی ڈیمانڈ کرتی ہے اور ''قوم'' کی ''ڈیمانڈ'' کو ہم رد کیسے کر سکتے ہیں؟

رمضان برکتوں والا مہینہ ہے تو کیا ہوا؟ ہمارے پروگراموں سے اس کی برکتیں اور رحمتیں ختم تو نہیں ہو جائیں گی؟ آخر ہم نے ''ورلڈ کپ'' رمضان ہی میں تو جیتا تھا؟ اسی لیے جب قوم کرکٹ کے میچوں کی ڈیمانڈ کرتی ہے تو ''میچوں کے موسم'' میں ہم مسلسل آٹھ آٹھ

Marfat.com

گھنٹے کرکٹ کے میچ دکھانے پر مجبور رہیں اور اگر وہ ''موسم'' ورلڈ کپ، شارجہ کپ، آزادی کپ وغیرہ وغیرہ کا ہے تو قوم کی ڈیمانڈ پر یہ پروگرام کئی کئی ہفتوں پر پھیلا دیے جاتے ہیں۔

آخر ٹی وی اور نشریاتی اداروں نے اپنا ''پیٹ'' بھی تو بھرنا ہوتا ہے۔ اس لیے ''چابی والے'' اور اس طرح کے دیگر ''فکر انگیز'' اور ''حسین و لطیف'' خیالات پر مبنی ''اشتہارات، کے حصول اور ایسے پروگراموں کے سپانسروں کے تعاون سے کئی کئی ہفتوں کے پروگرام دکھانے پڑ جائیں تو اس میں حرج ہی کیا ہے۔

باقی رہا پروگراموں کے اوقات کا تعین تو اس میں بھی مجبوری یہی ہے کہ اب تو دنیا اس قدر سمٹ گئی ہے کہ اگر ہم پسندیدہ پروگراموں کے وقت تبدیل بھی کر دیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا، صرف ''بٹن'' دبانے کی دیر ہے کہ آپ ''مشرق'' میں بیٹھے بیٹھے ''مغرب'' کا پسندیدہ پروگرام دیکھ سکتے ہیں۔ اس لیے پروگراموں کے اوقات کے بدلنے سے وہ مقاصد حاصل نہیں کر سکتے جو آپ چاہ رہے ہیں۔

یقیناً ٹی ویز کے ''عشاقان'' اور ''ترجمانوں'' کی دلیلیں بڑی مضبوط اور مجبوریاں قابل رحم ہیں۔

کیا رمضان سارا سال جاری رہتا ہے یا چند ہفتوں پر محیط ہوتا ہے جس طرح ''کرکٹ کے موسم'' میں تمام ''ملکی'' اور ''مقامی'' پروگرام دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں تو ایسا ممکن نہیں کہ ''برکتوں والے موسم'' میں ایسے پروگرام دکھائے جائیں جن میں اسلامی تعلیمات کو اچھوتے اور دلربا انداز میں پیش کیا جائے؟ اور ایسے علماء کرام، مفکرین اسلام، عظیم اسلامی اسکالرز، پروفیسرز اور اہل علم حضرات کو تلاش کر کے ان سے اسلامی موضوعات پر پروگرام مرتب کرائے جائیں جو ناظرین کے لیے معلومات کے ذخیرہ میں اضافہ کا موجب ہونے کے ساتھ ساتھ ظاہری دلکشی کا حسن بھی رکھتے ہوں۔

تراویح کے اوقات میں یعنی آج کل 7 بجے سے 9 بجے کے درمیان عوام کے پسندیدہ پروگراموں کو اس لیے دکھایا جاتا ہے کہ عوام ان پروگراموں میں اس قدر مگن ہو جائیں کہ وہ قرآن کی سماعت اور تراویح کی عبادت سے محروم رہیں۔

کیا یہ بہتر نہیں کہ ان اوقات میں یعنی 7 بجے سے 9 بجے تک رمضان کے چند ہفتوں تک کے لیے اسلامی تعلیمات پر مبنی پروگرام دکھائے جائیں تا کہ اگر کوئی تراویح نہ بھی پڑھ سکے تو کم از کم اسے دین کے بارے میں کچھ معلومات ہی حاصل ہو جائیں اور اس کا دل

Marfat.com

دین کی طرف پھر جائے۔

یہی تو وہ "خطرناک" تجویز ہے جس کے ٹی وی "حکام" ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک متحمل نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کے "آقا" کبھی ایسی حرکت برداشت نہیں کر سکیں گے کہ جس سے "نیو ورلڈ آرڈر" متزلزل ہو جائے؟

جس طرح یہ دلیل دی جاتی ہے کہ جب ٹی ویز پر ڈرامے وغیرہ دکھائے جا رہے ہوتے ہیں تو "حکام" انھیں مجبور تو نہیں کرتے کہ ضرور ڈرامہ ہی دیکھا جائے بلکہ اگر "ناظرین" چاہیں تو ڈرامہ کو چھوڑ کر نماز تراویح کے لیے چلے جائیں تو اس میں قصور "ناظرین" ہی کا ہے۔"ٹی وی کے حکام" کا نہیں تو یہ بھی تو کیا جا سکتا ہے کہ آپ 9 بجے کے بعد ڈراموں کو دکھائیں جس کا دل چاہے گا، ڈرامہ دیکھ لے گا اور اگر دل نہ چاہے گا تو نہ دیکھے تو اس طرح کم از کم ٹی وی کے حکام تو عند اللہ نماز تراویح میں نہ جانے والے افراد کے گناہ سے بری الذمہ ہو جائیں گے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ 9 بجے ٹی وی پر خبریں آتی ہیں، اس لیے یہ ایسا قومی پروگرام ہے جس کو بدلا نہیں جا سکتا تو کیا ٹی وی کی تاریخ میں قومی خبروں کا وقت کبھی نہیں بدلا گیا؟

اور ٹی وی پر "خبروں" کے نشر ہونے کا کون سا ایسا پسندیدہ پروگرام ہے جو "وزراء" کے علاوہ "عوام" پسند کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ پی ٹی وی "اکلوتا" ٹی وی نہیں بلکہ دنیا میں بیک وقت بہت سے ٹی وی اپنا پروگرام دکھا رہے ہوتے ہیں تو جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ براہ مہربانی! آپ اپنے "اکلوتے" ٹی وی کو بند کر دیں، قومی خزانہ پہ بوجھ کیوں بن رہے ہیں۔ عوام بٹن دبائیں گے، اپنے پسندیدہ پروگراموں کو دیکھ لیں گے۔ آپ ان کی پسند میں رکاوٹ کیوں بنتے ہیں؟

یہ تمام نصیحتیں اور تجاویز اپنی جگہ بجا سہی لیکن ذہن میں رہے کہ پی ٹی وی اور دیگر نشریاتی ادارے عوام سے زیادہ حکومت کی ضرورت ہیں، اس لیے ان پروگراموں میں تبدیلی کے کوئی امکانات نظر نہیں آ رہے کیونکہ اب "صدارتی انتخاب" کے بعد حکومت میں تبدیلی کے امکانات بھی نظر نہیں آ رہے اور اس طرح کتنی ہی خواہشیں اور امیدیں خاک نشین ہو گئیں۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 3 جنوری 1998ء)

♥......♥......♥

98183

Marfat.com

راشی ٹریفک مجسٹریٹ

حضرت ابو سعید حذری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

''کہ تم میں سے جو شخص کسی برے کام کو ہوتا ہوا دیکھے تو اسے ہاتھ سے بدل دے اور اگر اتنی طاقت نہ ہو تو زبان سے (منع کرے) یہ بھی نہ ہو سکے تو دل سے (برا جانے) اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔''

اس خطہ ارضی سے برائیوں، خرابیوں، فسق و فجور اور افعال قبیحہ کو ختم کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنی اپنی استطاعت اور طاقت کے مطابق ان کو صفحہ ہستی سے ختم کرنے میں اپنا اپنا کردار ادا کرے۔ چنانچہ فقہاء کرام نے انسانی فطرت کو مدنظر رکھتے ہوئے معاشرتی اور اجتماعی اعتبار سے ''ہاتھ سے بدلنے'' والے عمل کو حکمرانوں اور ان کے نائبین کے ساتھ خاص کیا۔ اگرچہ انفرادی حیثیت سے پھر بھی ہر فرد اپنے اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے ان برائیوں کے خاتمہ کا ذمہ دار بھی رہے گا اور اس کا یہ حق ختم نہیں ہو جائے گا۔

جدید تہذیب یافتہ روایات میں یہ اختیارات آئین اور قانون کا روپ دھار کر ''منصفین'' اور ''منتظمین'' کی طرف منتقل کر دیے گئے ہیں۔

اور ''زبان'' کی طاقت کو ''ناصحین''، ''وکلاء'' اور ''خطباء'' کے حوالے کر دیا گیا کہ وہ صرف برائی کی نشاندہی کر کے اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہو جائیں۔

اور ''دل کے معاملے'' کو لاچار اور بے کس ''عوام'' کے سپرد کر دیا کہ وہ برائی کو ''پھلتا پھولتا'' دیکھ بھی رہے ہیں لیکن ''قانونی تقسیم کار'' نے انھیں بے دست و پا بنا کر چھوڑ دیا ہے۔

اور ''جاگیردارانہ نظام'' کی طرح ان اختیارات کو بھی ایک ''جاگیر'' سمجھ لیا گیا ہے اور ''جاگیردار'' کبھی یہ برداشت نہیں کرتا کہ اس کی ''جاگیر'' میں کسی اور کو مداخلت کا حق حاصل

Marfat.com

ہو جائے۔ قانون کی اصطلاح میں اس کو جس نام سے بھی پکاریں، چاہے ''عدالتی اختیارات'' کا نام دے لیں یا ''اختیارات سماعت'' کہہ دیں یا ''عدالتی طریق کار'' کہیں یا ''عدالتی فرائض منصبی'' کا عنوان دے دیں یا ''عدالتی وراثت کار'' میں محدود کر دیں یا ''عدالتی اور انتظامی'' تقسیم کار کہہ دیں، نتیجہ ایک ہی نکلے گا۔ اسی لیے تو جب گزشتہ سال مملکت کے ایک ''منتظم اعلیٰ'' نے فیصل آباد میں برائیوں کی بیخ کنی کے سلسلے میں برے افراد کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگوائیں تو اپنی جاگیر میں بے جا، تصرف اور دخل اندازی، کا عنوان دیتے ہوئے برے افراد اور برائی کی بالواسطہ مدد کی گئی جس کے نتیجے میں برائی اور برے افراد کو روکنا ممکن نہ رہا اور برائی کرنے والوں کو برائی کے سلسلے کو جاری رکھنے کا ''پیغام خو'' دے کر تازہ ولولہ عطا کیا گیا اور اس طرح برائی کو روکنا بھی ''خلاف قانون'' اور ''جرم'' قرار دے دیا گیا کیونکہ ''عدالتی بادشاہ'' کی مرضی ہے کہ وہ برائی کو روکے یا نہ روکے۔ دوسرے کو کیا حق حاصل ہے کہ اس کے کام میں مداخلت کرے اور اس قسم کے ''جاگیردارانہ'' روعمل نے ملک کی معیشت کو، اقتصادیات کو، نظام عدل و انصاف کو، انتظامی گرفت کی کمزوری کو اور ملک و ملت کو جو نقصان پہنچایا وہ ایک الگ خونچکاں داستان کی حیثیت رکھتی ہے۔

اور اس داستان کے ایک ''کردار'' کا ''مشاہدہ'' ان ''گناہگار'' آنکھوں نے گزشتہ دنوں کیا جس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

مورخہ 30 دسمبر کو فلائنگ کوچ سے ساہیوال سے لاہور آنے کا اتفاق ہوا۔ ساہیوال سے لاہور تک کے سفر میں وزارت مواصلات اور ہائی ویز ڈیپارٹمنٹ کی حسن کارکردگی کے ''اعلیٰ نمونے'' مشاہدہ کرتے ہوئے، بھوکے درندوں کی مانند منہ کھولے ہوئے خوفناک گڑھوں سے بچتے بچاتے، جھولے میں بیٹھے ہوئے بچوں کی مانند، سروں کو سہلاتے اور دائیں بائیں ہچکولے کھاتے ہوئے جب ''پھول نگر'' کے بائی پاس پر پہنچے تو سامنے کی طرف سے آنے والے ویگنوں، کوچوں اور بسوں کے ڈرائیوروں کے عجیب و غریب انداز سے ہاتھوں کے اشاروں نے ایک تجسس کی کیفیت پیدا کر دی۔

ابھی بائی پاس پر ایک فرلانگ ہی چلے تھے کہ ڈرائیور نے فلائنگ کوچ کو واپس پھیرا اور پھول نگر کی ٹوٹی پھوٹی پرانی سڑک پر شہر کے اندر روانہ ہو گیا چونکہ اگلی سیٹ پر براجمان تھا اس لیے ''دیکھتی آنکھوں اور سنتے کانوں'' سے یہ سب دیکھ رہا تھا اور حیران ہو رہا تھا کہ نئی

Marfat.com

نویلی سڑک کو چھوڑ کر ناکارہ سڑک پر ڈرائیور فخریہ تبسم اور مطمئن چہرے کے ساتھ کیوں رواں دواں ہے حالانکہ اس سڑک پر تو سفر کرتے ہوئے ڈرائیوروں کی روح بھی کانپتی ہے۔ اسی حیرانگی میں ڈوبا ہوا تھا کہ ڈرائیور گویا ہوا کہ اصل میں بائی پاس پر ''ٹریفک مجسٹریٹ'' نے ''ناکہ'' لگایا ہوا ہے اور کاغذات کی چیکنگ کے نام پر اپنا ''بھتہ'' وصول کر رہا ہے کیونکہ مہینے کی آخری تاریخیں ہیں۔ میں نے کہا کہ ابھی تو آپ کا ''مجسٹریٹ'' سے واسطہ ہی نہیں پڑا یہ آپ کیسے کہہ رہے ہیں تو اس نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا کہ سامنے آنے والے ڈرائیور جو اشارے کر رہے تھے، وہ یہی خبر دے رہے تھے کہ آگے جانا خطرے سے خالی نہیں اور اس خطرے سے نجات پانے میں مسافروں کا آدھا گھنٹہ شہر کی سست رفتار ٹریفک کی نذر ہو گیا۔ ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ ''عوام کے ذریعے، عوام کے لیے اور عوام کے نام پر'' برسر اقتدار حکومت میں یہ کیسے ممکن ہے؟ بہرحال ابھی ''پھول نگر'' سے لاہور کی جانب قریباً کوئی دس کلومیٹر کا سفر طے کیا ہی تھا کہ دن دہاڑے ایک بجے کے قریب ایک سفید رنگ کی ٹریفک مجسٹریٹ کی جیپ سڑک کی جانب منہ کیے ہوئے کھڑی تھی جس میں ایک صاحب تشریف فرما تھے۔ میں یہ یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ یہی وہی مجسٹریٹ تھے جو بائی پاس پر ''ناکہ'' لگائے ہوئے تھے یا یہ کوئی اور تھے۔ ویسے بھی بائی پاس سے یہاں پہنچنے میں تقریباً ایک گھنٹہ کا وقت گزر گیا تھا۔ بہرحال پولیس کے کارندے صرف بسوں، فلائنگ کوچوں اور ویگنوں کو روک رہے تھے۔ ڈرائیور جیب میں ہاتھ ڈال کر نیچے اترا اور صرف چند لمحوں کے بعد پولیس کارندہ سے مصافحہ کر کے واپس آیا اور لاہور کی جانب روانہ ہو گیا۔ میں نے پوچھا کیا کاغذات مکمل نہیں تھے تو اس نے جواب دیا کہ کاغذات مکمل تھے تو پھر آپ جیپ میں بیٹھے ہوئے مجسٹریٹ کے پاس کیوں نہیں گئے؟ تو اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ مجسٹریٹ کاغذات کی چیکنگ کے لیے نہیں بیٹھے ہوئے بلکہ جو ''ان کارندوں'' کے حکم کو نہ مانے گا، اس کی سزا کے لیے تشریف فرما ہیں اب تو صرف ایک سو روپے میں جان چھوٹ گئی اگر ان کے پاس جاتا تو دو سو میں بھی جان نہ چھوٹتی، اس لیے میں نے وقت اور پیسہ دونوں بچا لیے۔ اس نے بات کو جاری رکھتے ہوئے بتایا کہ تمام بسوں، ٹرکوں، فلائنگ کوچوں، ویگنوں اور لینڈ کروزروں کی ''منتھلیاں'' مقرر ہیں جو انھیں مہینہ کے شروع میں دفتروں میں پہنچ جاتی ہیں۔ جب مہینہ شروع ہو جائے تو وہ دفتروں میں نہ پہنچانے والوں سے وصولی کرتے ہیں اور جب مہینہ کا آخر

Marfat.com

ہوتا ہے تو وہ جرمانہ کے نام پر وصولیاں کرتے ہیں اور اب تو رمضان اور عید بھی آ رہی ہے۔

اس ڈرائیور نے ایک اور دلچسپ واقعہ سنایا (چونکہ یہ واقعہ میں نے دیکھا نہیں، اس لیے دروغ برگردن راوی) ''ایک دفعہ ٹریفک پولیس والے دفتری اوقات میں مجسٹریٹ کے بغیر مجسٹریٹ کی جیپ کو اسی طرح کھڑا کر کے دو گھنٹہ تک اپنی ''کارروائیاں'' کرتے رہے اور مجسٹریٹ کے ڈرائیور کو مجسٹریٹ کی جگہ بٹھا دیا گیا اور ڈرائیوروں کو جیپ کی طرف اشارہ کر کے کہتے کہ دیکھو گاڑی میں مجسٹریٹ صاحب بیٹھے ہوئے ہیں، اس لیے یہیں ''مک مکا'' کر لو تو بہتر ہے وگرنہ ''وہ'' بھاری جرمانہ کر دے گا اور ہم اسی طرح بے وقوف بنتے رہے اور قانون کے ''محافظ'' اسی طرح ''قانون کی حفاظت'' کرتے رہے۔

اور میں تعجب کر رہا تھا کہ یہ کتنے ''فرض شناس'' مجسٹریٹ صاحب ہیں جو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ڈرائیور کاغذوں کے بغیر اتر رہے ہیں اور ان کے مقرر کردہ پولیس کے کارندے ڈرائیوروں سے کاغذات بھی طلب نہیں کر رہے بس ''انتہائی گرمجوشی'' سے ''مصافحہ'' کرتے ہیں جیسے کوئی طویل عرصہ سے بچھڑے ہوئے ''دوست'' ملاقات کے وقت ''مصافحہ'' کرتے ہیں اور ڈرائیور واپس اپنی جگہ بیٹھ کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔

ڈرائیوروں کا کاغذات کے بغیر اترنا اور پولیس والوں کا کاغذات کی چیکنگ کے بغیر واپس پھیر دینا۔ یہ چیکنگ کی کون سی قسم ہے؟

اب یہ متعلقہ ادارے کے سربراہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ دیکھیں کہ اس تاریخ کو ان مقامات پر اور اس وقت کون سے مجسٹریٹ اپنے فرائض کو ''بحسن وخوبی'' سرانجام دے رہے تھے اور پولیس کی نیک نامی میں چار چاند لگا رہے تھے۔

آنکھیں یہ سب کچھ دیکھ رہی تھیں اور ذہن میں شروع میں لکھی گئی حدیث کے یہ الفاظ گونج رہے تھے کہ ''یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے'' اور ایمان کے ''اعلیٰ درجے'' پر بیٹھے ہوئے فرد لوگوں کو ''بے ایمانی'' کی کھلے عام دعوت دے رہے تھے۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 4 جنوری 1998ء)

♥ ...... ♥ ...... ♥

Marfat.com

غیر مسلموں کے نزدیک روزے کی افادیت

یہ بدیہی اور واضح امر ہے کہ مسلمان جس نکتہ نظر وفکر سے روزے کی افادیت، اہمیت اور عظمت کو تسلیم اور محسوس کرتے ہیں غیر مسلم اس نکتہ نگاہ سے اس کو نہیں دیکھتے۔ مسلمان کو اطمینان کی دولت سے مالا مال کرنے کے لیے صرف یہ امر ہی کافی ہے کہ اس کے مالک اور خالق کا حکم ہے اور اس نے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کے حکم اور سنت کی پیروی کرنی ہے۔ اس میں کیا کیا فوائد اور نقصانات ہیں اسے اس سے کوئی غرض نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرستادہ رسول کریم کے احکامات کی اطاعت کی جاتی ہے۔ اس میں فوائد ونقصانات کو نہیں دیکھا جاتا اور اگر فوائد ونقصانات پیش نظر ہونے لگ جائیں تو یہ عمل پیرائی ''اتباع اور اطاعت'' نہیں کہلاتی بلکہ ذاتی مفاد کے حصول کا ذریعہ قرار پاتی ہے البتہ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان مزید ہے کہ اس کا کوئی حکم بھی حکمت اور افادیت سے خالی نہیں ہے لیکن ان تمام ادلہ کے باوجود انسان میں تجسس اور تلاش کا مادہ بھی ودیعت ہوا ہے جس کی بنا پر وہ ''اس کے'' کے احکامات اور اوامر میں حکمتوں، علتوں، فضیلتوں اور رفعتوں کا متلاشی رہتا ہے چنانچہ ایک غیر مسلم جب روزہ کی افادیت کو پرکھتا ہے تو اس میں تسلیم سے زیادہ تنقید وتنقیص کا عنصر موجود ہوتا ہے نقد وجرح کے بعد بھی اگر غیر مسلم اس حکم کی افادیت کا اظہار کرنے لگے تو اس کا واضح مطلب یہی نکلتا ہے کہ یہ حکم دینی ودنیاوی اور جسمانی وروحانی اعتبار سے مکمل طور پر انسان کے لیے فوائد کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

غیر مسلم روزے کی افادیت کے بارے میں کیا کہتے ہیں اس کی چند جھلکیاں پیش خدمت ہیں۔

پروفیسر مور پالڈ جو آکسفورڈ یونیورسٹی کے عظیم فلاسفروں میں سے ایک ہیں وہ لکھتے ہیں کہ:

''میں نے علوم اسلامیہ کا مطالعہ کیا اور جب روزے کے باب پر پہنچا تو میں چونک

Marfat.com

پڑا کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اتنا عظیم فارمولا دیا ہے اگر اسلام اپنے ماننے والوں کو اور کچھ نہ بھی دیتا صرف یہی روزے کا فارمولا ہی دیتا تو پھر بھی اس سے بڑھ کر ان کے پاس اور کوئی نعمت نہ ہوتی"۔

میں نے سوچا کہ اس کو آزمانا چاہیے پھر میں نے مسلمانوں کی طرز پر روزے رکھنے شروع کر دیے میں عرصہ دراز سے معدے کے ورم کی بیماری میں مبتلا تھا کچھ دنوں کے بعد ہی میں نے محسوس کیا کہ اس بیماری میں کمی واقع ہونی شروع ہو گئی ہے چنانچہ میں نے روزے کی مشق جاری رکھی پھر میں نے جسم میں کچھ اور تبدیلی بھی محسوس کی اور کچھ ہی عرصہ کے بعد میں نے اپنے جسم کو نارمل پایا۔

حتیٰ کہ میں نے ایک ماہ کے بعد اپنے اندر انقلابی تبدیلی محسوس کی۔ آپ نے غور کیا ہوگا کہ اس تجزیہ میں جہاں ایک بیماری سے نجات پانے کے بارے میں وہ اپنا عملی تجربہ بیان کر رہے ہیں اس کے ساتھ ساتھ وہ غیر شعوری طور پر موت اور بیماری سے نجات پانے کا وقت بھی بیان کر رہے ہیں۔

جب ہم کسی ماہر معالج کے پاس اپنی بیماری کے علاج کے سلسلے میں جاتے ہیں تو دوائی کے طلب کی ساتھ ساتھ غیر ارادی طور پر منہ سے یہ الفاظ بھی ادا کرتے ہوئے پوچھتے ہیں کہ محترم ڈاکٹر صاحب

اس بیماری سے نجات پانے میں کتنا عرصہ لگے گا؟

تو پھر وہ اپنے تجربے اور علم کو بروئے کار لاتے ہوئے بیماری سے شفایابی کی مدت بھی بتا دیتے ہیں۔

تعجب ہے کہ ایک صاحب علم کو تو طریق علاج اور مدت کے بارے میں علم ہے لیکن "خالق" کو اپنی مخلوق کی بیماریوں کی شفایابی کے طریق شفا اور مدت شفا کے بارے میں علم نہ ہو؟

فرائیڈ دنیائے علم کے مشہور و معروف ماہرین نفسیات میں ان کا شمار ہوتا ہے اور ان کی قائم شدہ تھیوری ماہرین نفسیات کے لیے مینارہ نور کی حیثیت رکھتی ہے روزے کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

روزے سے دماغی اور نفسیاتی مرضوں کا مکمل طور پر خاتمہ ہو جاتا ہے۔ انسانی جسم

Marfat.com

میں مختلف ادوار آتے ہیں لیکن روزہ دار آدمی کا جسم مسلسل بیرونی دباؤ کو قبول کرنے کی صلاحیت کو حاصل کر لیتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ روزہ دار کو جسمانی کھچاؤ اور ذہنی دباؤ کا پھر سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ گویا روزہ نفسیاتی اعتبار سے بھی انسان کے ذہن و جسم پر بھی مثبت اثرات مرتب کرتا ہے۔

ڈاکٹر لوتھر جیم کیمبرج یونیورسٹی کے مشہور پروفیسروں میں شمار کیے جاتے ہیں اور علم ادویہ کے ماہرین میں سے ہیں۔

''چنانچہ انھوں نے ایک فاقہ کش جو تمام دن بھوکا پیاسا رہا (دوسرے معنوں میں روزہ دار) کے معدے کی رطوبت کو حاصل کیا اور لیبارٹری ٹیسٹ کے ذریعہ اس کا تجزیہ کیا تو انھوں نے اپنے تجزیہ میں محسوس کیا کہ وہ متعفن غذائی اجزاء جن سے معدہ امراض کو قبول کرتا ہے وہ بالکل ختم ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ اوتھر اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں۔

روزہ جسم اور خاص طور پر معدے کے امراض میں صحت کی ضمانت ہے۔ پوپ ایلف گال ہالینڈ کے مقتدر پادریوں میں گنے جاتے ہیں وہ اپنے روحانی پیروکاروں کو تلقین کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

میں اپنے روحانی پیروکاروں کو ہر ماہ تین روزے رکھنے کی تلقین کرتا ہوں لیکن ان میں وہ مریض جو لا علاج ہیں ان کو تین یوم نہیں بلکہ ایک ماہ تک روزے رکھوائے جائیں۔

میں نے شوگر، دل کے امراض اور معدے کے امراض میں مبتلا مریضوں کو مستقل ایک ماہ تک روزے رکھوائے جس کے نتیجے میں شوگر کے مریضوں کی حالت بہتر ہوئی ان کو شوگر کنٹرول ہو گئی۔

دل کے مریضوں کی بے چینی اور سانس کا پھولنا کم ہوا۔ معدے کے مریضوں کو سب سے زیادہ افاقہ ہوا۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 5 جنوری 1998ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

صدر محترم کا سجدہ سہو

''کفر'' نے اپنی ''کفریانہ'' چالبازیوں اور عیاریوں کے ذریعے ایسے ماحول کو پیدا کرنے میں کافی حد تک کامیابی حاصل کر لی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اس کوشش میں مصروف رہتا ہے (الا ماشاء اللہ) کہ گویا ''مسلمان'' ہونا اور ''اسلام'' سے وابستگی کا اظہار کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ جس کا وہ ارتکاب کر بیٹھا ہے اور اس ''گناہ'' کی تلافی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک وہ اسلام کے قبول کرنے پر معذرت خواہانہ انداز اختیار نہیں کر لیتا یا کم از کم اسلام کی بنیادی تعلیمات سے بے زاری کا اظہار نہیں کرتا اور اس ماحول کو پیدا کرنے کا آغاز سب سے پہلے ''طبقہ اشرافیہ'' میں کیا گیا جس میں جاگیردار (خاص طور پر وہ جاگیردار جن کا مشغلہ سیاست گری ہے کیونکہ انگریزوں نے وطن سے غداری کے صلہ میں اور اپنے مفادات کو تقویت پہنچانے کے سلسلے میں انھیں یہ جاگیریں عطا کی تھیں) اور انتظامیہ کے بڑے بڑے عہدیدار چاہے وہ حکومت کی انتظامیہ، عدلیہ اور مقننہ سے وابستہ عہدیدار ہوں یا غیر سرکاری طور پر بڑی بڑی فرموں، کارپوریشنوں اور اداروں سے وابستہ ہوں ان کے ذہنوں میں اس خیال کو پختہ کیا گیا کہ اسلام بھی ایک پرانا اور قدیم دین ہو چکا ہے جو جدید زمانے کا ساتھ دینے کی صلاحیت سے عاری ہو چکا ہے۔ اس کی تعلیمات احکامات پرانے زمانہ کے لیے تو مناسب ہو سکتی تھیں لیکن اب وہ جدید دور کے تقاضوں میں ہم آہنگی کی صلاحیت کو کھو چکی ہیں چنانچہ ان کی دیکھا دیکھی ''عوام'' بھی متاثر ہو کر سوچنے لگتے ہیں کہ ہمارے ''بڑے'' ٹھیک ہی کہتے ہوں گے۔

اور تو اور ''لوگ'' جن کی ظاہری صورت کو دیکھ کر انھیں ''دین دار'' خیال کر بیٹھتے ہیں جیسے ہی وہ ''اہم عہدے'' کی ''کرسی'' پر قدم رنجہ فرماتے ہیں ویسے ہی پہلی فرصت میں وہ اسلام کی بنیادی تعلیمات سے بے زاری کے اظہار فرمانے کو اپنی پہلی ترجیح قرار دے لیتے ہیں۔

اسلام دشمن طاقتوں نے بنیاد پرست کے لفظ کو نہایت عیاری سے اس طرح مسلسل استعمال کرایا کہ عوام میں عموماً اور طبقہ اشرافیہ میں خصوصاً یہ لفظ ''گالی'' کے طور پر استعمال کیا

Marfat.com

جانے لگا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر قوم اور مذہب کی اپنی اپنی فنی اصطلاحات ہوتی ہیں عیسائیوں کے کیتھولک اور پروٹسٹنٹ مذہبی گروہ کی کشمکش اور اختلافی پس منظر میں یا عیسائی اور یہودیوں کے باہمی اختلاف میں یہ لفظ اصطلاحاً ''گالی'' کے طور پر تو استعمال کیا جا سکتا ہو تو ہو لیکن اسلام میں ایک مسلمان اس وقت تک مسلمان قرار ہی نہیں دیا جا سکتا جب تک وہ اسلام کی بنیادی تعلیمات کو دل و جان سے تسلیم نہیں کر لیتا۔ اسلام کی اصطلاح میں ''زانی'' اور ''شرابی'' ہونا ایک قسم کی ''گالی'' ہے غیر مسلموں کے ہاں نہ ہو تو نہ ہو۔

تعجب ہے کہ ''کرسی صدارت'' پر منتخب اور متمکن ہونے والی شخصیت کو تو اس بات پر نازاں ہونا چاہیے تھا کہ منتخب کرنے والوں نے انھیں ان کی ظاہری چہرے کی خوبصورتی کی بناء پر بھی منتخب کیا تھا اب وہ کیوں خواہ مخواہ اپنے ظاہری حسن کو داغدار کر رہے ہیں۔

اسلام سے بیزار سیاستدان اور افراد بڑی خوبصورتی سے ان ''مقاصد'' کو بہت جلد حاصل کر لیتے ہیں جن ''مقاصد'' کو وہ حاصل کرنا چاہتے ہیں اور کہنے والوں سے بڑی خاموشی سے وہ بات ''اگلوا لیتے'' ہیں جو وہ ''اگلوانا'' چاہتے ہیں۔

صدر محترم کے انتخاب کے وقت ''دینی طبقات'' میں سے ''کچھ طبقوں'' کو یہ اطمینان تھا کہ بہر حال صدر محترم آئین کی آرٹیکل 62 اور 63 پر پورے اترتے ہیں اور بڑے عرصے کی تمناؤں اور خواہشوں کے بعد کم از کم ایک ایسی شخصیت اس عہدہ جلیلہ پر فائز ہوئی ہے جو سنت نبوی ﷺ کے رموزات کو نہ صرف جانتی ہے بلکہ عمل بھی کرتی ہے مگر

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اور انھیں اطمینان تھا کہ کم از کم آئندہ اسلام اور اسلام کی تعلیمات کے بارے میں کچھ تحفظات حاصل ہو جائیں گے لیکن جیسے ہی وہ محترم شخصیت ''کرسی صدارت'' پر فروکش ہوئی ان کی زبان سے غیر ارادی طور پر وہ بات کہلوا دی گئی جس سے حکومت سے وابستہ ''مذہبی طبقہ'' میں تشویش کی لہر دوڑ گئی اب چاہے صدر محترم جتنی ہی صفائیاں پیش کریں جتنے ہی مطلب بیان کریں یا کہیں کہ میرا مطلب یہ نہیں یہ تھا لیکن ''تیر'' تو چل گیا اور وہ اپنا ''کام'' کر گیا۔

اور یہ سب کچھ کیوں ہوا اس لیے کہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف جو ایک خاص ماحول پیدا کرایا جانا مقصود ہے اس میں جہاں کہیں رکاوٹ پیدا ہوتی ہوئی محسوس ہو فوراً اس

Marfat.com

رکاوٹ کو پیدا ہونے سے پہلے ہی دور کر دیا جائے۔

غالباً صدر محترم! صدارتی مہم کی گہما گہمی میں آزاد ''معاشرے'' کے آزاد ''باشندوں'' اور ''تہذیب و تمدن'' جکڑ بندیوں میں ''مقید'' ''روشن خیال'' افراد کے ''ذہنی تحفظات'' کے بارے میں کچھ ارشاد نہ فرما سکے اس لیے انھوں نے محسوس کیا کہ اس کی بروقت تلافی کی جائے جس کی بناء پر یہ فرمودات ''نوک زبان'' پر لانے پڑے۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق اسلام کی بنیادی تعلیمات کے اقرار کرنے پر تو فخر کا اظہار کیا جانا چاہیے تھا چہ جائیکہ یہ ماحول ہی کا تو نتیجہ ہے اگر ''فنڈا منٹلسٹ'' کے لفظ کو اچھے معنی میں مستعمل ہونے دیا جاتا تو ہر برسر اقتدار آنے والی شخصیت ببانگ دہل بڑے فخر سے کہتی کہ میں بھی ''فنڈا منٹلسٹ'' ہوں۔

ارشاد خداوندی ہے:

''اے نبی (کریم) اپنی بیبیوں، صاحبزادیوں اور مسلمان عورتوں سے فرما دو کہ وہ اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے منہ پر ڈالے رہیں (بدن ڈھانپنے کے ساتھ ساتھ چادر کا کچھ حصہ سر سے نیچے چہرہ پر بھی لٹکا لیں) یہ اس سے نزدیک تر ہے کہ ان کی پہچان ہو اور کوئی ان کو نہ ستائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' (القرآن 33,59)

(روزنامہ جنگ، لاہور 6 جنوری 1998ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

غیر مسلموں کے نزدیک روزے کی افادیت

ہمارے ''زاویہ ہائے فکر'' میں یہ ''سوچ'' اس تواتر سے پیدا کی گئی ہے کہ مغرب کی ''میڈیکل سائنس'' ہی سب کچھ ہے اس کے علاوہ ہر طریق ''علاج'' غلط ہے اس لیے ''اس کی'' ہر قسم کی ادویہ، طریق علاج اور انداز استعمال ہی سے ''حصول شفا'' ممکن ہے یقیناً یہ بات کافی حد تک درست بھی ہے کیونکہ مسلسل تجربات اور ''میدان عمل'' میں عملی اعتبار سے اس نے اپنی اثر پذیری اور فوائد کو ثابت بھی کیا ہے۔

کاش! ہمارے اسلامی حکمران اور ان کے متعلقہ ادارے اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے ایسے ''ریسرچ انسٹیٹیوٹ'' اور ''ادارے'' قائم کرتے جن میں جدید علوم کے ''مسلم ماہرین'' اسلام کے احکامات میں مستقل طور پر مسلسل اور تواتر سے ''میڈیکل سائنس'' کے جدید نظریات کے اصولوں کی روشنی میں ان کی افادیت اور انسانی جسم سے ان کی مطابقت کو اجاگر کرتے اور اگر کہیں مغرب اور اسلام کے ''نظریات طب'' میں تقابل کی صورت پیدا ہوتی ہے تو ان ہی کے قائم کردہ اصولوں اور نظریات اور تھیوریوں کی روشنی میں اسلامی حکم کی حقانیت، افضلیت اور انسانی جسم سے مناسبت کو ثابت کرتے۔

بہر حال اس میدان میں جو کوششیں بھی ہوئی ہیں وہ انفرادی حیثیت سے یا میدان طب کے ''مسلم اطباء'' کی اجتماعی حیثیت سے ہوئی ہیں جس میں ''سرکار'' کا کوئی ''معتد بہ'' دخل نہیں بلکہ حکومت کے ایوانوں میں بیٹھے ہوئے ''بیوروکریسی'' کے افراد کا اگر بس چلتا تو وہ ان انفرادی اور اجتماعی کوششوں کو بھی سبوتاژ کرنے کی اسی طرح کوششیں کرتے جس طرح وہ علوم دینیہ و اسلامیہ کے اداروں کو بند کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں اور جس کی زندہ مثالیں موجود ہیں مرکزی حکومت اپنے قائم کردہ ''اسلامی ریسرچ انسٹیٹیوٹ'' اسلام آباد کو اپنے بجٹ میں سے جو کچھ دیتی ہے اس کو اگر بجٹ کے اخراجات کے تناظر میں دیکھا جائے تو فیصد تو بہت دور کی بات ہے لاکھویں حصہ میں بھی نہیں آتا اور اسلام کی تعلیمات کے فروغ

Marfat.com

کے سلسلے میں ''اسلامی ریسرچ انسٹیٹیوٹ'' اسلام آباد جو کچھ سعی اور کوشش کرتی ہے وہ اس ادارے کے عہدیداران کی اسلام سے ذاتی وابستگی کے مرہون منت ہے۔ حقیقت میں اس ادارے کو دی جانے والی ''رقم'' اس قدر قلیل ہوتی ہے کہ وہ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں وہ کر نہیں پاتے اور ان کے بہت سے بہترین منصوبے فائلوں کے ''اوراق'' کی زینت بنے رہتے ہیں اور اس کی وجہ ''بیوروکریسی'' کی یہ سوچ ہے کہ ہم نے اسلام کو پھیلانے کا کوئی ٹھیکہ لے رکھا ہے اور یہ کیونکر ممکن ہے کہ اس ترقی یافتہ دور میں بھی اسلام کی خوبیوں کو ہمارے ذریعے اجاگر کیا جائے۔

سچ بہرحال سچ ہے جو کبھی کبھی غیر مسلم سے بھی صادر ہو جاتا ہے چنانچہ روزہ کے جسمانی اور طبی فوائد کو بیان کرتے ہوئے فاتح عالم سکندر اعظم اور مشہور یونانی فلسفی یوں بیان کرتے ہیں اور اتفاق ایسا ہے کہ دونوں یونانی لیڈر اپنے اپنے میدان کے بے مثل شہسوار ہیں چنانچہ انھوں نے فاقہ اور پھر مسلسل فاقہ (روزوں) کو جسم کی توانائی کے لیے بہت ضروری قرار دیا ہے۔

سکندر اعظم کہتا ہے۔

''میری زندگی مسلسل تجربات اور حوادث میں گزری ہے اور جو آدمی صبح اور شام کھانے پر اکتفا کرتا ہے وہی ایسی زندگی گزار سکتا ہے جس میں کسی قسم کی لچک نہ ہو۔''

میں نے ہندوستانی سرزمین کے ایسے خطے پائے جہاں سبزہ جل گیا تھا لیکن وہیں میں نے صبح سے شام تک کچھ نہ کھایا نہ پیا تو میں نے اپنے اندر ایک تازگی اور توانائی محسوس کی۔''

ایک امریکی غیر مسلم اپنی آپ بیتی بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

''سال میں کچھ وقت انسان پر ایسا گزرنا چاہیے کہ وہ ڈائٹنگ کر کے اپنے نظام ہضم (Digestive system) کو کچھ عرصہ کے لیے فارغ رکھے اس طرح اس کے اندر موجود رطوبتیں جو وقت کے ساتھ ساتھ زہر (Poison) میں تبدیل ہو جاتی ہیں وہ روزے سے ختم ہو جاتی ہیں اور پھر ان خطرناک رطوبتوں کے ختم ہونے سے بہت سے پیچیدہ امراض کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور اس طرح نظام ہضم پہلے سے مضبوط تر ہو جاتا ہے۔

اس لیے میں نے اور میری بیوی نے یہ فیصلہ کیا کہ ہر مہینے میں اس طرح روزہ رکھ کر ڈائٹنگ (Dieting) کریں گے۔''

Marfat.com

غیر مسلم اسلامی عبادات کے طبی نگاہ سے انسانی جسم پر مرتب ہونے والے اثرات کا جائزہ لینے کے لیے مختلف منصوبوں (Projects) پر کام کرتے رہتے ہیں تاکہ ان سے حاصل کردہ نتائج کی روشنی میں اپنی طبی تحقیقات کو آگے بڑھاتے رہیں۔

چنانچہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے ایک مسلمان فرانس گئے جب رمضان آیا تو بقول ان کے میں نے اپنے شعبے کے انچارج پروفیسر سے ایک ماہ کی چھٹی طلب کی پروفیسر صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ تم کیوں چھٹی لینا چاہتے ہو تو میں نے کہا کہ ہمارا مقدس مہینہ رمضان آ رہا ہے اور روزے رکھنے کے ساتھ ساتھ تراویح بھی پڑھنی ہیں اس لیے مجھے ایسی جگہ جانا پڑ رہا ہے جہاں سے میں روزانہ آ اور جا نہیں سکتا۔

اس پر پروفیسر نے جواب دیا کہ میں تمھیں یہیں ایسی جگہ بتاتا ہوں جہاں تم تراویح بھی پڑھ سکو گے اور وہ جگہ زیادہ دور نہیں ہے چنانچہ میں ان کی بتائی ہوئی جگہ پر گیا میں نے وہاں ایک ایسی جماعت کو پایا جن کے چہروں پر داڑھیاں بھی تھیں سر پر عمامے باندھے ہوئے تھے جبے پہنے ہوئے تھے مسواک سے وضو کرتے تھے اذانیں بھی دیتے اور باجماعت نمازیں بھی پڑھتے ایک آگے کھڑے ہو کر قرآن پڑھتا اور دوسرے پیچھے کھڑے ہو کر سنتے پھر مزے کی بات یہ کہ وہ دن میں روزے سے بھی ہوتے اور پورا ایک مہینہ اسی طرح گزر گیا پھر آخری عشرے میں اعتکاف بھی بیٹھے صبح و شام روزے کی سحری و افطاری معمول کے مطابق کرتے اور پھر عید والے دن عید بھی پڑھی۔

رمضان کے بعد میں نے پروفیسر صاحب کا شکریہ ادا کیا کہ آپ نے مجھے ایسے لوگوں سے ملایا اور اس طرح میرا رمضان بہت اچھا گزرا تو وہ پروفیسر صاحب مسکرائے میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ کہنے لگے آپ کو معلوم ہے یہ کون تھے؟ میں نے کہا کہ نہیں تو پروفیسر صاحب نے کہا کہ یہ سب یہودی تھے جو ایک پروجیکٹ پر کام کر رہے تھے کہ اسلام میں مسلمان مسلسل جو ایک مہینے کے روزے رکھتے ہیں ہم بھی اسی عربی انداز میں بالکل مسلمانوں کی طرح روزے رکھ کر دیکھیں کہ عملاً انسانی ذہن و فکر اور طبی نکتہ نگاہ سے انسان پر اس کے کیا نتائج مرتب ہوتے ہیں اور اس میں کیا کیا اچھائیاں ہیں۔ (بحوالہ علماء کرام اور ان کی ذمہ داریاں)

(روزنامہ جنگ، لاہور 7 جنوری 1998ء)

♥ ...... ♥ ...... ♥

Marfat.com

وہ دن بھی آئے گا جب ہر انسان روزہ رکھے گا

یہ صرف دعویٰ اور تعلّی ہی نہیں بلکہ جدید سائنسی تحقیق نے ثابت کر دیا ہے کہ ”The Day will come when every one will fast“ اور یہ دعویٰ ایک عام آدمی نے نہیں کیا بلکہ ترکی کے مشہور سائنس دان تابکاری علاج اور تابکاری حیاتیات کے ماہر ڈاکٹر ہلوک نور باقی نے کیا ہے اور انھوں نے قرآنی آیات کے احکامات کو سائنسی حقائق سے ثابت کیا ہے کہ قرآن کا کوئی حکم بھی سائنس کے ”حقیقی نظریات“ کے خلاف نہیں ہو سکتا کوئی سائنس دان یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ سائنس اب اپنی انتہائی عروج کو پہنچ چکی ہے اس لیے اب اس کے بعد سائنس میں مزید ترقی نہیں ہو سکتی۔ کیا اب تک کے سائنس دان ایک دوسرے کی ”تھیوریوں“ کو رد نہیں کرتے آئے؟ کیا یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ آئندہ کسی سائنس دان کی ”تھیوری“ رد نہیں کی جا سکے گی؟ معلوم نہیں کتنی ہی ”تھیوریوں“ کو مستقبل کے سائنس دان اپنے پاؤں کی ٹھوکر سے رد کر دیں گے اور ایسی نئی نئی ”تھیوری“ کو متعارف کرائیں گے جس سے ماضی کی ”تھیوری“ حرف غلط کی طرح مٹ جائے گی لیکن قرآن یہ دعویٰ ضرور کر رہا ہے کہ اس کی سائنس کا ایک حکم بھی ”قابل رد“ نہیں ہے۔ تمام دنیا کے سائنس دان بھی مل کر قیامت تک اصلی ”آفتاب و ماہتاب“ کی مانند نقلی ”آفتاب و ماہتاب“ اسی قوت، طاقت اور صفات کے حامل انھیں مطالعہ اور مغارب میں اور اوقات میں طلوع اور غروب نہیں کر سکتے حضرت ابراہیمؑ نے نمرود سے یہی تو کہا تھا ”بے شک اللہ سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے تو تو اس کو مغرب سے طلوع کر دے۔“ اور قرآن کا یہ دعویٰ قیامت تک قائم رہے گا کہ اے دنیا کے سائنس دانوں اگر تمھیں اپنی سائنس پر اتنا ہی ”ناز“ ہے تو تمام کائنات کی تخلیقات کو چھوڑ کر صرف یہ ایک ”معمولی“ سا ”فعل“ سرانجام دے دو اور اگر ایسا کر دو گے تو پھر یقیناً تم ایسا دعویٰ کرنے میں سچے ہو گے کہ قرآن کے احکامات انسان کی طبیعت مزاج اور فطرت کے خلاف ہیں اور اگر ایسا نہ کر سکو اور نہ کر سکو گے تو بہتر ہے کہ ان احکامات کو تسلیم کر لو اور نسل

Marfat.com

انسانی کی ''فلاح'' کے لیے اپنی سائنسی کوششیں جاری رکھو اور کائنات کی تخلیق شدہ اشیاء سے فائدہ حاصل کرتے رہو تو یہی تمھارے لیے بہتر ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر ہلک نور باقی (ترکی) اپنے حاصل کردہ سائنسی نتائج کی روشنی میں لکھتے ہیں۔

''ہم سب جانتے ہیں کہ سورۂ البقرہ کی آیات 183 سے 187 تک میں ہمارے دین کے ایک اہم رکن روزہ کا حکم دیا گیا ہے، اور تمام تفصیلات بتائی گئی ہیں ہم آیت نمبر 84 کے آخری حصہ میں بیان کردہ حقائق کا طبی نکتہ نظر سے مطالعہ کریں گے۔ اس حصہ میں بتایا گیا ہے کہ روزہ ایک بے حد اچھی چیز ہے۔ جس سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں اور اس امر کا بھی اعلان کیا گیا کہ ہم اس سے حاصل کردہ رحمتوں کو سمجھ سکتے ہیں بشرطیکہ ہم سچ کو پہچان سکیں۔

ابھی کچھ عرصہ قبل تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ روزہ بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ اس سے نظام ہضم کو آرام ملتا ہے جیسے جیسے طبی علم نے ترقی کی اس حقیقت کا بتدریج علم حاصل ہوا کہ روزہ تو ایک طبی معجزہ ہے اسی وجہ سے آیت کریمہ کا آخری حصہ یہ کہتا ہے ''اگر تم سمجھو تو۔''

آیئے اب ہم سائنسی تناظر میں دیکھیں کہ کس طرح روزہ ہماری صحت مندی میں مدد دیتا ہے۔

نظام ہضم جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں ایک دوسرے سے قریبی طور پر ملے ہوئے بہت سے اعضاء پر مشتمل ہوتا ہے۔ اہم اعضا جیسے کہ منہ اور جبڑے میں لعابی غدود، زبان، گلا، مقوی نالی (Alimentary Canal) یعنی گلے سے معدہ تک خوراک لے جانے والی نالی) معدہ، بارہ انگشت آنت، جگر اور لبلبہ اور آنتوں کے مختلف حصے وغیرہ تمام اس نظام کا حصہ ہیں۔ اس نظام کا اہم حصہ یہ ہے کہ یہ سب پیچیدہ اعضاء خود بخود ایک کمپیوٹری نظام سے عمل پذیر ہوتے ہیں جیسے ہی ہم کچھ کھانا شروع کرتے ہیں یا کھانے کا ارادہ کرتے ہیں یہ پورا نظام حرکت میں آ جاتا ہے اور ہر عضو اپنا مخصوص کام شروع کر دیتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ سارا نظام چوبیس گھنٹے ڈیوٹی پر ہونے کے علاوہ اعصابی دباؤ اور غلط قسم کی خوراک کی وجہ سے ایک طرح سے گھس جاتا ہے۔

روزہ ایک طرح اس نظام ہضم پر ایک ماہ کا آرام طاری کر دیتا ہے مگر درحقیقت اس کا حیران کن اثر بطور خاص جگر پر ہوتا ہے کیونکہ جگر کے کھانا ہضم کرنے کے علاوہ پندرہ مزید عمل بھی ہوتے ہیں۔ یہ اس طرح تھکان کا شکار ہو جاتا ہے۔ جیسے ایک چوکیدار ساری عمر

Marfat.com

کے لیے پہرے پر کھڑا ہو، اسی کی وجہ سے صفرا (Bile) کی رطوبت جس کا اخراج ہاضمہ کے لیے ہوتا ہے مختلف قسم کے مسائل پیدا کرتا ہے اور دوسرے اعمال پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔

دوسری طرف روزہ کے ذریعے جگر کو چار سے چھ گھنٹوں تک آرام مل جاتا ہے یہ روزہ کے بغیر قطعی ناممکن ہے کیونکہ بے حد معمولی مقدار کی خوراک یہاں تک کہ ایک گرام کا دسویں حصہ کے برابر بھی اگر معدہ میں داخل ہو جائے تو پورے نظام ہضم کا کمپیوٹر اپنا کام شروع کر دیتا ہے اور جگر فوراً مصروف عمل ہو جاتا ہے۔

سائنسی نکتہ نظر سے یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ اس آرام کا وقفہ ایک سال میں ایک ماہ تو لازمی ہونا چاہیے۔

جدید دور کا انسان جو اپنی زندگی کی غیر معمولی قیمت مقرر کرتا ہے متعدد طبی معائنوں کے ذریعے اپنے آپ کو محفوظ سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ لیکن اگر جگر کے خلئے کو قوت گویائی حاصل ہوتی تو وہ ایسے انسان سے صرف یہ کہتا "تم مجھ پر ایک عظیم احسان صرف روزے کے ذریعے ہی کر سکتے ہو۔

جگر پر روزہ کی برکات میں سے ایک وہ ہے جو خون کے کیمیائی عمل پر اس کی اثر اندازی سے متعلق ہے جگر کے انتہائی مشکل کاموں میں سے ایک کام اس توازن کو بھی برقرار رکھنا ہے جو غیر ہضم شدہ خوراک اور تحلیل شدہ خوراک کے درمیان ہوتا ہے اسے یا تو ہر لقمے کو سٹور میں رکھنا ہوتا ہے یا پھر خون کے ذریعے اسے ہضم ہو کر تحلیل ہو جانے کے عمل کی نگرانی کرنا ہوتی ہے۔ روزے کے ذریعے جگر توانائی بخش کھانے کے سٹور کرنے کے عمل سے بڑی حد تک آزاد ہو جاتا ہے۔ اس طرح جگر اپنی توانائی خون میں گلوبلن (Globbulin) جو جسم کے محفوظ رکھنے والے سسٹم کو تقویت دیتا ہے، کی پیداوار پر صرف کر سکتا ہے۔ روزے کے ذریعے گلے اور خوراک کی نالی کے بے حد حساس اعضاء کو جو آرام نصیب ہوتا ہے اس تحفے کی کوئی قیمت ادا نہیں کی جا سکتی۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 8 جنوری 1998ء)

♥ ...... ♥ ...... ♥

Marfat.com

وہ بھی دن آئے گا جب ہر انسان روزہ رکھے گا

کتاب اللہ ''قرآن کریم'' کی اگرچہ بے شمار خوبیاں اور عظمتیں ہیں لیکن ایک خوبی اس میں یہ بھی ہے کہ جو جس قدر علم کی دنیا کا راہ رو ہوگا اور جس قدر اسے اپنے فن میں دسترس ہوگی اسی قدر وہ غور وفکر کے بعد اپنے فن کے حیرت انگیز اور چونکا دینے والے انکشافات کو اچانک اپنے سامنے پائے گا اور بے ساختہ پکار اٹھے گا کہ یہ ''نکتہ آفرینی'' تو فلاں سائنسدان یا فلاں ماہر نے تو بڑے تجربات اور جہد مسلسل کے بعد کی ہے اور وہ اب کہیں جا کر اس نتیجہ پر پہنچا ہے جبکہ قرآن کریم تو اسی نکتہ کو پندرہ صدیاں پہلے بیان کر چکا ہے اور قرآن کریم نے تو اس نکتہ کو اس وقت بیان کر دیا تھا جب نہ اتنی بڑی بڑی لیبارٹریاں وجود میں آئی تھیں نہ ان نتائج تک پہنچنے کے لیے وہ وسائل مہیا ہوتے تھے جو آج موجود ہیں اور نہ ہی وہ فارمولے بنے تھے جو آج بنائے گئے ہیں۔

قرآن کریم تو علی الاعلان چیلنج دے رہا ہے کہ اس میں غور وفکر کرنے والوں پر اصولی چیز کو اپنے سامنے پائیں گے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

(اے حبیب!) ہم نے تم پر یہ کتاب نازل کی جس میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور اس میں مسلمانوں کے لیے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن ابی الفضل المرسی لکھتے ہیں۔

اولین و آخرین کے تمام علوم قرآن کریم میں ہیں یہ کتاب تمام علوم کی جامع ہے جس قدر جس کو جتنا علم ہے اسی قدر وہ اس کو جان سکے گا۔

مسلمانوں کی یہ بدقسمتی نہیں تو اور کیا ہے؟ کہ انھوں نے ام الکتاب ہی کو اپنے تمام نصابات سے خارج اور الگ کر کے صرف ایک صحیفے کے طور پر خوبصورت جزدانوں میں لپیٹ کر الماریوں اور شیلفوں میں سجا کر رکھ دیا ہے۔

اور آزادی کے پچاس سال کے بعد بھی ابھی تک کامیاب اور قابل عمل پالیسی نہ بنا

Marfat.com

سکے کہ کسی طرح کم از کم ناظرہ ہی اپنے بچوں کو پڑھنے اور پڑھانے کا بندوبست کر سکیں۔ اپنے برادر ملک ترکی کے معروف و مشہور سائنسدان ڈاکٹر ہلک نور نے روزوں کے بارے میں قرآنی آیات کا اپنے علم اور فن کی روشنی میں لکھتے ہیں۔

''روزے کا اعصابی نظام پر اثر (Nervous system)

اس حقیقت کو پوری طرح سمجھ لینا چاہیے کہ روزے کے دوران چند لوگوں میں پیدا ہونے والا چڑچڑاپن اور بے دلی کا اعصابی نظام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اس قسم کی صورت حال ان انسانوں کے اندر انانیت (Egotistie) طبیعت کی سختی کی وجہ سے ہوتی ہے اس کے برخلاف روزے کے دوران اعصابی نظام مکمل سکون اور آرام کی حالت میں ہوتا ہے عبادات کی بجا آوری سے حاصل شدہ تسکین ہماری تمام کدورتوں اور غصے کو دور کر دیتی ہے اس سلسلے میں زیادہ خشوع و خضوع اور اللہ کی مرضی کے سامنے سرنگوں ہونے کی وجہ سے تو ہماری پریشانیاں بھی تحلیل ہو کر ختم ہو جاتی ہیں اس طرح آج کے دور کے شدید مسائل جو اعصابی دباؤ کی صورت میں ہوتے ہیں تقریباً مکمل طور پر ختم ہو جاتے ہیں۔

روزے کے دوران ہماری جنسی خواہشات چونکہ علیحدہ ہو جاتی ہیں اس وجہ سے بھی ہمارے اعصابی نظام پر منفی اثرات مرتب نہیں ہوتے۔

روزہ اور وضو کے مشترکہ اثر سے جو مضبوط ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے اس سے دماغ میں دوران خون کا بے مثال توازن قائم ہو جاتا ہے جو صحت مند اعصابی نظام کی نشاندہی کرتا ہے جیسا کہ پہلے بیان کر چکا ہوں کہ اندرونی غدود کو جو آرام اور سکون ملتا ہے وہ پوری طرح سے اعصابی نظام پر اثر پذیر ہوتا ہے جو روزے کا اس انسانی نظام پر ایک اور احسان ہے۔ انسانی تحت الشعور جو رمضان کے دوران عبادت کی مہربانیوں کی بدولت صاف شفاف اور تسکین پذیر ہو جاتا ہے اعصابی نظام سے ہر قسم کے تناؤ اور الجھن کو دور کرنے میں مدد دیتا ہے۔

(ج) خون کی تشکیل اور روزے کی لطافتیں

خون ہڈیوں کے گودے میں بنتا ہے جب کبھی جسم کو خون کی ضرورت پڑتی ہے ایک خودکار نظام ہڈی کے گودے کو حرکت پذیر (Stimulate) کر دیتا ہے۔ کمزور اور لاغر لوگوں میں یہ گودہ بطور خاص سست حالت میں ہوتا ہے یہ کیفیت بڑے بڑے شہروں میں رہنے والوں

Marfat.com

کے ضمن میں بھی پائی جاتی ہے اسی کی وجہ سے پژمردہ اور پیلے چہروں میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

روزے کے دوران جب خون میں غذائی مادے کم ترین سطح پر ہوتے ہیں تو ہڈیوں کا گودہ حرکت پذیر ہو جاتا ہے۔اس کے نتیجے میں لاغر لوگ روزہ رکھ کر آسانی سے اپنے اندر زیادہ خون پیدا کر سکتے ہیں۔ بہرحال یہ تو ظاہر ہے کہ جو شخص خون کی پیچیدہ بیماری میں مبتلا ہو اسے طبی معائنہ اور ڈاکٹر کی تجویز کو ملحوظ خاطر رکھنا ہی پڑے گا چونکہ روزے کے دوران جگر کو ضروری آرام مل جاتا ہے یہ ہڈی کے گودے کے لیے ضرورت کے مطابق اتنا مواد مہیا کر دیتا ہے جس سے بآسانی اور زیادہ مقدار میں خون پیدا ہو سکے۔

اس طرح روزے سے متعلق بہت سی اقسام کی حیاتیاتی برکات کے ذریعے ایک پتلا دبلا شخص اپنا وزن بڑھا سکتا ہے۔اسی طرح موٹے اور ضربہ لوگ بھی صحت پر روزے کی عمومی برکات کے ذریعے اپنا وزن کم کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر ہوک نور باقی لکھتے ہیں کہ آئیے اب دوبارہ سورہ البقرہ کی آیت نمبر 184 کے آخری حصے کو دیکھیں اور قرآن کے پاک معجزے کی مسرت سے لطف اندوز ہوں۔

اگر تم سمجھو (یعنی اگر تم جسم کے حیاتیاتی علم کو سمجھو) تو تمھارے حق میں یہ اچھا ہے کہ تم روزے رکھو، چاہیے اس میں تمھیں مشکلات بھی نظر آئیں)

(روزنامہ جنگ، لاہور 11 جنوری 1998ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

پی ٹی وی پر اذان کی دعا بھی غائب

پی ٹی وی کے ایک محترم ناظر و سامع نے اس امر کی جانب توجہ مبذول کرائی ہے کہ سحری کے اوقات میں پی ٹی وی پر جو پروگرام دکھایا جاتا ہے تو اس کے آخر میں اذان کے بعد ''دعا مسنونہ'' کو نہ دکھایا جاتا ہے اور نہ سنایا جاتا ہے بلکہ اذان کے فوراً بعد ''قومی ترانہ'' سنا کر پروگرام کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ کیا فجر کے بعد ''دعا'' مانگنے کا حکم منسوخ ہو گیا ہے؟ یا دعا مانگنا مسنون نہیں رہا اور اسی طرح دیگر اوقات میں اذان کے بعد جو دعا مانگی جاتی ہے، اس میں جہاں حضور اکرم ﷺ کے ''وسیلہ اور شفاعت'' کا ذکر آتا ہے وہاں عربی کے اندر تو ان الفاظ کو ادا کیا جاتا ہے لیکن اردو میں ترجمہ کرتے وقت ''ڈنڈی'' مارتے ہوئے ان الفاظ کا ترجمہ غائب کر دیا جاتا ہے۔ کیا اردو میں ان الفاظ کو زبان پر لانا ''گناہ'' ہے؟ اور عربی میں ثواب؟ جبکہ اس کے برعکس ایک دوسرا نجی چینل اپنے پروگراموں میں نہ ''دعا'' کو ترک کرتا ہے اور نہ ''دعا'' میں کسی قسم کی ''تحریف'' کرتا ہے۔

اگرچہ اس سوال کا جواب دینے کی ذمہ داری پی ٹی وی کے منتظمین پر عائد ہوتی ہے کہ وہ مسائل کے اعتراض کا تسلی بخش جواب دیں۔

لیکن کہنے والے کہتے ہیں کہ کیا یہ پی ٹی وی کا ''اسلام'' پر کم ''احسان'' ہے کہ کبھی کبھار اس کے پروگراموں کے اندر بھی بادل نخواستہ ہی سہی ''اللہ تعالیٰ'' کا نام آ جاتا ہے۔ کیا یہ اسلام کی کم خدمت ہے کہ وہ کم از کم اذان کے الفاظ کی صدا سے کانوں کو متمتع کر دیتا ہے۔ وہ تو ''مرد مومن اور مرد حق'' ہی کچھ ایسی روایات قائم کر گئے ہیں جن کی بناء پر ٹی ویز کے اداروں کے لیے وہ منہ کا ایسا ''لقمہ'' بن گئے ہیں کہ نہ ''اگلے'' بنتی ہے اور نہ ''نگلے'' بنتی ہے۔ ''اذان'' کا دیا جانا اور کبھی کبھی اسلام کی تعلیمات پر مبنی پروگراموں کا دکھایا جانا بھی ٹی وی کی مجبوریوں میں سے ایک مجبوری ہے اور مجبوری کے عالم میں سرانجام پانے والوں کے کاموں

Marfat.com

کے انجام سے ہر ایک واقف ہے۔ وہ کام جو شوق سے کیا جائے، اس کا انداز اور طریق کار اس سے مختلف ہوتا ہے جو مجبوری سے کیا جاتا ہے نیز ٹی وی کا پاکستان کے مسلمانوں پر یہ کیا کم کرم ہے کہ وہ اپنے قیمتی اوقات میں سے سحری کے کٹھن وقت میں آدھے گھنٹے کا پروگرام دکھاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس آدھے گھنٹے میں سے بھی تقریباً آدھے وقت میں ''صنف نازک'' کے جلوؤں میں اور اشتہارات کی آڑ میں ''معاشی مجبوریوں'' کی تلافی کر لی جاتی ہے اور اس طرح ''نصف آبادی'' کے حقوق کی ترجمانی کا حق بھی ادا کر دیا جاتا ہے۔

''اسلام'' کے چاہنے والوں کو کیا پتہ کہ ٹی وی کے ایک ایک منٹ کے پروگرام پر کتنے لاکھ روپے خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ کیا وہ یہ خرچ اپنے پلے سے ادا کرتے ہیں؟ اگر انھیں اسلام کا اتنا ہی شوق ہے تو وہ تمام پروگرام کو خود خرید کر دکھا دیا کریں؟

یہی کیا کم ہے کہ اذان کے الفاظ کو دہرایا دیا جاتا ہے چنانچہ آدھا کام ٹی وی کر دیتا ہے اور آدھا کام خود سامعین کر لیا کریں یعنی جب ٹی وی پر اذان ہو جائے تو سامعین دعا خود ہی مانگ لیا کریں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ دعا کو بھی پی ٹی وی پر دکھائے؟

اچھے کاموں کے اندر ایک دوسرے کی نقل کرنے میں کوئی برائی بھی نہیں ہوتی چنانچہ پی ٹی وی جہاں اپنے دیگر پروگراموں میں دوسروں کی نقل اتارتا ہے وہاں اگر ایس ٹی این کی اذان کی بھی نقل کر لیا کرے تو اذان کا حقیقی مقصد بھی پورا ہو جائے اور اس طرح کی پیروی کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ مثلاً ایس ٹی این اپنی اذان کے ساتھ ساتھ اذان کے الفاظ کا ترجمہ بھی دکھاتا جاتا ہے جس سے سننے والے کو بڑی آسانی کے ساتھ معلوم ہو جاتا ہے کہ اذان کے الفاظ میں کہا جا رہا ہے اور اسے ''کس طرف'' بلایا جا رہا ہے اور اس کے بعد مکمل دعا ترجمہ کے ساتھ سنائی جائے تاکہ اذان اور اذان کی دعا کی اہمیت، فضیلت اور مقصدیت بھی واضح ہو جائے۔

دنیا انتہائی تیز رفتاری سے ترقی کے مدارج طے کرتی چلی جا رہی ہے اور اس میں وہی قومیں آگے بڑھ کر ترقی کے ''جام'' کو تھام سکتی ہیں جو وقت کی قدر کرنا جانتی ہیں اور ''وقت'' کو بچانا انتہائی ضروری ہے اور اس نصیحت کو جس ''مضبوطی'' کے ساتھ پی ٹی وی نے اپنے پلے باندھا ہوا ہے، شاید حکومت کے کسی اور ادارے نے اتنی مضبوطی سے باندھا ہوا ہو۔

Marfat.com

چنانچہ وقت بچانے کے اسی جذبہ نے پی ٹی وی کو مجبور کیا ہوا ہے کہ وہ بلا فائدہ چیزوں کو نہ سنائے اور نہ دکھائے۔ ویسے بھی وقت کے بچانے کی ترجیحات ہر ایک کے نزدیک الگ الگ ہوتی ہیں اور ہر ایک اپنی اپنی ترجیحات کے مطابق ہی اپنے پروگرام ترتیب دیتا ہے چنانچہ پی ٹی وی کے نزدیک اذان کے بعد جو ترجیح ''قومی ترانہ'' کو حاصل ہو، وہ اذان کے بعد کی دعا کو نہ ہو، اس لیے اس قسم کے ''فضول'' اعتراضات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

باقی رہا اردو ترجمہ کے اندر حضور اکرم ﷺ کی ''شفاعت'' اور ''وسیلہ'' کے الفاظ کا رہ جانا، ہوسکتا ہے کہ وہ کسی ''سہو'' کی بناء پر رہ گئے ہوں ورنہ کوئی مسلمان جان بوجھ کر نہ حضور اکرم ﷺ کی شفاعت اور وسیلے کا انکار کرسکتا ہے اور نہ جان بوجھ کر ان الفاظ کو چھوڑ سکتا ہے۔

بلکہ احادیث مبارکہ میں تو اذان دینے والے ''مؤذن'' کی شفاعت کا ذکر بھی موجود ہے چہ جائیکہ شفیع المذنبین حضور اکرم ﷺ کی شفاعت کا تذکرہ ہو۔

چنانچہ ابن عساکر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو سال بھر اذان کہے اور اس پر اجرت طلب نہ کرے تو قیامت کے دن (اس مؤذن کو) بلایا جائے گا اور جنت کے دروازے پر کھڑا کیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ جس کے لیے تو شفاعت کرنا چاہتا ہے شفاعت کر۔''

مسند امام احمد بن حنبل، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

''جو مؤذن کا جواب دے (یعنی اذان کے الفاظ دہرائے) پھر مجھ پر درود شریف پڑھے اور پھر وسیلہ کا سوال کرے، اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگی۔''

اور اذان کے آداب میں یہ شامل ہے کہ اذان کے بعد دعا کو بھی مانگا جائے۔ دعا کی فضیلت کے بارے میں قرآن کی آیات اور احادیث مبارکہ رہنمائی کر رہی ہیں چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے دعا کی اہمیت کو بار بار یوں بیان فرمایا ہے۔

''دعا سب عبادتوں کی اصل ہے۔''

Marfat.com

''دعا مومنین کا ہتھیار ہے۔''

''دعا عبادت کا مغز ہے۔''

''دعا عبادت کا بازو ہے۔''

''ہر چیز کے لیے کوئی نہ کوئی چیز ایسی ہوتی ہے جو اسے زینت بخشتی ہے اور عبادت کی زینت دعا ہے۔''

''اور اللہ تعالیٰ دعا کرنے والے بندوں کو اپنا بہت قریبی دوست بناتا ہے۔''

اور تعجب ہے کہ ہم ''اصل'' کے بغیر ''ہتھیاروں'' کے علاوہ خالی ''مغز'' بازوؤں کے بغیر عبادتوں کو ''مزین'' کیے بغیر اور اللہ کی ''قربت'' کے متلاشی ہوئے بغیر عبادت کرنے کے درپے ہیں۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 14 جنوری 1998ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

جمعہ کی وجہ تسمیہ

علم کے تمام شعبوں، اداروں، طبقوں، قوموں، مذہبوں اور دینوں میں عمومی طور پر یہ اسلوب اختیار کیا جاتا ہے کہ جب وہ کسی معنی، مطلب کو ادا اور بیان کرنے کے لیے کسی لفظ کو منتخب کرنا چاہتے ہیں تو ایسے لفظ کا انتخاب کرتے ہیں کہ جس میں اس اصطلاحی لفظ اور اس لفظ کے لغت کے معنی کے اعتبار سے کوئی نہ کوئی مناسبت تعلق، ربط اور نسبت ضرور پائی جاتی ہے اگرچہ وہ نسبت قرب و بعد کے اعتبار سے ادنیٰ ہو یا اعلیٰ یہ طریق کار تقریباً تمام علوم کے شعبہ جات میں اپنایا جاتا ہے چاہے وہ سائنسی ہو یا غیر سائنسی، نظری ہو یا عملی، موجود ہو یا مدہوم اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ہی اصطلاحی لفظ مختلف علوم کی اصطلاحات کے اندر مختلف معنی دے رہا ہو۔ یعنی ایک علم کی اصطلاح کے اندر اس کا وہ معنی نہ ہو جو دوسرے علم کی اصطلاح کے اندر مراد لیا جاتا ہے اور یہ سلسلہ انشارات علم سے جاری و ساری ہے اور رہے گا۔ جب بھی کوئی نئی چیز ایجاد ہوتی ہے یا معرض وجود میں آتی ہے یا دائرہ علم میں سماتی ہے تو اس کا کوئی نہ کوئی نام رکھنا پڑتا ہے اور اس وقت نام رکھنے میں مذکورہ امور میں سے کسی نہ کسی امر کا لحاظ پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ اسلامی تعلیمات میں جو الفاظ استعمال ہوتے ہیں کم و بیش ان میں بھی ان امور کی جھلک نظر آتی ہے۔

چنانچہ امام لغت علامہ ابن منظور افریقی اپنی تحقیق میں کہتے ہیں کہ جس دن کو زمانہ جاہلیت میں عروبہ کہتے تھے وہی دن زمانہ اسلام میں جمعہ قرار پایا۔ لغت کے اعتبار سے جمعہ کا مادہ ''ج م ع'' ہے اور اس کے اندر مندرجہ ذیل معانی اور ان کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

جمع کرنا، اکٹھا کرنا، شریک کرنا، اتفاق کرنا، موافقت کرنا، بکھری ہوئی چیزوں کو جمع کرنا، ارادے کو پختہ کرنا، قوی اور طاقتور ہونا، قوم کا یکجا ہونا لوگوں کے الگ الگ گروہ، قیامت کا دن، مٹھی بھرنا، مکے سے مارنا، جماع کرنا، بڑی دیگ، ایک لفظ میں بہت سے معانی کا جمع کر لینا، دسترخوان، لشکر، متفق فیہ امر اور قطعی معاملہ۔

Marfat.com

معانی کی اس تفصیل کو ذکر کرنے کا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ اسلام کی تعلیمات میں جتنے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں ان میں انتہائی جامعیت اور ہمہ گیریت پائی جاتی ہے اور اسی جامعیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ''جمعہ'' کا لفظ اس دن کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔

لغت کے ان معانی کے اعتبار سے اگر جائزہ لیں تو یہ امر بھی واضح ہو کر سامنے آتا ہے کہ ''جمعہ'' کے لفظ میں بھی ان معانی میں سے تقریباً ہر معنی کا کوئی نہ کوئی مفہوم پایا جاتا ہے۔

جمعہ کے دن شہر اور بیرون شہر کے افراد شہر میں اکٹھے ہو کر ایک ہی جگہ نماز جمعہ ادا کرتے ہیں۔ یا شہر کی مختلف مساجد میں ایک ہی جگہ اکٹھے اور جمع ہو کر بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ اگرچہ اجتماعیت نماز باجماعت میں بھی پائی جاتی ہے لیکن جمعہ کی اجتماعیت نماز کی اجتماعیت سے کہیں زیادہ ہے۔

جمعہ کے ذریعے نیکی اور عبادت میں شریک ہونے کا ایسا جذبہ پیدا ہوتا ہے جو دوسری طرف اتفاق و اتحاد کا موجب بھی بن رہا ہوتا ہے۔

جمعہ، شہر و شہر بکھرے ہوئے افراد میں موافقت اور یگانگت کا احساس پیدا کرتا ہے اور پھر یہی احساس نمازیوں کے ارادوں میں پختگی کا سبب بنتے ہوئے ان کو ایک قوی اور طاقتور قوم ہونے کا تصور پیدا کرتا ہے۔ مٹھی کی اپنی کوئی حیثیت نہیں لیکن جب وہی مٹھی اپنی انگلیوں اور انگوٹھے کو اکٹھا کر لیتی ہے تو ایک نحیف و کمزور عضو طاقتور عضو کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے جو نہ صرف اپنی حفاظت کا ذریعہ قرار پاتا ہے بلکہ دشمن پر حملہ آور ہونے کی قوت بھی عطا کرتا ہے، بکھری اشیاء خوردنی اگرچہ اپنی حیثیت رکھتی ہیں لیکن جب تک دیگ کی چار دیواری کے دامن میں یکجا ہو کر ایک محفوظ حصار میں نہیں آ جاتیں اور ان میں حرارت کی تپش سے اپنے آپ کو فنا کر کے دوسروں کے لیے رزق کی فراہمی کا جذبہ پیدا نہیں کر لیتیں اس وقت تک وہ نفع مند ثابت نہیں ہو سکتی اسی طرح نمازی رحمت الٰہی کے حصار میں آ کر جوش ایمانی کو جلا بخشتے ہوئے اور شیطانی طاقتوں کے حملوں سے اپنے آپ کو محفوظ کرتے ہوئے جب جمعہ کی نماز سے فارغ ہو جاتا ہے تو اپنی ذاتی خواہشات کو فنا کرتے ہوئے اس میں دوسروں کے لیے خیر و فلاح کے جذبات سے نفع رسائی کے جذبات بھی پیدا ہوتے ہیں ایک

Marfat.com

ہی دسترخوان پر مختلف ذائقوں سے مزین کھانوں کی یکجائی دھن و زبان کو لذتوں سے آشنا کر رہی ہے بالفاظ دیگر جوامع العلم کا حامل واعظ اور ناصح صفوں پر بیٹھے ہوئے مختلف رنگا رنگ قسم کے افراد کے ذہن وفکر اور آلہ سماع کو اپنی شیرینی گفتار سے متمتع کرتا ہوا اسلام کی عزت و عصمت پر جانوں کا ہدیہ پیش کرنے والا لشکر جرار تیار کرتا ہے اور سپہ سالار لشکر متفق امور کو باہمی مشوروں سے طے کرتا ہوا بگل کے ساز کی شکل میں آغاز جنگ کا قطعی حکم صادر کرتا ہے تو جانثاران اسلام دشمنان اسلام کی لاشوں کے ڈھیر لگاتے ہوئے ''جاء الحق و وزھق الباطل'' کا نعرہ مستانہ بلند کرتے ہوئے غلبہ اسلام کی اور قیامت کے دن کامیابی کی خوشخبری سناتے ہیں۔

عربی زبان میں جمعہ کا لفظ پہلی مرتبہ کب استعمال ہوا تو اس بارے میں علامہ سہیلی لکھتے ہیں۔

ہر چند کہ کعب بن لوی نے سب سے پہلے عروبہ کو جمعہ کا نام دیا لیکن عروبہ کا یہ نام زمانہ اسلام میں مشہور ہوا چنانچہ علامہ سہیلی آگے مزید لکھتے ہیں کہ کعب بن لوی اس دن لوگوں کو جمع کرتے اور ان کے سامنے تقریر کرتے جس میں انھیں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بارے میں خبر دیتے اور یہ بتلاتے کہ آپ ﷺ ان کی اولاد میں مبعوث ہوں گے اور انھیں آپ کی اتباع اور آپ پر ایمان لانے کی نصیحت کرتے۔

جمعہ کو ''جمعہ'' اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر تیار کیا گیا۔ جمعہ کے ہی دن آپ کو پیدا فرمایا۔ اسی دن خلقت آدم کو جمع کیا جمعہ ہی کے دن آدم علیہ السلام کو جنت میں داخل کیا اور جمعہ ہی کے دن زمین پر اتارا اور جمعہ ہی کے دن آپ فوت ہوئے اسی دن صور پھونکا جائے گا اسی دن قیامت قائم ہوگی اور اسی دن حشر ہوگا۔

حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ اس دن (جمعہ) کو مجھ پر بکثرت درود شریف پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے صحابہ کرام نے عرض کی!

یارسول اللہ ﷺ!

آپ پر درود شریف کیسے پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ دنیا میں تشریف فرما نہیں ہوں گے آپ ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام کے جسموں کا کھانا حرام کر

Marfat.com

دیا ہے۔

جمعتہ الوداع کو جمعتہ الوداع اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ یہ رحمتوں اور برکتوں سے معمور ماہ رمضان کا آخری جمعہ ہوتا ہے جو جمعہ کے اعتبار سے ان رحمتوں اور برکتوں کے حصول کو اگلے سال آنے والے رمضان کے سپرد کرتا ہوا الوداع ہو رہا ہوتا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے معاشرے میں اس حکمت کو اس طرح کے معانی پہنا دیے گئے ہیں جو کسی طرح سے بھی مناسب نہیں ہے اور اس طرح جمعتہ الوداع کے اور رمضان کے اختتام پذیر ہونے کے بعد مسلمان بھی آئندہ جمعہ کی نمازوں میں اسی جذبہ و جوش سے شرکت نہیں کرتے جو رمضان مبارک نے ایمانی جوش و جذبہ پیدا کیا تھا اور اس طرح وہ جمعتہ الوداع کے ساتھ ساتھ اگلے سال تک کے لیے جمعوں کی نمازوں کو بھی الوداع کہتے ہوئے نظر آتے ہیں اور یہ طرز فکر و عمل ہر لحاظ سے اسلام کے احکام کے منافی ہے۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 23 جنوری 1998ء)

♥ ...... ♥ ...... ♥

Marfat.com

لیلۃ القدر اور پاکستان

پاکستان کا وجود میں آنا خدائی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے۔ اس ذات مقدس نے ہم پر اپنی نعمتوں کے نچھاور کرنے میں کبھی کمی نہیں فرمائی۔ یہ ہماری اپنی کوتاہیاں رہیں کہ ہم ان بے پایاں نعمتوں کا حق، شکر کے انداز میں بھی ادا نہ کر پائے۔ پاکستان کے قیام کے مقاصد بھی عظیم تھے اور اس کے قائم کرنے میں قربانیاں پیش کرنے والے بھی عظیم تھے کیونکہ عظیم مقاصد میں جان کا نذرانہ پیش کرنے والے بھی عظیم ہوتے ہیں ان عظیم شہداء کی قربانیوں کا ایک صلہ مالک ارض وسماء نے اس صورت میں بھی عطا فرمایا کہ 27 رمضان المبارک کی بابرکت ''لیلتہ القدر'' میں پاکستان کے وجود کو منصۂ شہود پر اجاگر کیا۔ بابرکت اور مقدس ساعتوں میں وقوع پذیر عمل بھی بابرکت اور مقدس قرار پاتے ہیں۔ اس لیے یہ ہمارا دینی، ملی اور قومی فریضہ تھا کہ ہم اس دن کو ''شکر'' ادا کرنے کا دن قرار دیتے لیکن بدقسمتی سے گزشتہ پچاس سالوں میں ایسا نہ ہو سکا اور عوام ایک مدت سے حکمرانوں سے یہ مطالبہ کرتے رہے کہ ہماری آزادی کی نسبت اسلامی شعائر کے ساتھ ہی قائم رہے تو ہر لحاظ سے بہتر ہے۔

گزشتہ سال 7 فروری کو ''نشان راہ'' میں ''پاکستان، رمضان اور جمتہ الوداع'' کے عنوان سے جو کالم سپرد قرطاس کیا تھا اس میں اسی مطالبے کی بازگشت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

''اب موجودہ برسراقتدار آنے والی جماعت ''مسلم لیگ'' کا یہ اخلاقی، مذہبی اور ملی فریضہ ہے کہ اگر وہ پاکستان کے قائم کرنے والی جماعت ''مسلم لیگ'' کو اپنی مادر جماعت قرار دیتی ہے تو اس جماعت کے قائم کردہ وطن ''پاکستان'' کے ''27 رمضان المبارک'' کے دن کو ''یوم آزادی'' والا دن قرار دے کر حقیقی وارث جماعت کے دعویٰ کی حقانیت کو ثابت کرے۔''

''یہ کہنا یقیناً ''خوش فہمی'' ہی ہے کہ حکومت وقت نے اس ''کالم'' کی بناء پر 27 رمضان المبارک کو ''یوم آزادی'' قرار دیا ہے البتہ ''انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام'' لکھنے کا ''بے

Marfat.com

جا'' دعویٰ کیا جاسکتا ہے۔ برحق بات یہ ہے کہ 27 رمضان المبارک کو ''یوم آزادی'' قرار دیے جانے کے مبارکباد کے حقیقی مستحق وہ اہل قلم وعلم ہیں جو ایک طویل عرصہ سے مسلسل عمل پیہم کی شکل میں اس مطالبہ کو جاری وساری رکھے ہوئے تھے اور بالآخر موجودہ مسلم لیگ کی حکومت نے اپنے نام کی لاج رکھ لی اور پاکستان کے نام کی حقیقی لاج اس دن کو قرار دیا جائے گا جب خداداد پاکستان میں اس کا اور اس کے رسول مقبول ﷺ کے دین کے احکامات پر عمل پذیرائی کا آغاز ہوگا اور یقیناً وہ دن بھی آئے گا۔ ضرورت صرف اس جدوجہد میں ''اخلاص'' کی ہے۔

27 رمضان المبارک کی تعطیل سے جہاں ایک طبقہ کے چہروں پر مسرت اور خوشی کے آثار ظاہر ہونے شروع ہوئے وہاں ایک اور طبقہ ایسا بھی ہے جس کے چہروں پر اس ''تعطیل'' نے ناپسندیدگی ناگوار ''شکنوں'' کو اجاگر کیا اور یہ وہ طبقہ ہے جسے نہ اسلامی شعائر سے انسیت ہے اور نہ پیارے وطن پاکستان سے اور سالانہ چھٹیوں میں ''دو چھٹیوں کا تحفہ'' کا نام دے کر ملکی معیشت کی زبوں حالی پر خون کے آنسو بہاتے ہوئے نظر آئے ہیں گویا اگر یہ 27 رمضان المبارک کی چھٹی نہ کی جاتی تو ملکی معیشت اس انجام کو نہ پہنچتی اور ذہنوں میں یہ خیال فاسد پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ اسلام اور یوم پاکستان کی یہ ''تعطیل'' معیشت کی رہی سہی کسر بھی پوری کردے گی جبکہ حقیقت اور سچی بات یہ ہے کہ معیشت کو جو نقصان پہنچ رہا ہے اس میں اگرچہ بہت سے دیگر عوامل بھی کارفرما ہیں لیکن اصل وجہ ''سودی نظام'' کا تسلط ہے جو اللہ کے غضب اور ناراضگی کا سبب بن رہا ہے اس سے نجات پانے کے لیے اس طبقہ کی خاموشی کسی اور امر کی چغلی کھا رہی ہے۔

اگر اس تعطیل کی بناء پر ملکی معیشت دگرگوں ہو جائے گی تو اس کا بہت آسان حل یہ ہے کہ آئندہ 14 اگست کی تعطیل کو ختم کر کے اس تعطیل کو اس کا قائم مقام قرار دے دیا جائے تاکہ جو ملکی ترقی میں ایک دن کی تعطیل کی بناء پر ''ہچکولا'' لگا ہے اس کی تلافی اور کمی 14 اگست کی تعطیل کو ختم کرنے سے کر دی جائے۔ لیکن یہ طبقہ اس تجویز کو ماننے کے لیے اس لیے تیار نہیں ہوگا کیونکہ 14 اگست کے نام سے جس تقویم یا کیلنڈر سے تعلق قرار دلایا جاتا ہے وہ تعلق ختم ہو جائے گا اس کیلنڈر کا تعلق ان کے ''آقاؤں'' کے کیلنڈر سے مطابقت کھاتا ہے اور 27 رمضان المبارک کے کیلنڈر سے اسلام سے تعلق کی ''بو'' آتی ہے اور اب یہ بھی ہوگا کہ 27 رمضان المبارک کی تعطیل کی بناء پر پاکستانی مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد لیلۃ القدر کی نعمتوں

Marfat.com

اور برکتوں کے حصول میں مزید ''جگ راتا'' کریں گے اور ہزار ہزار مہینوں کے ثواب کے برابر دو نفل پڑھ کر اسلام سے وابستگی کا اظہار کریں گے۔ (انشاء اللہ)

اس وقت پاکستان میں ہونے والی تعطیلات کا ایک جائزہ لیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ عوام کو سال میں کل 17 چھٹیاں ملتی ہیں اور مزید تین چھٹیاں بنک ہالیڈے کے عنوان سے بھی ہوتی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان تین چھٹیوں کا تعلق عوام سے براہ راست نہیں ہے اس لیے عوام کو ان چھٹیوں کا نہ کوئی فائدہ ہوتا ہے اور نہ نقصان بلکہ بنک ہالیڈے کے اندر بھی بینکار اور بنک کے ملازمین کو کوئی چھٹی نہیں ہوتی۔

ان سترہ تعطیلات میں سے 10 تعطیلات اسلامی تہوار کی مناسبات سے ہوتی ہیں یعنی جمعۃ الوداع، عیدالفطر، حج بیت اللہ، عیدالاضحیٰ، یوم عاشورہ اور عید میلاد النبی ﷺ، 3 تعطیلات قومی و ملی پس منظر میں یعنی یوم پاکستان، یوم آزادی، یوم دفاع، 3 تعطیلات بانیان پاکستان کے پس منظر میں وفات قائداعظم، یوم اقبال، پیدائش قائداعظم، 1 تعطیل عالمی پس منظر میں مزدوروں کا عالمی دن۔

اور ہر ملک کی تعطیلات اس ملک کے تہذیبی، ثقافتی اور مذہبی پس منظر میں ہوتی ہیں جسے نہ کسی ملک نے ختم کیا اور نہ کیا جاتا ہے اور نہ کسی ملک کو حق حاصل ہے کہ وہ کسی اور ملک کی تعطیلات کے بارے میں دخل اندازی کر سکے اس لیے انگریزوں اور انگریزوں کے پروردہ طبقہ کو مناسب نہیں ہے اور نہ ہی زیب دیتا ہے کہ وہ مذہبی اور دینی تعطیلات کے بارے میں چون و چرا کرے۔

اب یہ بھی عجیب بات ہوگی کہ ہم یوم آزادی کے لیے دو مختلف ایام میں تعطیل کریں ایک 27 رمضان المبارک کو اور دوسرا 14 اگست کو اس لیے مناسب یہی ہے کہ 14 اگست کی بجائے 27 رمضان المبارک کو ''یوم آزادی'' کا دن سرکاری طور پر قرار دیا جائے۔

کم از کم انسان میں اتنی تو ''اخلاقی جرات'' ہونی چاہیے کہ وہ اچھائی کو اچھائی اور برائی کو برائی کہہ سکے بے شک وہ برے کو اچھا اور اچھے کو برا نہ کہے کسی اچھے فعل کو اس لیے اچھا نہ کہا جائے کہ کہیں اس سے اس اچھے فعل کے صادر کرنے والے کے بارے میں ''اچھے خیالات'' نہ پیدا ہونے شروع ہو جائیں اور اس کی کی گئی تعریف بعد میں ''سند'' کے طور پر استعمال نہ ہونے لگ جائے یہ نکتہ نظر سیاسی تو ہو سکتا ہے لیکن بہرحال اخلاقی نہیں یقیناً انسان

Marfat.com

ذات اور اقتدار کے اعتبار سے فنا ہے لیکن صاحب اقتدار سے اگر کوئی اچھا فعل صادر ہو جائے تو یہ اچھائی بعد میں آنے والی نسل کو اچھے اچھے خیالات کی طرف مبذول کیے رکھے گی۔

جب آئندہ معصوم سے اذہان کے بچوں کے ذہنوں میں یہ سوال ابھرے گا کہ 27 رمضان کو تعطیل کیوں مل رہی ہے تو ساتھ یہ جواب بھی ان کے کانوں میں رس گھولے گا کہ یہ متبرک دن ہمارے لیے وطن اور دین کے اعتبار سے مقدس اور قابل احترام ہے ایک اس لیے کہ یہ 27 رمضان کا دن ہے اور دوسرا اس لیے کہ یہ ہمارا ''یوم آزادی'' بھی ہے تو آیئے آج کی تمام رات اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز رہیں کیونکہ صبح تعطیل بھی ہے۔ اس کا ارشاد اس طرف توجہ دلا رہا ہے کہ:

''اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے؟''
شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔
اس میں فرشتے اور جبرائیل اپنے رب کے حکم سے اترتے ہیں۔
''اور صبح چمکنے تک سلامتی ہی سلامتی ہے۔''

(روزنامہ جنگ، لاہور 25 جنوری 1998ء)

♥ ...... ♥ ...... ♥

Marfat.com

انداز عید میں نمایاں فرق

اسلام کو ادیان عالم پر یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے انسانی زندگی کے ہر موڑ پر رشد و ہدایت کی قندیلیں منور کر کے ظلمات میں سرگرداں انسان کی رہنمائی کی ہے دینی و دنیاوی خوشیوں اور غموں کے مواقع پر امتیازی فرق کو نمایاں رکھتے ہوئے ہر دو کو اپنے اپنے انداز سے بسر کرنے کی تلقین کی۔ پرستاران اہلبیت نے خوشی اور مسرت کے حصول پر لہو و لعب، عیش و عشرت اور نشاط و ارتباط کی محافل کو اپنا مطمع نظر ٹھہرایا جبکہ پرستاران حقیقت نے اظہار عبودیت، انکساری، بندگی اور اعطائے اموال کو جادہ منزل ٹھہرایا۔ نام نہاد بزعم خود تہذیب یافتہ اقوام کی بے راہ روی کی نقالی کو ہم نے اپنے لیے باعث افتخار ٹھہرا لیا اور صدق و وفا کی نزہتوں کو ٹھکرا دیا۔

آیئے تاریخ کے آئینہ پر ایک نگاہ ڈال کر تو دیکھیں کہ کہیں ہماری عیدوں میں بھی تو مغضوبین خدا اور راندہ درگاہ الٰہی کی جھلک نظر تو نہیں آنے لگی۔

قوم ثمود جس کا شمار اپنے زمانہ کی خوشحال ترین اقوام میں ہوتا تھا وہ بھی سال بھر کی محنت و مشقت اور عیش و عشرت اور بدکاریوں میں مصروف عمل رہنے کے بعد ایک روز ''یوم عید'' منایا کرتی تھی جس میں بے حیائی اور عصمت فروشی کے کھلے عام مظاہرے ہوتے تھے، اور ہر قبیلہ کی کنواری لڑکیاں مردوں کے دوش بدوش جنسی و سفلی خواہشات کو پورا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتی تھیں۔

مقام عبرت ہے! کہ کہیں اس روا روی کے کچھ کچھ مظاہرے ہم اپنے نشریاتی اداروں کے ذریعے تو نہیں کرنے لگے اطمینان قلب کے حصول کے ذرائع جب بھی اسلام کی تعلیمات کے برعکس ہوں گے تو اس کے منفی نتائج سے بھی دوچار ہونا پڑے گا۔ ''عید الفطر'' کا اظہار تشکر تو اسلام کے احکامات کی بناء پر ہی منعقد ہوتا ہے تو اس کا ''اظہار تشکر'' کا تقاضا بھی یہی ہے کہ عید الفطر کا دن بھی انھیں تقاضوں کی تکمیل میں گزرے وگرنہ ڈھیل تو اس نے دے ہی رکھی ہے۔

Marfat.com

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں عید کا آغاز جنس پرستی اور بت پرستی سے ہوتا تھا اور زن و مرد جنسی پیاس بجھانے میں تمام اخلاقی حدود کو پامال کر دیا کرتے تھے۔

اہل مصر کا یوم عید ''نو روز'' جو ان کے دیوتاؤں کا یوم پیدائش تھا اس روز مصر کی دوشیزائیں مردوں کو نشاط دار بتاط کی عریانیت سے معمور دعوتیں دیتی نظر آتی تھیں۔

یہود اس دن کو اپنا عید کا دن قرار دیتے تھے جس دن فرعون کے مظالم سے انھیں نجات ملی تو انھوں نے اس وشی کو یوم عید قرار دیتے ہوئے اسی طریقے کو قائم و دائم رکھا جو ان کے آباؤ اجداد کا طرۂ امتیاز تھی یعنی عید کے دن برہنہ رقص و سرود کے ذریعے دعوت معصیت میں رقصاں رہتی تھیں۔

اہل نصاریٰ نے اس دن کو اپنا عید کا دن قرار دیا جس دن عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی لیکن انھوں نے اس خوشی کے دن کو بھی حسب عادت رنگ رلیوں اور جام وسبو کی محفلوں میں بدل دیا اور جس کا مظاہرہ آج بھی یورپ کی زہر آلود فضاؤں میں نظر آتا ہے۔

برطانوی اور اس کی آموزیافتہ اقوام یوم الحمقاء (جشن حماقت) جسے عرف عام میں ''اپریل فول'' کے نام سے پکارا جاتا ہے اس کا آغاز اس قوم کی مکاری فریب دہی اور کزب بیانی کی آئینہ داری کر رہا ہوتا ہے کہ وہ اس دن کا آغاز نت نئے جھوٹ، حیران کن غلط بیانی، ایک دوسرے کو اچھوتے انداز سے بے وقوف بنانے اور تفریح کی آڑ میں دل لگی کا سامان مہیا کرنے میں بسر کرتے ہیں۔

ہندو بھی اپنی عید رام چندر کی راون کو شکست دینے والے دن کی یاد میں مناتے ہیں جسے دسہرہ کا نام دیا جاتا ہے اور وہ اس دن جس بدتہذیبی اور بدذوقی کے مظاہرے، انسانیت کو داغ دار کرنے والی رذیل اور شرمناک حرکتوں سے کرتے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں گویا ان کے ایام فسق و فجور، عیش و عشرت اور لڑھکتے ساغروں سے خالی نہیں جبکہ

اس کے برعکس اسلام نے بھی دو عیدوں کے منانے کی تعلیم دی اور جس کا آغاز بارگاہ خالقیت میں سجدہ ریزی سے ہوتا ہے اور یہ کہنا بے جا نہیں ہے کہ اسلام ہی دنیا کا وہ پہلا مذہب ہے جس نے خوشی کے ایام اور عید منانے کے لیے باقاعدہ اصول و ضوابط اور حدود متعین کی۔

عید میں شان و شوکت کی جلوہ آرائی اور زیب و زینت کی جلوہ نمائی کے ساتھ ساتھ ذکر الٰہی کی چاشنی بھی ہمراہ کر دی تاکہ یہ بات اظہر من الشمس ہو جائے کہ مسلمانوں کا یہ اجتماع کھیل کود کا اجتماع نہیں بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بزرگی بیان کرنے کا دن بھی ہے۔

Marfat.com

یہ جشن مسرت اس پس منظر میں بھی کہلاتا ہے کہ نزول قرآن کی بنا پر کتاب الٰہی قرآن کی قرأت وسماعت کے خوش کن لمحات سے عارضی فراغت کی سالگرہ کا دن بھی ہے۔

یہ دن جسم کی جلا اور روح کی ضیاء کا دن بھی ہے۔

یہ وہ دن ہے جس کا آغاز داد ودہش، سخاوت اظہار عاجزی، اعتراف بندگی سے ہوتا ہے۔

یہ وہ دن ہے جس کا آغاز مسلمان ان الفاظ سے کرتا ہے اور دین و دنیا میں اس کی توجہات کا حق دار قرار پاتا ہے۔

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔

یہ وہ دن ہے جس دن نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ حمد وثناء کی تسبیح پڑھتا ہوا ہر چھوٹا بڑا، غریب و امیر، حاکم ومحکوم، امیر و مامور، اعلیٰ و ادنیٰ صاف ومطہر جسم اور لباس کے ساتھ اسی کی بارگاہ میں بلند صداؤں کے ساتھ جاتا اور آتا ہوا نظر آتا ہے۔

یہ وہ دن ہے جس دن واقف وانجان ایک دوسرے کے لیے سلامتی کے پیغام کو معانقہ کی صورت میں دیتا ہوا نظر آتا ہے۔

یہ وہ دن ہے جس میں ایک مسلمان اپنے ایام مسرت میں بھی غرباء اور مساکین کو فراموش نہیں کر پاتا اور ان کو بھی اپنے غنی میں شریک کرتا نظر آتا ہے۔

یہ وہ دن ہے جس میں غریبوں، یتیموں، مسکینوں، محتاجوں، بےکسوں اور بےنواؤں کی مالی امداد کر کے ان کے دکھ درد اور رنج وغم کا مداوا کرتے ہوئے حقوق انسانیت کی تکمیل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں۔

''ہر عقل مند آدمی پر لازم ہے کہ وہ اپنی ظاہری آرائش کو نہ دیکھے بلکہ عید کے روز عبرت پکڑے اور آخرت کی فکر کرے اور عید کو قیامت کا نمونہ جانے۔ جب لوگوں کو رنگ برنگ کے لباس میں دیکھے تو اس وقت خیال کرے کہ ان میں سے ایک تو حقیقتاً خوش ہے اور یہ وہی ہے کہ جو اہل اطاعت میں سے ہے اور دوسرا اہل معصیت سے ہے جو غمناک ہے۔ قیامت کے روز اہل معصیت پر لعنت اور پھٹکار ہوگی عید کی خوشی بے شک منانا چاہیے لیکن اس خوشی میں اس قدر کھو جانا کہ آخرت کی فکر بھی نہ رہے یقیناً بڑے خسارہ کا سودا ہے۔''

(روزنامہ جنگ، لاہور 30 جنوری 1998ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

چاند پر بھی جوا......!

شعراء، ادباء، فصحاء اور بلغاء چاند کو حسن کا ٹکڑا قرار دیتے رہے، اس کے حسن و نزاکت سے متاثر ہو کر خوبصورت اشعار، اچھوتے محاورات زیب اوراق کرتے رہے لیکن اس دوران ان کے ذرخیز اذہان میں اور جوئے بازی کی آڑ میں اسے تختہ مشق بنا کر چاند ماری کا خیال کبھی نہیں آیا۔ زمین پر تو ایک عرصہ سے جوا بازی کا کھیل کھیلا جاتا رہا اور تاریخ اس کی ہولناک سچی اور عبرت ناک واقعات سے بھری پڑی ہے کئی قومیں اور خاندان اس کے آڑے ہاتھوں تباہی اور بربادی سے دوچار ہوتے رہے دولت کے حصول کے اندھے پن نے انھیں کبھی فرصت ہی نہ دی کہ وہ ان عبرتناک انگیز واقعات سے سبق حاصل کرتے بلکہ وہ دولت کے حصول کے لیے نت نئے میدان سجاتے رہے اور ان میں ایک سے ایک بڑھ کر ''شاہکار'' خرید وفروخت کے لیے پیش کرتے رہے۔ دولت کے انبار لگانے کے لیے جوئے بازی کی چالوں کو حیرت انگیز طور پر پیش کر کے دولت کے پجاریوں کجیبوں پر دن دھاڑے ڈاکے ڈالتے رہے لیکن حسن کے ''ماہتاب'' کو بازار حسن میں سجا نہ سکے، بھلا ہو دولت کی دیوی کا اس نے چاند کو بھی بازار حسن میں پیش کر کے ''عاشقاں زر'' کے لیے ایک نیا روپ عطا کر دیا۔

دولت کے پجاریوں کا یہ خیال کس قدر فکر انگیز ہے کہ اس میں نہ حلال کو حلال اور نہ حرام کو حرام سمجھا جاتا ہے بلکہ جس انداز سے بھی اس کو حاصل کیا جائے وہ درست ہے اور یہ خیال غلط کس نے پیدا کیا؟ اس کے مجرم کون ہیں؟ ان کو تلاش کرنا مشکل نہیں ہے اب تو بازار اور گلی کے ہر موڑ پر جوئے کی دکانیں سجا دی گئی ہیں اور انھیں قانون کی گرفت سے بچنے کے لیے ''انعامی سکیموں'' کا دل فریب نام دے دیا گیا ہے کہیں کوپنوں کی شکل میں، کہیں پرچیوں کی صورت میں اور کہیں عیش وعشرت کی اشیاء کی آڑ میں دن دھاڑے قانون کے محافظوں کے سامنے ببانگ دہل پیش کیا جا رہا ہے اور کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے۔ معاشرے کے اندر زر کے حصول کی ایک دوڑ لگی ہوئی ہے اور ہر ایک اس میں اول اور دوئم آنے میں سرگرداں

Marfat.com

ہے۔قوم کو حرام خوروں کی عادت قبیحہ میں مبتلا کرنے میں اور اپنے اپنے فرائض سے پہلو تہی کرنے میں مقابلہ جاری ہے۔محنت کیے بغیر جدوجہد اور سعی کے الفاظ سے نفرت کا ایک الاؤ بھڑکانے میں حکمرانوں سے لے کر انصاف کرنے والی کرسیوں پر براجمان ذی وقار افراد تک، منبر و محراب پر فروکش واعظین و نصائح سے لے کر داعین اخلاق کے عام کارکن تک آنکھیں موندھے ہوئے عذاب الٰہی کے منتظر ہیں لیکن خود کچھ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں حرام خوری میں اہم کردار سابقہ حکمرانوں سے لے کر حال کے حکمرانوں تک اور ماضی کے ''زرداریوں'' سے لے کر حال کے ''زرداریوں'' تک میں سے ہر ایک نے خوب خوب ادا کیا اور کر رہے ہیں۔فیوڈل ازم اور جاگیرداری نے محنت کیے بغیر دولت اور اقتدار کے حصول کو اپنی بے دام لونڈی قرار دیتے ہوئے اسے اپنی کنیز سے بھی کمتر درجہ دینے میں کوئی عار محسوس نہ کی۔قوم و وطن کی عزت کو داغدار کرنے میں ایک کھلاڑی سے لے کر کپتان تک نے شرم وحیا کے پردوں کو تار تار کر کے رکھ دیا۔ لے دے کے ابھی تک ایک بے چاری ''ہلال کمیٹی'' بچی تھی لیکن دولت کے متوالوں نے اس پر بھی اپنی ناپاک نگاہیں گاڑ دیں۔اب ''چاند'' بھی جوئے بازوں کے اشاروں پر نکلا اور چھپا کرے گا چاند کی کیا مجال کہ اب وہ خود نکل آئے یا چھپ جائے۔ ایک لمحہ کے لیے تسلیم کر لیتے ہیں کہ یہ خیالات، خیالات باطلہ ہیں اور مفروضات فاسدہ ہیں لیکن چندٹکوں کی خاطر جس معاشرے میں رہنے والے افراد اپنے ہم وطنوں کو بم کے دھماکوں کے ذریعے موت کے حوالے کر دیتے ہوں، مسجدوں میں بارگاہ الٰہی میں رکوع و سجود کی حالت میں سجدہ ریز افراد کو گولیوں کا نشانہ بنا لیتے ہوں۔امام بارگاہوں میں اپنے بزرگوں کو ایصال ثواب پہنچانے والی مجلسوں اور محفلوں میں شریک افراد کو موت کے سپرد کر دیتے ہوں، قبرستانوں میں موت کی حقیقت سے آشنا ہونے والوں سے دکھ و درد اور الم و غم کے آنسو بہانے والوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سپرد خاک کر دیتے ہوں تو اس اخلاق سے عاری معاشرے میں کیا یہ ممکن نہیں کہ چندٹکوں کے عوض چاند کو ''ہلال'' میں اور ہلال کو ''محاق'' میں تبدیل نہ کر دیں۔

جس معاشرے میں جھوٹے گواہوں کی گواہی پر عدالتیں فیصلہ کرتی ہوں تو اس معاشرے میں چاند کے ہونے نہ ہونے کے گواہ تلاش کرنا کیا مشکل ہوگا؟

چاند کی رویت گواہیوں پر موقوف ہے۔کیا پہاڑی علاقوں میں ''متشرع'' گواہوں

Marfat.com

کا ملنا مشکل ہوتا ہے؟ آخراب بھی تو ایک صوبہ میں ''متشرع'' افراد ہی نے عید پڑھی اور پڑھائی ہیں کیا دوسرے صوبے میں ایسے ''متقی و پرہیزگار'' افراد کا ملنا ناممکن ہے؟

چاند پر جوا بازی قوم اور اہل بصیرت کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ اگر ابھی سے اس قسم کے جوا بازی کے تدارک کی تدبیریں اختیار نہ کی گئیں تو پھر اسلام کا کوئی حکم بھی شیطانی کارستانیوں کے دستبرد سے بچ نہ سکے گا۔ اگر رزق کی تلاش میں حلال وحرام کی تمیز پیش نظر نہیں رکھی گئی ہے تو ڈاکوؤں کے خلاف قانون حرکت میں کیوں آتا ہے؟ چوروں کے خلاف پولیس حرکت میں کیوں آتی ہے؟ آخر یہ ''بے چارے'' بھی تو رزق کی تلاشمیں ڈاکے اور چوریاں کرتے ہیں یہ خلاف قانون کیوں؟ اور جوا بازی عین قانون کس طرح؟ اور کہنے والے کہتے ہیں کہ جوا بازی عین قانون اس لیے بھی ہے کہ جوا بازی کے سرغنہ حکومت کے ایوانوں اور اسمبلی کی کرسیوں پر براجمان ہیں۔

کیا قانون ساز اداروں میں قانون بنانے والے افراد کی جدوجہد صرف اور صرف حکمرانوں کے اقتدار کو طول دینے والے قانون بنانے کے لیے ہی مختص ہیں؟ قوم کو ہلاکت سے بچانے والے قوانین کے لیے قانون سازی کا موقع جمہوریت کے علمبرداروں کو کب ملے گا؟

وگرنہ خالق کائنات کا حکم تو امت محمدیہ کے لیے پیغام ہدایت دے ہی رہا ہے۔

''یہ (مومن) آپ سے شراب اور جوئے کے حکم کے بارے میں پوچھتے ہیں؟ فرما دیجئے! ان دونوں میں بڑا گناہ ہے۔ (اگرچہ بظاہر) لوگوں کو فائدے بھی نظر آتے ہیں (لیکن حقیقت میں) ان کا گناہ بہت زیادہ ہے ان کے فائدہ کی بہ نسبت'' (البقرہ: 219)

ایک اور مقام پر فرمایا:

''اے ایمان والو! یہ شراب و جوا، بت اور پانسے ڈالنا سب شیطان کے گندے کام ہیں پس تم ان سے بچو تاکہ تم فلاح حاصل کرسکو (اور فلاح و کامیابی کا دار و مدار اجتناب ہی میں ہے) شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تم میں شراب اور جوئے کے ذریعے بسیرا ڈالے اور تم کو اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روکے تو کیا اب بھی تم باز نہیں آؤ گے۔ (المائدہ: 91-92)

(روزنامہ جنگ، لاہور 3 فروری 1998ء)

♥ ...... ♥ ...... ♥

Marfat.com

5 فروری کیا کھویا! کیا پایا؟

جنت نظیر کشمیر کی سرزمین پر نہتے مسلمانوں پر ہونے والے مظالم پر صدائے احتجاج بلند کرنے کے لیے، بے کس ولاچار اہل کشمیر پر انسانیت نیوز ہی نہیں بلکہ ہٹلر کو شرمندہ کرنے والے بھارتی درندوں کی بربریت کے خلاف، عالمی خوابیدہ ضمیر کو جگانے کے لیے اور کشمیری مسلمانوں سے ہمدردی کے جذبات کے آئینہ میں 5 فروری کو ملک میں ہڑتال ہوئی جس پر ایک عرصہ تک مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل بحث ہوتی رہے گی۔ ہر ایک نے اپنے نکتہ نظر سے اس ہڑتال سے مرتب ہونے والے اثرات ونتائج کو بیان کرنا ہے۔ جن سے اتفاق اختلاف کی گنجائش بہر حال موجود رہے گی۔ ممکن ہے ایک نکتہ نظر ایک کے نزدیک مثبت ہو اور دوسرے کے نزدیک وہی نکتہ نظر منفی پہلو کو متضمن ہو مذہبی، اخلاقی، سیاسی اور معاشی نتائج کی ترتیب میں آراء کو جانبدارانہ اور غیر جانبدارانہ حوالے سے رد اور قبول کرنے میں تردد کا اظہار بھی ہوتا رہے گا۔ بہر حال ان آراء کو جو بھی معانی پہنائے جائیں نئے افکار اور نکتہ نگاہ پر غور وفکر کے ابواب کھلتے رہیں گے۔

5 فروری کی ہڑتال کی ''پیدائش'' اور ''محل وقوع'' کے بارے میں یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ اب تک یہ نسات ''بہاریں'' دیکھ چکی ہے۔ پہلے سال ہڑتال کا یہ مقصد قرار پایا تھا کہ ہندوستان کے گھناؤنے چہرے پر پڑتے ہوئے پردوں کو بے نقاب کرنے کے لیے پورے عالم اور خاص طور پر عالم اسلام کی حمیت کو ابھارا جائے لیکن بعد میں میدان جہاد کے سیاسی کھلاڑیوں اور کپتانوں نے اسے ''سنت موکدہ'' کا درجہ دے کر اپنے مقاصد کی تکمیل میں اسے بہترین ''ذریعہ معاش'' خیال کرتے ہوئے ''سالگرہ'' کا رتبہ دے دیا۔

اس ہڑتال کے مقاصد کیا تھے اور کیا کر دیئے گئے؟ اس مسئلہ پر لازماً سیر حاصل گفتگو کی جانی چاہیئے۔ کہ کہیں ہم پٹری سے اتر تو نہیں گئے؟ اور اگر اتر گئے ہیں تو کس طرح دوبارہ درست پٹری پر چڑھ سکتے ہیں؟ اور جماعتوں کے مقاصد کو چھوڑتے ہوئے من حیث

Marfat.com

المجموع قوم پاکستان کو کیا فوائد حاصل ہوئے؟

کسی نے اس ہڑتال کے ذریعہ کشمیر کے مسئلہ کو زندہ و جاوید رکھنے کی کوشش قرار دیا کسی نے عالمی بے حسی کا مظاہرہ قرار دیا، کسی نے عالمی افق پر غنڈہ گردی کی کوششوں کو ناکام کرنے کا ایک حربہ قرار دیا۔ کسی نے جذبہ حریت کو جلا بخشنے کا ایک ذریعہ بتایا کسی نے معاشی اور اقتصادی نکتہ نظر سے حاصل ہونے والے نقصانات کی تفصیل بیان کی کسی نے قوم مسلم کی زبوں حالی پر آنسو بہائے۔ کسی نے عالمی امن کے داعیبن کو آزادی کی سلگتی ہوئی آگ سے کھیلنے کی کوشش قرار دیا، کسی نے اس جنگ آزادی کو عالمی تحریکوں کے پیچھے بیٹھے ہوئے بڑے جفادری کی چودھریوں کے بچھائے ہوئے شطرنج کے مہروں میں سے ایک مہرہ قرار دیا، کسی نے کشمیر کے محل وقوع کے اعتبار سے نئے اڈوں کی تلاش میں سے ایک نئے اڈاہ کی تلاش قرار دیا۔ کسی نے کشمیر کی آزادی کو غیر جانبدارانہ ملکوں کے اضافوں میں سے ایک نئے غیر جانبدار ملک کی دریافت قرار دیا۔ اور کسی نے جہاد کے عنوان سے متاثر ہو کر ''جذبہ جہاد'' کو خون مسلم سے آب یاری عطا کرنے کی کوششوں میں سے ایک بہترین کوشش قرار دیا۔ ان تمام نکتہ ہائے افکار کے ساتھ ساتھ یہ تجزیہ کرنا بھی ضروری ہے کہ ہم اس ہڑتال سے ان تمام مقاصد کو حاصل کرنے میں کیا کامیاب رہے جو ہمارے پیش نظر تھے؟ اور اگر نہیں رہے تو آئندہ کے لیے کیا کیا منصوبہ بندیاں کی جائیں تاکہ ان مقاصد کو حاصل کرنے میں قوم جس طرح کی معاشی اور اقتصادی قربانی پیش کرتی ہے وہ ضائع نہ ہونے پائے جہادی جذبات کی اہمیت سے انکار مقصود نہیں بلکہ حقائق کے دائرے رہتے ہوئے انہیں جذبات کو بہتر انداز میں استعمال کیا جانا مقصود ہے۔

اس ہڑتال سے ایک مثبت پہلو ایک دفعہ پھر ابھر کر سامنے آیا کہ ابھی تک مسئلہ کشمیر قوم کے متفقہ مسئلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں تمام جماعتیں چاہے ان کا تعلق حزب اقتدار سے ہو یا حزب اختلاف سے اس مسئلہ پر یک جان دو قالب ہیں۔ چنانچہ اسلام آباد میں مشترکہ جلوس و اجتماع میں ایک ہی سٹیج پر اکٹھے ہو کر دونوں بڑی سیاسی جماعتوں نے بالغ نظری کا بہترین مظاہرہ کیا۔ کاش! کہ اس طرح کے مظاہرے پاکستان کے تمام شہروں میں منظم طریقوں سے ہوتے تو مثبت نتائج اس سے کہیں زیادہ بہتر نکلتے۔ مسئلہ کشمیر کی افادیت پر الگ الگ بیانات دے دینا اور حیثیت رکھتا ہے اور ایک سٹیج پر اکٹھا ہو جانا اور حیثیت کا حامل ہوتا ہے ''کشمیری کمیٹی'' کے سابقہ چیئرمین کے اخباری بیان کے چھپ جانے کی وہ حیثیت نہیں ہو

Marfat.com

سکتی جو حیثیت سابقہ اور حالیہ ''کشمیر کمیٹی'' کے چیئرمینوں کی ایک ہی جگہ بیٹھ کر پریس کانفرنس کرنے کی ہو سکتی تھی۔ قوم اپنے سیاسی رہنماؤں سے یہ توقع ضرور رکھتی ہے وہ قومی معاملات میں تو ایک مقام پر اکٹھے ہو کر قوم کی رہنمائی کے فرض سے عہدہ برآں ہونے کی کوششوں میں اپنا کردار ادا کریں۔ پالیسیوں میں اختلاف پر تنقید کا حق بجا لیکن پالیسیوں کے مشترکہ نکات پر تو قوم سیاسی و دینی قائدین کو ایک مقام پر ایک ہی وقت اور ہی جگہ دیکھنا چاہتی ہے قوم کی یہ آرزو کب پوری ہوگی؟ اس طرح کم از کم تمام دینی سیاسی اور جہادی قائدین بھی اگر یکجا ہو کر ایک ہی مقام پر جلوس و اجتماع کرتے تو یقیناً ''جہاد کشمیر'' کی تحریک کو وہ اخلاقی و مالی قوت حاصل ہوتی۔ جس کا یہ قائدین تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، جماعت و گروہی تقسیم ذہنوں پر اس قدر پختہ نقوش ثبت کر چکی ہے جو جماعتوں، انجمنوں، بزموں، فیڈریشنوں، سوسائٹیوں اور گروہوں کے محدود دائرے سے باہر نکلنے کی سوچ پیدا کر ہی نہیں سکتی ان جلوسوں اور اجتماعوں کے بعد ہر جماعت یہ سوچنے کے لیے میٹنگیں کرتی ہیں کہ اس اجتماع یا جلوس سے ہماری جماعت کو کیا فائدہ پہنچا۔ ہمیں کتنی پبلسٹی حاصل ہوئی۔ ہمارے قائد کی تصویر چھپی یا نہیں چھپی۔ ہمارے قائد کو سٹیج پر کہاں جگہ ملی۔ ٹی وی پر کتنی کوریج ملی وغیرہ وغیرہ لیکن ذہن میں یہ خیال خوش کن اثر مرتب کیوں نہیں کرتا کہ اس عمل سے قوم کے اتحاد کو کتنی تقویت پہنچی؟ جس مقصد کے لیے جلوس یا اجتماع منعقد ہوا اس کی مقصدیت کو کس قدر فائدہ پہنچا؟ عالمی پیمانے پر قوم کی اجتماعیت کا تصور کس قدر ابھرا؟ عالمی پریس میڈیا کے اندر یہ بات کس حد تک اجاگر کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی۔ کہ ملی اور قومی اعتبار سے یہ مسئلہ اہل پاکستان کے لیے واقعی موت و حیات کا مسئلہ ہے؟ اسلامی مملکتوں کے اصحاب اقتدار کے اس مسئلہ کے حل کے لیے کتنے روابط مضبوط ہوئے؟ ان کی کوششوں سے استفادہ کرنے کے مواقع کو کہیں ضائع تو نہیں کیا؟ آئندہ ان روابط کو مضبوط کرنے کے لیے کیا کیا منصوبہ بندی کی جائے؟ اقوام متحدہ میں اس مسئلہ کو ایجنڈے پر لانے کے لیے کس قدر کوششیں ہوئیں؟ ان کے اثرات کیا مرتب ہوئے! بڑی طاقتوں نے بھی کیا اس مسئلہ کی اہمیت کو محسوس کیا؟ وغیرہ وغیرہ۔

عالمی پریس اس امر کو بخوبی جانتا ہے کہ قوم تو مسئلہ کشمیر کی اہمیت کو بخوبی جانتی ہے لیکن قوم کے قائدین میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک کو قیادت کا اہل سمجھیں۔ قوم کو وحدت کی دعوت دینے والے جب خود اپنے کردار سے وحدت کا نمونہ پیش

Marfat.com

نہیں کر پائیں گے تو وہ قوم سے کس طرح توقع رکھتے ہیں کہ ساری قوم ان کی قیادت کو قبول کر لے گی۔ آپ جس قائد کے اخباری بیان کو پڑھ کر دیکھ لیں وہ اپنے پیغام میں قوم کو متحدہ ہونے، یکجا ہونے، اکٹھے مل کر تحریک چلانے کا عندیہ دیتے ہوئے نظر آئیں گے اور اکٹھے ہو کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا سبق یاد دلاتے ہوئے بھی نظر آئیں گے کبھی کبھی اپنے پیغامات میں ''نیو ورلڈ آرڈر'' کیخلاف متحد ہو کر ''سلامک ورلڈ آرڈر'' جاری کرنے کا مشورہ بھی دیں گے اور اس طرح ہر قائد قوم کو متحد ہونے کا پیغام دے رہے ہیں لیکن خود قائدین جنہیں اصولی طور پر سب سے پہلے متحد ہونا چاہیے عوام کو ان میں وہ اتحاد نظر نہیں آتا؟ اس سے قبل مسئلہ کشمیر کے بارے میں گول میز کانفرنسیں مشترکہ طور پر منعقد ہوتی رہی ہیں اس سال ایسی کوئی قابل ذکر کوشش بھی نظر نہیں آئی۔ 5 فروری کو پوری قوم ہڑتال پر تھی لیکن قوم کی ان قائدین پر عدم اعتمادی کا یہ عالم تھا کہ لاکھوں کے شہر میں چند ہزار سے زائد افراد یکجا ہونے کے لیے تیار نہیں تھے۔ عالمی پریس میڈیا اتنا اندھا نہیں ہے اور وہ بھی کیمرے کی آنکھ رکھتا ہے ایسا نہیں ہے کہ اس کو سینکڑوں اور ہزاروں کے جلوس اور اجتماع میں فرق نظر نہ آتا ہو۔ کیمرہ سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ ثابت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ بین الاقوامی طور پر اس ہڑتال کو وہ کوریج نہ مل سکی، وجہ صاف ظاہر ہے کہ عوام گھروں میں بیٹھ کر ہڑتال کی صورت میں چھٹی مناتے رہے اور باہر نکل کر اپنا اجتماع نوٹ نہ کرا سکے۔

50/50 لاکھ افراد کا جماعت میں داخل ہونے کا دعویٰ کرنیوالے بھی پوری کوشش اور پروپیگنڈے کے باوجود ایک لاکھ افراد بھی ایک مقام پر جمع نہ کر پائے۔ خطابت کے جوہر سے مالا مال ہونا یقیناً نعمت غیر مترقبہ ہے لیکن اس جوہر کو اتحاد کے لیے بروئے کار لانا کار دیگر ہے۔ لاہور ہی میں اگر تمام دینی، سیاسی اور جہادی جماعتوں کا ایک مشترکہ جلوس نکلتا جس کا ایک نارہ گول باغ میں ہوتا اور دوسرا اسمبلی ہال تک پھیلا ہوا ہوتا تو یہ امر قوم کی یکجہتی کو اجاگر کرنے کا ناقابل تردید ثبوت ہوتا۔ پندرہ، سولہ چھوٹے چھوٹے جلوسوں کی تصاویر کا شائع ہو جانے سے اہل کشمیر پر ہونے والے مظالم کو کس طرح روکا جا سکتا ہے؟ اور اس سے اہل کشمیر کے مؤقف کو کس طرح تقویت پہنچائی جا سکتی ہے؟ اسی لاہور میں نام مصطفیٰ کی تحریک میں لاکھوں افراد کے نکلنے والے جلوسوں نے بین الاقوامی میڈیا کو کوشاں کشاں اپنی طرف متوجہ کر

Marfat.com

لیا تھا۔ یقیناً ان دونوں میں فرق کو واضح کرنے کے لیے جواب میں کئی دلائل دیئے جا سکتے ہیں لیکن بہر حال یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ جس قدر وحدت کا تصور تحریک نظام مصطفیٰ اور تحریک تحفظ ناموس رسالت میں سامنے آیا وہ تصور اس ہڑتال کے موقع پر سامنے نہ آسکا۔ اس کی ایک شکل یہ بھی ہو سکتی تھی کہ تمام جماعتیں اپنی اپنی جدوجہد کے مطابق مختلف علاقوں یا وارڈوں سے جلوس نکالتی ہوئی ایک بڑے جلوس میں شامل ہوتی رہتیں تو بھی قائدین پر قوم کی وحدت اور یکتائی کا بہترین نمونہ سامنے آسکتا تھا۔ جو یقیناً مسئلہ کشمیر کے لیے تقویت کا باعث ہوتا۔ چند بڑے شہروں میں تھوڑے بہت جلوس مختلف جماعتوں کی کوششوں سے نکلے لیکن چھوٹے شہروں اور تحصیلوں میں کریڈٹ صرف جماعت اسلامی کو جاتا ہے جس نے مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں مختلف قصبوں اور تحصیلوں میں بھی مقامی طور پر اپنی تئیں کوششیں کیں۔ جبکہ دو بڑی جماعتیں ان مقامات پر ایسا نہ کر سکیں، اور ان کی کارروائیاں صرف بیانات تک محدود رہیں اس دن اتفاق سے دوپہر کے وقت چیچہ وطنی میں تھا اور جماعت اسلامی کی مقامی قیادت نے اپنے مرکز کی ہدایات کی روشنی میں غلہ منڈی سے جلوس نکالا جو اگرچہ آغاز میں مختصر اتھا جس میں 8 موٹر سائیکل، ایک جیپ اور 140 افراد تھے۔ جو یقیناً آہستہ آہستہ بڑھتا رہا ہو گا لیکن اس تحصیل میں کسی اور جماعت کی کوئی سرگرمی نظر نہ آئی حتیٰ کہ پاکستان کے قیام کی داعی جماعت مسلم لیگ کی مقامی قیادت کی کسی قسم کی سرگرمی کے کوئی آثار نظر نہ آئے۔ جو باعث تعجب ہے۔ ایک اور حیران کن چیز یہ نظر آئی کہ ایک طرف پوری قوم ہڑتال پر تھی لیکن والٹن مدینہ کالونی سے لے کر لاہور چھاؤنی تک ریلوے لائن کے اردگرد کی تمام دکانیں اور مارکیٹیں کھلی ہوئی تھیں کیا ان تک ہڑتال کا پیغام نہ پہنچ سکا؟ یا انہوں نے مسئلہ کشمیر سے لاتعلقی کا اظہار ضروری خیال کیا۔

اس ہڑتال میں ہیومن رائٹس کی این جی اوز اور دیگر حقوق انسانی کی دعویدار جماعتوں کا کردار بھی قابل غور رہا کہ جب کبھی کسی اسلامی ملک کے اندر ان کے آقاؤں کے مفادات پر زد پڑتی نظر آتی ہے۔ تو یہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر پروپیگنڈہ سے اس مسئلہ کو اس قدر اچھالتی ہیں اور آسمان کو سر پر اٹھا لیتی ہیں کہ معلوم نہیں بین الاقوامی طور پر کونسی ناگہانی آفت نے حملہ کر دیا ہے یا کوئی ناقابل برداشت واقعہ وقوع پذیر ہو گیا ہے لیکن اس موقع پر ان

Marfat.com

حقوق انسانی کی مدعی جماعتوں کی کوئی قابل قدر کوشش نظر نہ آئی۔ شاید اس لیے کہ مقبوضہ کشمیر کو ادا کرنی پڑ رہی ہے ان میں ان کے آقاؤں کی مرضی بھی شامل ہے اور غلام کی کیا جرات کہ وہ آقا کی مرضی کیخلاف کوئی قدم اٹھا سکے یا بیان جاری کر سکے؟

حکومتی تعلیمی اداروں کے فیصلوں میں تضاد کی بناء پر عوام کو مختلف مسائل کا سامنا کرنا پڑا جس کا آئندہ اعادہ نہیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ چھوٹے چھوٹے بچوں کے والدین کو عجیب صورت حال سے دوچار ہونا پڑا۔ ایک طرف پرائمری اور ہائی سکولوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ ہڑتال والے دن بھی تمام بچوں کو سکول میں حاضر ہونے کا پابند کریں دوسری طرف ہڑتال کی بناء پر ٹریفک بند ہے اب چھوٹے چھوٹے بچے کس طرح سکول پہنچیں کیونکہ تمام بچے تو اپنے اپنے علاقے کے سکولوں میں تعلیم حاصل نہیں کرتے۔ سکول میں حاضر نہ ہو تو اساتذہ کرام کی کارکردگی پر اثر پڑتا ہے۔ بچے اور بچوں کے والدین الگ پریشان، ہر ایک کے پاس سواری نہیں کہ وہ بچوں کو بروقت سکول پہنچا سکیں، تیسری طرف کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ہڑتال کا اعلان، کیا مسئلہ کشمیر کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے چھوٹے چھوٹے بچے ہی باقی رہ گئے تھے؟ اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ مسئلہ کشمیر کی اہمیت سے کماحقہ واقف ہو چکے تھے؟ یا انہیں مسئلہ کشمیر کے حل کے بارے میں کسی اور قسم کی ڈیوٹیوں پر فائز کر دیا گیا تھا؟ اس طرح کی پالیسی کے اختیار کرنے میں بے تدبیری کس امر کی غمازی کر رہی تھی؟ چوتھی طرف صبح صبح مائیں بچوں کے ناشتہ کی تیاری میں پریشان جبکہ بڑے بوڑھے ہڑتال کی بناء پر آرام کے موڈ میں بستروں پر دراز۔ اس طرح کے تکلیف دہ اعلان جاری کرنیوالے بیوروکریسی کے افسران کی بالغ نظری پر قربان ہونے کو جی چاہتا ہے بظاہر شروع سے لیکر آخر تک آج کی ساری گفتگو تیسرے درجے کے ذہن کے حامل افراد سے متعلق ہوسکتی ہے لیکن معاشرہ میں اکثریت تو اسی درجہ کے رہنے والے افراد کی ہے۔ ان کے سوچوں کی کون آبیاری کرے گا؟ اور ان کے مسائل کون حل کرے گا؟

یقیناً تاریخ عالم ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے جن میں قوموں نے عظیم مقاصد کی تکمیل کے لیے بڑی بڑی قربانیاں پیش کیں۔ خاص طور پر مسلم اقوام کی تاریخ تو ایسے واقعات سے معمور ہے کیونکہ ان کی نگاہ دنیاوی مفادات سے کہیں زیادہ اخروی فوائد کے حاصل

Marfat.com

کرنے پر رہتی ہے۔ ان کے اذہان وقلوب میں یہ بات راسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ دنیا کی چمک دمک عارضی ہے اور عظیم مقاصد کے حصول کے لیے پیش کی جانے والی قربانیاں کبھی رائیگاں نہیں جاتیں۔ اگرچہ وقتی طور پر مشکلات سے ضرور دوچار ہونا پڑتا ہے لیکن انجام کار فتح وکامرانی ان ہی کے قدم چومتی ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ تعلیم بھی دی ہے کہ قربانیوں کے پیش کرتے وقت پورے تدبر اور تفکر کو بھی بروئے کار لاتا ہے۔ آنکھیں بند کرتے ہوئے اس انداز سے قربانی پیش نہیں کرنی جس سے خود مسلمانوں ہی کو نقصان پہنچنا شروع ہو جائے۔ جنگی تدابیر اختیار کرنے کی تعلیم اسی لیے دی کہ کم سے کم نقصان اٹھا کر دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جائے۔ یہ کوئی ہوش مندی کی بات نہیں کہ جوش کے اندر دشمن کی بجائے اپنا ہی نقصان کرالیا جائے۔ خود تحریک پاکستان کے اندر قائداعظم علیہ الرحمہ کی قیادت میں مسلمانوں نے ثابت کیا کہ مسلمان ایک باشعور قوم ہے جو پوری ہوش مندی کے ساتھ اپنے مقاصد حاصل کرنے کی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہے تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ قیام پاکستان میں خاک وخون کی ندیاں بہانے کا آغاز مسلمانوں نے نہیں بلکہ ہندوؤں اور سکھوں نے کیا تھا۔ مسلمانوں نے تو اس کے جواب میں صرف مزاحمتی طریق کار اختیار کیا تھا، لاشوں سے اٹی ہوئی ٹرینیں پنجاب سے نہیں بلکہ ہندوستانی علاقوں سے پنجاب میں پہنچا کرتی تھیں۔ وہی تاریخ آج پھر کشمیر میں دہرائی جارہی ہیں۔ قوم مسلم آج بھی اسی طرح کے قائداعظم کی منتظر ہے جس نے ہندوؤں کی چالاکیوں، عیاریوں، چالبازیوں اور چالوں کا جواب اسی شعور، تدبر اور تفکر سے دیا جیسا دینا چاہیے تھا۔ اس کی زبان کے شیریں پن میں جو زہر ہوتا ہے وہ قائد اس کے زہریلے پن کو محسوس ہی نہیں بلکہ اس کا مداوا بھی کر سکے۔ وہ تو ہمہ وقت پاکستان کو معاشی طور پر نقصان پہنچانے کے درپے رہتا ہے اور ہم جذبات کی رو میں اس سے زیادہ اپنا نقصان کرنے کے درپے نظر آتے ہیں۔ وہ باہمی تجارت کا ڈول پھینکتا ہے اور ہم انفرادی طور پر وقتی فائدے کی چمک کے درپے ہو جاتے ہیں۔ ہندو بنیئے اور یہودی ظالم کی ایک خاص ذہنیت ہے جس کو الفاظ کے ظاہری پن سے زیادہ باطنی طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے اور قول سے زیادہ عمل سے پہنچانا جاتا ہے۔

جب معاشی اور اقتصادی نقصان کی بات کی جاتی ہے تو فوراً ذہن میں جواب آتا ہے کہ عظیم مقاصد کی تکمیل میں معاشیات اور اقتصادیات کے نقصانات کو نہیں بلکہ اخلاقیات کو

Marfat.com

پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ معاشی نقصانات تو ہوتے رہتے ہیں اور زندگی تو نام ہی نفع ونقصان کے زیر و بم کا ہے۔ اخلاقی ہمدردی کا اظہار بانگ دہل ہونا چاہیے اور اخلاقی تعاون کا مظاہرہ بھی ہونا چاہیے لیکن کیا ایسا طریق کار بہتر نہیں جس میں اخلاقی تعاون و ہمدردی کا اظہار بھی ہو رہا ہو اور معاشی و اقتصادی نقصان بھی نہ ہو؟ کیا یہ ضروری ہے کہ ہم جذبات کی رو میں بہہ کر اپنا ہی معاشی نقصان بھی کریں؟ کیا یہ بہتر نہیں کہ معیشت ہی کو ہم ایسے ہتھیار کے طور پر استعمال کریں جس سے دشمن کمر ٹوٹ جائے اور اس کے ناپاک منصوبے خاک میں مل جائیں؟ اور معیشت کی ایسی مار ماری جائے جس کی چوٹ کو وہ سہلاتا ہی رہے؟ جن مقامات پر اخلاقی قدروں کو بروئے کار لانا ضروری ہو ان مقامات پر اخلاقی قدروں اور اخلاقی تدابیر کو ضرور بروئے کار لایا جائے لیکن جہاں اخلاقی قدریں اثر انداز نہ ہونے پائیں تو وہاں اس سے بہتر تدابیر اختیار کر لی جائیں۔

ہندو بنیانہ اخلاقی اقدار کی زبان سمجھتا ہے اور نہ ہی اس کو ان کی سمجھ آ سکتی ہے اور تقریباً کم وبیش یہی صورتحال تمام سپر طاقتوں، یو این او اور دیگر عالمی اداروں کی ہے آپ اہل کشمیر کے حق میں اخلاقی ہمدردی اور ان کے موقف کو تقویت پہنچانے کے لیے ایک چھوڑ کر مسلسل دس ہڑتالیں بھی کر لیں عالمی اداروں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگے گی کیونکہ عالمی طاقتیں اخلاق کی زبان سے زیادہ معاشی زبان کو سمجھتی ہیں۔ انڈونیشیا، کیوبا وغیرہ کی موجودہ دگرگوں صورت پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے اخلاق کے پس منظر میں جتنی چاہیں قراردادیں پاس کر لیں کیا ان قراردادوں کے ذریعے ان کی معاشی مشکلات دور ہو جائیں گی؟ لیکن اس کے برعکس ہمدردی کی اخلاقی قرارداد کے ساتھ ساتھ ان کی معیشت کو سنبھالا دینے کی کسی ایسی سکیم میں تعاون فرما دیں جس سے ان کی معیشت کو کچھ سہارا مل سکے وہ اس قرارداد سے کہیں زیادہ بہتر تعاون ہوگا۔ آج تک یو این او مسئلہ کشمیر پر جتنی قراردادیں پاس کر چکی ہے ہندوستان کی حکومتوں نے اس کا کیا اثر لیا؟ اسرائیل کے بارے میں تمام عرب ممالک کے ساتھ ساتھ تمام اسلامی اور دیگر ممالک نے قراردادوں کے پیش کرنے اور پاس کرنے کا ایک ریکارڈ قائم کر دیا۔ کیا اسرائیل ان اخلاقی ہمدردی کی قراردادوں سے متاثر ہوا؟ یا خوفزدہ ہو کر اپنے کسی ایک منصوبہ کو بھی تبدیل کر سکا؟ حبشہ، اری ٹیریا، بوسنیا اور افغانستان کے بارے میں پاکستان اور دیگر ممالک نے صلح جوئی کے لیے جو اخلاقی دباؤ ڈالا اس کا کس قدر اثر ہوا؟ عراق

Marfat.com

کے بارے میں امریکہ بہادر کے ظالمانہ اور سفا کانہ کارروائیوں اور رویئے کے خلاف امت مسلمہ حتیٰ کہ روس نے جو قراردادیں پاس کیں اب تک امریکہ نے اس کا کیا اثر لیا؟ اخلاقی اثر وہاں مرتب ہوتا ہے جو اخلاق کی اہمیت اور افادیت کو جانتے، مانتے اور پہچانتے ہیں لیکن جو اسلحہ کی زبان سمجھتے ہیں ان سے اسلحہ کی زبان ہی میں گفتگو کی جاتی ہے۔ ہندوستان صرف اسلحہ اور ایٹمی قوت کی زبان سمجھتا ہے اس لیے اسلحہ کی زبان میں ہی سمجھ آتی ہے۔ پاکستان 1971,1965ء میں اس کا تجربہ بھی کر چکا ہے۔ آج سے چند سال قبل جب روس نے افغانستان پر فوجی حملہ کیا تھا تو کیا یورپ اور امریکہ جیسی سپر طاقتوں میں سے کسی ملک نے روس کے اس وحشیانہ اقدام کے خلاف ہڑتالیں کر کے روس کو زک پہنچانے کی کوششیں کیں؟ بلکہ انہوں نے یو این او اور اس جیسے دیگر اداروں کو متحرک کیا وہاں اس کے ساتھ ساتھ افغانستان میں لڑنے والے مجاہدین اور جماعتوں کو وافر مقدار میں خفیہ اور اعلانیہ اسلحہ پہنچا کر روس جیسی طاقت کو بھی شکست ماننے پر مجبور کر دیا۔ کیا یورپ ہڑتالوں کے ذریعے روس کی فوج کشی کو روک سکتا تھا؟ بلکہ اس وقت کے حکمرانوں نے روس کی کارروائیوں کا اس طریقہ سے مقابلہ کیا جس طرح کرنا چاہیے تھا۔ امریکہ نے اگرچہ اپنے مفاد ہی میں سہی اسلحہ کے ساتھ ساتھ اسٹنگر میزائل افغانیوں کو مہیا کر کے جنگ کا پانسہ پلٹوا دیا اس جنگ کے فوائد کو حاصل نہ کرنے میں قصور خود افغانیوں کا ہے کہ جو مال غنیمت کی تقسیم میں اپنے مقاصد کو کھو بیٹھے۔

ہندوستان کو اخلاقی مار مارتے ہوئے جو ہم اپنی ملکی معیشت کو اربوں اور کروڑوں کا نقصان پہنچاتے ہیں اس کی بجائے اگر آئندہ 5 فروری یا کسی بھی دن یہ طے کر لیں کہ ہم میں سے ہر پاکستانی نے چاہے وہ دوکاندار ہے یا صنعتکار ہے، ٹرانسپورٹر ہے یا تاجر، سرکاری ملازم ہے یا غیر سرکاری ملازم، مزدور ہے یا مالک اس نے کم از کم ایک دن کی تنخواہ منافع یا آمدنی کشمیر کے مجاہدین کے لیے مناسب منصوبہ بندی کے ساتھ ایسا اسلحہ مہیا کرنا ہے جس سے مقبوضہ کشمیر میں رہنے والے ہندوستانی فوج کا مقابلہ کر سکیں۔ ہماری ایک دن کی ہڑتال سے کتنے ہندوستانی فوجی واصل جہنم ہوئے؟ اگر ایک بندوق اور ایک ہزار گولی مقبوضہ کشمیر کے کسی ایک مجاہد کو مل جائے وہ کئی ہندوستانی فوجیوں کو واصل جہنم کر سکتا ہے۔

ایک دفعہ قوم کو ذہنی اور عملی طور پر کشمیر کے مظلوم مجاہدین کی امداد کے لیے تیار کرنا ہے کہ وہ ان تک اسلحہ پہنچائیں اور جب یہ قوم فیصلہ کر لے گی تو ان تک اسلحہ پہنچانے کے

Marfat.com

راستے کشمیر کے مجاہدین خود کھول لیں گے اور جب وہ رستے کھل جائیں گے تو ان رستوں کے روکنے کی صلاحیت ہندوستانی فوجیوں میں نہیں ہوگی۔

جب کشمیر کا مسئلہ تمام پاکستانیوں کا مشترکہ مسئلہ ہے تو دینی، سیاسی، جہادی جماعتیں آپس میں بیٹھ کر تقسیم کار کیوں طے نہیں کر لیتیں؟ ہماری ایک دن کی ہڑتال کا فائدہ اس کے سوا اور کیا حاصل ہوا کہ اخلاقی طور پر اس مسئلہ کو سہارا ملا اور خود مقبوضہ کشمیر میں ظلم و ستم سہنے والوں کو اس ہڑتال سے کیا ملا؟ اجتماعی جلوس اور اجتماع منعقد کرنے کے ساتھ ساتھ اگر صرف قبائلی علاقہ کی بنی ہوئی ایک لاکھ بندوقیں اور گولیاں مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں کو مل جائیں تو صرف ایک سال ہی کے اندر صورتحال مختلف ہو جائے گی اور ہندوستان کشمیر کو آزاد کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔

مقبوضہ کشمیر کی جنگ آزادی اپنے اندر کئی پہلوؤں کو سمیٹتے ہوئے ہے جن میں سے کچھ عوامل مقامی اور کچھ غیر مقامی ہیں اور غیر مقامی میں بھی ہمسائے اور غیر ہمسائے ممالک کی تقسیم کی جا سکتی ہے۔

جنگ آزادی عام طور پر جن اسباب کی بناء پر لڑی جاتی ہے ان میں سے قابل ذکر تین ہیں۔

(1) اس علاقہ کے باشندوں پر کسی قوم یا ملک نے جبر و ظلم اور قوت کے زور پر قبضہ کر لیا ہو اور قبضہ ہو جانے کے بعد بھی استحصالی نظام کا سلسلہ جاری رہے اور انہیں مکمل طور پر ایک غلام قوم کا درجہ دے دیا جائے جس کے نتیجہ میں آہستہ آہستہ آغاز میں بغاوت کے آثار نمایاں ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ جوں جوں ظلم و جور میں بڑھتا ہے یوں یوں جنگ آزادی کی تحریک مستحکم ہوتی جاتی ہے جو بالآخر آزادی پر آ کر منتج ہوتی ہے اور اس طرح کی تحریکیں چونکہ مکمل طور پر مقامی افراد کے دل کی آوازیں ہوتی ہیں۔ اس لیے کامیابی کے بعد بھی غیر ملکی اثرات اور مفادات سے بالاتر ہوتی ہیں البتہ آزادی کے بعد اگر اقتدار پر محب وطن افراد متمکن رہیں تو قوم اور ملک قوم کی منازل طے کرنے لگتا ہے۔ لیکن اگر اقتدار پر غیر محب وطن اقتدار کے حریص اور نا اہل افراد قابض ہو جائیں تو آزادی کے مقاصد آہستہ آہستہ فوت ہونے لگتے ہیں اور غیر ملکی طاقتیں اس ملک کو معاشی اعتبار سے مکمل طور پر اپنے شکنجے میں کس

Marfat.com

لیتی ہیں۔

(2) دوسری قسم ایسی تحریک آزادی کی ہوتی ہے جس میں اگرچہ مقامی طور پر کچھ افراد آزادی کے خواہاں ہوتے ہیں لیکن اس سے کہیں بڑھ کر غیر ممالک کے مفادات اس علاقہ سے وابستہ ہوتے ہیں جن کی بناء پر ان افراد کی مکمل طور پر پشت پناہی کرتے ہیں اور اس طرح وہ اپنے خرید کردہ افراد کے ذریعے اس ملک کو آزاد کرا کے اپنے مقاصد کی تکمیل کر لیتے ہیں۔ یہ افراد چونکہ دوسرے ملکوں کی اپنی تحریک آزادی میں ممنون احسان ہوتے ہیں اس لیے وہ ان غیر ملکی ایجنسیوں کے مفادات کی بے چون چراں تکمیل کرتے چلے جاتے ہیں۔ انجام کار یہ ملک دوسرے ملکوں کے ہاں گروی رکھ دیا جاتا ہے۔

-3 تیسری قسم ایسی تحریک آزادی کی جس میں اگرچہ خود علاقہ کے افراد تو آزادی کے طالب نہیں ہوتے لیکن کوئی تیسرا ملک چاہے ہمسایہ ہو یا غیر ہمسایہ ان پر حملہ آور ہو جاتا ہے چنانچہ مقامی افراد اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے غیر ملکی امداد کو نعمتِ غیر مترقبہ سمجھ کر انہیں اپنی کارروائیاں اور پالیسیاں اپنانے کا پورا موقع مہیا کرتے ہیں۔

اور جب جنگ آزادی اختتام کو پہنچتی ہے تو مدد کرنے والا ہر فریق اپنے اپنے مقاصد کی تکمیل میں برسر پیکار ہو جاتا ہے جس کے نتیجہ میں مقامی طور پر ایک نیا انقلاب رونما ہوتا ہے۔ وہ کامیابی سے ہمکنار ہو یا نہ ہو یہ الگ بحث ہے لیکن اس کے منفی اور مثبت اثرات ہمسایہ ممالک پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں چنانچہ افغانستان کچھ اسی قسم کی جنگ آزادی سے دوچار ہوا۔ روس کے مسلم علاقوں پر کافی حد تک تو مثبت اثرات لیکن پاکستان میں کسی حد تک منفی اثرات مرتب ہوئے۔ اس تحریک آزادی کے نتیجہ میں پاکستان میں منشیات اور اسلحہ کی قوت سے اپنی بات منوانے کا کلچر پروان چڑھا۔ اسلحہ اور منشیات کی پہنچ ہر گھر کے دروازے پر دستک دینے لگی۔ ہر فرقہ پرست تنظیم کے افراد چونکہ ان تحریکوں میں آزادی دلوانے کے عنوان سے حصہ لیتے رہے اس لیے وہ ملک میں اپنے نظریات اور خواہشات کو بزور طاقت منوانے کے درپے ہو گئے۔

اہل نظر مقبوضہ کشمیر میں جہاد کے عنوان سے مذہبی اور مسلکی جماعتوں کے پس منظر

Marfat.com

میں حصہ لینے والی جماعتوں اور تنظیموں کے حوالوں سے انہیں خطرات سے دوبارہ دوچار ہونے سے ڈر رہے ہیں جن سے افغانستان کی جنگ آزادی کے نتیجہ میں دوچار ہو چکے ہیں۔

مقبوضہ کشمیر کے اندر اگرچہ آزادی کی تحریک موجود ہے لیکن اس کے پاس اس قدر وسائل ہیں جن کو بروئے کار لاتے ہوئے وہ موثر طور پر تحریک آزادی کو جاری رکھ سکیں اور جن کے پاس وسائل ہیں، وہ خود براہ راست ملوث ہونے کا نہ ادراک رکھتے ہیں اور نہ شامل ہونا چاہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے غیر ملکی مفادات کے حامل گروہوں کو اپنی کارروائیاں جاری رکھنے کا موقع مل جاتا ہے۔ حکمرانوں کی بے بصیرتی کا یہ عالم ہے کہ نہ تو وہ جہادی تنظیموں کی کاروائیوں کی مذمت کرتی ہیں اور نہ کھل کر ان کی تائید کرتی ہیں بلکہ نیم دروں اور نیم بروں کی ہیجانی کیفیت میں مبتلا ہیں اور وہ براہ راست اور پوری ذمہ داری سے ان جہادی تنظیموں کی سرپرستی کرتے ہیں اپنے لیے خطرات محسوس کرتے ہیں تو اپنی خفیہ ایجنسیوں کے ذریعے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ ان جہادی تنظیموں کی رہنمائی کریں تاکہ جہاد سے فارغ ہونے کے بعد اہل فکر ونظر جو خطرات محسوس کر رہے ہیں ان سے بچا جا سکے۔

فوجی تربیت اور غیر فوجی تربیت میں ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ فوجی تربیت سے تربیت یافتہ شخص جنگ کے بعد اپنے آپ پر قابو پانے کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے نہ وہ آپے سے باہر ہوتا ہے اور نہ وہ اسلحہ کا غلط استعمال کرتا ہے۔ بلکہ جنگ کے بعد بھی پرسکون زندگی گزارنے کی صلاحیت سے بہرہ مند ہوتا ہے لیکن اس کے برعکس غیر فوجی تربیت یافتہ شخص جنگ کے بعد بھی جنگجوانہ ذہنیت سے باہر نہیں آ سکتا۔ ہر وقت جہادی جنگجوانہ کیفیت ذہن پر مسلط اور چھائی رہتی ہے جس کا مشاہدہ ہر دو سے ملاقات کے وقت کیا جا سکتا ہے۔

جلد یا بدیر ایک نہ ایک دن کشمیر کی جنگ آزادی اپنے انجام کو پہنچے گی تو اس کے بعد وہ غیر فوجی افراد جو جنگ میں شریک رہے ان کے اذہان سے فوری طور پر جنگجوانہ کیفیت سے خلاصی پانا مشکل ہوگا جس کے نتیجہ میں ملک پاکستان میں پھر ایک مرتبہ فرقہ واریت پر مبنی مسلح کارروائیوں کا نیا سلسلہ شروع ہو جائے گا جس کے تدارک کی منصوبہ بندی اگر وقت سے پہلے نہ کی گئی تو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا۔

ان جہادی تنظیموں کی مستقبل کی کارروائیوں سے خوف اس لیے بھی آتا ہے کہ جن جن مقامات پر ان جہادی تنظیموں کی تربیت گاہیں موجود ہیں۔ ان مقامات کے اردگرد کے

Marfat.com

علاقوں والوں سے پوچھ کر دیکھ لیں کہ یہ کس طرح ''مجاہدانہ اقدار'' سے دوسرے مسلک کی مسجدوں پر قبضہ کرتے ہیں۔ دوسرے فرقہ والوں کے پاس چونکہ اسلحہ نہیں ہوتا، اس لیے ان کے حوصلے اور بڑھ جاتے ہیں اور جس کے پاس اسلحہ ہوتا ہے اس کی نفسیاتی کیفیت، اس کا طرزِ عمل اور اس کی گفتگو کا انداز ہی اور ہوتا جاتا ہے اور اگر دوسرے مسلک والے افراد بھی اسلحہ سے لیس ہوں تو ''جنگ وجدال'' کی صورت میں ہر دو کی طرف سے دوبدو جنگ کا آغاز ہو جاتا ہے جس میں کئی کئی افراد ''اسلام کی حفاظت'' کی بجائے ''مسلک کی حفاظت'' پر اپنی جانیں نچھاور کر دیتے ہیں اور پھر جنگ وجدال کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو ایک طرف ''اسلام'' کو بدنام کرنے کا ذریعہ ثابت ہوتا ہے تو دوسری طرف مسلمان کے ہاتھوں مسلمان ''شہید'' ہو رہا ہوتا ہے۔

اس لیے ابھی وقت ہے کہ مقبوضہ کشمیر میں حصہ لینے والی جہادی تنظیموں کو کسی ضابطہ اخلاق کا پابند کیا جائے ورنہ ....

5 فروری کو پوری قوم ''ہڑتال'' پر تھی۔ ہڑتال کیوں کی گئی تھی؟ اس کا مقصد کیا تھا؟ اس کی غرض و غایت کیا تھی؟ اس کا پیش منظر و پس منظر کیا تھا؟ کیا ہڑتال کسی خوشی کے خاص ہونے پر ہوئی تھی؟ کیا ہڑتال کسی کے غم دکھ اور درد میں شرکت کا احساس اجاگر کرنے اور اس کے اظہار کے لیے ہوئی تھی! خود لفظ ''ہڑتال'' کس معنی اور مفہوم کو ظاہر کرتا ہے؟ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ الفاظ کو موقع و محل کے مطابق استعمال کیا جاتا ہے۔ خوشی کے اظہار کے الفاظ غم کے الفاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ اس شخص یا قوم کے بارے میں کیا رائے قائم کی جائے گی جو سیاق و سباق کے اعتبار سے الفاظ کا انتخاب تو صحیح کرتا ہے لیکن اس کا عمل اس لفظ کے انتخاب کی نفی کر رہا ہوتا ہے۔ وہ غم کے اظہار کے لیے وہی لفظ منتخب کرتا ہے جس سے اظہار تاسف کا پہلو سامنے آتا ہے اور اسی لفظ کو اپنے اس دعوت نامے کے اندر بھی لکھتا ہے جس میں وہ اپنے اعزہ و اقرباء اور شناساؤں کو ''محفل عزا'' میں ''محفل قل شریف'' ''محفل چہلم'' میں شرکت کی دعوت دے رہا چنانچہ مدعوین اس دعوت نامے میں لکھی ہوئی عبارت کو دیکھ کر اس محفل کے آداب کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس لباس میں ملبوس ہو کر آتے ہیں جو اس محفل کے آداب کے مطابق ہے۔ چنانچہ وہ سادہ شکل وصورت اور ماتمی نما لباس پہن کر اظہار ہمدردی کے جذبات کو اپنے اندر مجتمع کرتے ہوئے آتے ہیں وہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کا ظاہری لباس بھی ایسا

Marfat.com

محسوس ہو کہ وہ بھی بلانے والے کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ اور واضح بات ہے کہ غم کے موقع پر انتہائی سادہ لباس پہنا جاتا ہے۔ زرق و برق اور لشکارے مارتا ہوا لباس تو نہیں پہنا جاتا لیکن جب وہ دعوت دینے والے کے ہاں پہنچتے ہیں تو یہ دیکھ کر حیران ہو جاتے ہیں کہ بلانے والے نے تو دعوت نامے کے الفاظ کے مطابق غم میں شرکت کا احساس پیدا کرنے والے کے بلایا تھا لیکن وہاں تو شراب و کباب کی محفل جمی ہوئی ہے۔ طنز و مزاح کا سماں بندھا ہوا ہے۔ دل لگی کی باتیں ہو رہی ہیں۔ شہنشاہ ظرافت اپنی خداداد صلاحیتوں سے محفل کو لوٹ رہا ہے۔ دستر خوانوں اور میزوں پر انواع و اقسام کے ایک سے ایک دل پسند کھانے چنے ہوئے ہیں وہاں تو غم کے اظہار تک کا احساس بھی موجود نہیں۔ آنے والا خیال کرتا ہے کہ شاید اسے ''دعوت نامے'' میں لکھی ہوئی عبارت کو سمجھ نہیں پایا چنانچہ وہ پھر ''دعوت نامہ'' کو دوبارہ پڑھتا ہے تو جب بھی دعوت نامے کی عبارت ظہری غم کی محفل کے انعقاد ہی کی اطلاع دے رہی ہے تو وہ کم از کم دو باتیں تو دعوت دینے والے کے بارے میں ضرور ذہن میں لائے گا کہ ایک تو اس دعوت دینے والے شخص کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ دعوت کے اندر الفاظ کا انتخاب کیسے کیا جاتا ہے اور یا یہ شخص عقل و شعور سے عاری ہو چکا ہے جس میں اتنی تمیز بھی باقی نہیں رہی کہ دعوت کے آداب کے مطابق محفل کے لوازمات کا اہتمام کرے وگرنہ یہ کیسے ممکن ہے محفل تو ''اظہار تاسف'' کی ہو اور اظہار ''خوشی و مسرت'' کا ہو رہا ہو کیا اس شخص کی عقل پر ماتم کرنے کو جی نہ چاہے گا؟

5 فروری کو قوم کی اکثریت اسی قسم کے رویوں کا اظہار کر رہی تھی۔ دنیا اور دنیا کے پریس میڈیا کو تو یہ بتایا جا رہا تھا کہ پاکستانی قوم من حیث المجموع ہندوؤں کے ظلم کے خلاف احتجاج کا اظہار کرنے کے لیے ''ہڑتال'' کر رہی ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں رہنے والے مظلومین کے غموں میں شرکت کا احساس لیے ہوئے ''ہڑتال'' پر ہے۔ ''ہڑتال'' کا لفظ احتجاج اور پروٹسٹ کے اظہار کا آخری حربہ شمار کیا جاتا ہے۔ ''ہڑتال'' کا لفظ اپنے مطالبات کو منوانے کے لیے کسی کے رویے پر اظہار نفرت کے لیے کسی کے جور و ظلم پر اظہار احتجاج کے لیے کسی قوم یا گروہ پر ہونے والی زیادتیوں کے حق میں شرکت کا احساس پیدا کرنے کے پس منظر میں کیا جاتا ہے۔

اظہار مسرت کے لیے ''ہڑتال'' کا لفظ نہیں بلکہ ''یوم تشکر'' ''یوم نجات'' ''یوم

Marfat.com

عید'' جیسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ جب بین الاقوامی ایجنسیوں اور نشریاتی میڈیا کے افراد اور میدان صحافت کے نمائندے قوم کی جانب سے ''ہڑتال'' کیے جانے مظاہروں اور ظلم کے خلاف قوم کے ردعمل کو دیکھنے کے لیے پاکستان آئے ہوں گے تو انہوں نے ہمارے قول و عمل کے تضاد کا خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر کے ہمارے بارے میں کیا رائے قائم کی ہوگی؟ اس کا اندازہ ہر شخص کر سکتا ہے جس میں رتی بھر بھی عقل و شعور کا مادہ موجود ہوگا اور اس کا اندازہ اس امر سے بخوبی کیا جا سکتا ہے کہ بین الاقوامی نشریاتی اداروں کو اس ہڑتال کی جو کوریج دینی چاہیے تھی وہ نہ دی جا سکی۔ وہ ہماری اس ہڑتال سے کیا متاثر ہوئے ہوں گے۔ جب خود گھر والے اپنے ''مقاصد'' سے مخلص نہیں ہیں تو غیروں کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ ہمارے مقاصد کی نشر و اشاعت کریں۔

• 5 فروری کو قوم کے عمل سے جس امر کا اظہار ہو رہا تھا بین الاقوامی نشریاتی اداروں کے نمائندے ضرور سوچتے ہوں گے کہ ہندوستان کی افواج کے ظلم و جبر اور بربریت کے خلاف احتجاج کا یہ کونسا طریقہ ہے! کیا انہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ ہڑتال کے تقاضے کیا ہوتے ہیں؟ ہڑتال والے دن بھی ''یوم رخصت'' ''یوم تعطیل'' والے اقدامات کیے جاتے ہیں تو پھر وہ ''ہڑتال'' قرار نہیں پاتی بلکہ اس طرح تو خود لفظ ''ہڑتال'' کی توہین ہو رہی ہے۔

بڑے بڑے شہروں میں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ قوم ہڑتال نہیں بلکہ کسی خوشی کے حاصل ہونے پر ''یوم مسرت'' منا رہی ہے۔ کھلے میدانوں اور پارکوں میں بچے اور جوان تفریح کے ان تمام مشاغل میں اسی طرح مصروف تھے جس طرح وہ ایام تعطیلات میں مصروف ہوتے ہیں۔ کہیں کرکٹ کھیلی جا رہی ہے اور کہیں گلی ڈنڈے کی ضربیں لگ رہی ہیں۔ کہیں کبڈی کبڈی ہو رہی اور کہیں ہاکیوں سے ''گول'' کو حاصل کرنے کی کشمکش ہو رہی ہے۔ منٹو پارک باغ جناح، نواز شریف پارک، یادگار پاکستان اور تمام میدان اسی طرح آباد ہیں جس طرح چھٹی کے دن آباد ہوتے ہیں۔ آسمان پر رنگ برنگی گڈیاں اور پتنگیں اسی طرح اڑ رہی ہیں جس طرح بسنت کے دن اڑتی ہیں۔ یقیناً وہ سوچتے ہوں گے کہ شاید پاکستانی اپنے دشمنوں کے خلاف اسی طرح احتجاج کرتے ہوئے یا ان کی ثقافت میں ''مخالفانہ مظاہروں'' کا انداز اور اس کا اسلوب اسی طرح کا ہوتا ہے۔

بی بی سی کا یہ تبصرہ ہمارے منہ پر طمانچہ نہیں تو اور کیا ہے کہ ''کراچی کے ساحل پر

Marfat.com

سینکڑوں لوگ اونٹ کی سواری، بندروں کے تماشے دیکھنے، نہانے، قیمہ بھرے پراٹھے کھانے
اور کاروں کے اندر بیٹھ کر بلند آواز میں گانے سننے میں مگن تھے۔"
لاہور میں بیڈن روڈ، گوال منڈی، بھاٹی گیٹ اور طبقہ اشرافیہ کے لگژری مقامات
اسی طرح آئس کریم اور اشیاء خورد ونوش سے اسی طرح کام و دھن کو لذتوں سے آشنا کر رہے
تھے جس طرح چھٹی کے موڈ میں کیا جاتا ہے۔لکشمی چوک، قلعہ گوجر سنگھ، چوک قرطبہ پر اسی
طرح چرغوں، کڑاہی، تکوں، سری پائے کی دکانوں پر وہی رش تھا جو عام دنوں کی تعطیل کے
دنوں میں ہوتا ہے۔شاید یہ چیزیں "ہڑتال" کی جدید تعریف میں شامل کر لی گئی ہوں گی؟
یقیناً ہر وقت اپنے اوپر "پیوست" اور خشکی کا نقاب اوڑھے اور ڈالے رکھنا اچھا نہیں
ہوتا۔قوم زندگی کے ہاتھوں آگے ہی اس قدر دکھی ہے اس میں اگر تھوڑا سا لذت و چاشنی کا
ساماں مہیا کر لیا جائے تو کیا حرج ہے؟ اور غم زدہ قوم کے بچے تھوڑا سا کھیل کود کر لیں تو کیا
فرق پڑتا ہے؟
یہ قوم کے ناصحین، واعظین، ہر وقت اخلاق اخلاق کی تعلیم دیتے پھرتے ہیں
انہیں قوم کے دکھوں کا کیا احساس؟ یہ سب عذر بجا سہی لیکن من حیث القوم اخلاقی تقاضوں کو
اس قدر فراموش کر بیٹھی ہے۔کہ اسے اب اتنا بھی نہیں پتا کہ کن کن مواقع پر کن کن چیزوں کا
اظہار کیا جاتا ہے۔اس اخلاقی زبوں حالی پر جس قدر بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔
گزشتہ سالوں میں روایت قائم تھی کہ 5 فروری کو ہونیوالی ہڑتال میں تمام سینما گھر
مقبوضہ کشمیر کے مظلومین کی حمایت میں شہید ہونیوالے شہداء کی یاد میں بند رہا کرتے تھے لیکن
امسال لاہور میں تقریباً آدھے سینما شہداء کے غمزدہ "حقیقی ورثاء" کے غموں کو دور کرنے کے
لیے حسب معمولی لگی ہوئی فلمیں دکھاتے رہے تا کہ وہ بھی پی ٹی وی کی پیروی میں کسی سے
پیچھے نہ رہیں یقیناً یہ جانبدارانہ رویہ کا اظہار ہوتا ہے کہ ایک طرف تو ملک کے تمام سینما ہال
ہڑتال کی بناء پر بند پڑے ہوتے اور دوسری طرف پی ٹی وی اس ہڑتال سے "ناجائز" فائدہ
اٹھاتے ہوئے فلم بین حضرات کو چھٹی والے دن بھی فلم دکھا رہا ہوتا۔اس لیے پی ٹی وی اس
"سازش" کو ناکام کرنے کے لیے سینما گھروں کے مالکان نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے سینما
گھروں میں فلم بینی کے شوقین "گاہکوں" کو کسی اور "دوکان" کی طرف جانے نہیں دیں گے
کیونکہ اگر ایک دفعہ "گاہک" کسی اور "اچھی دکان" کا منہ دیکھ لے تو اس کی واپسی کے

Marfat.com

امکانات کم ہو جاتے ہیں۔ پی ٹی وی نے پہلے ہی سینما گھروں کی رونقوں کو لوٹا ہوا ہے اور
انہیں ''نا قابل تلافی'' ''معاشی نقصان'' پہنچانے کی ''جسارت'' کا ارتکاب کر رکھا ہے۔ اس
لیے امسال سینما کے مالکان نے ''قومی معیشت'' کو سہارا دینے کے لیے اس دن ''ہڑتال'' سے
اعراض کرنے میں ہی ملک وقوم کی بہتری سمجھتے ہوئے ''ہڑتال'' کا ''بائیکاٹ'' کیا۔ ویسے بھی
پی ٹی وی کا یہ عمل ''حقوق انسانی'' کی کھلی خلاف ورزی تھی۔ کیونکہ اس نے اعلان کر رکھا تھا
کہ وہ ہڑتال والے دن اپنی چھوٹی سکرین پر کشمیر پر بننے والی مشہور فلم ''یہ امن'' دکھائے گا اور
اس کے علاوہ دو ڈرامے اور ''مقدمہ کشمیر'' اور ''وصال'' بھی دکھائے جائیں گے۔ جن سے اس
قسم کے خدشات کا امکان ہے کہ کہیں قوم میں ''جہاد'' کے جذبات پیدا نہ ہو جائیں اور قوم میں
جہاد کے جذبات پیدا کرنے کی کوشش کرنا بین الاقوامی حقوق انسانی کی تنظیموں کے چارٹر
کیخلاف ہے اور اگر قوم میں جہاد کے جذبات پیدا کرنے کی کوشش کرنا بین الاقوامی حقوق
انسانی کی تنظیموں کے چارٹر کیخلاف ہے اور اگر قوم میں جہاد کے جذبات پیدا ہو گئے تو مقامی
''حقوق انسانی'' کی تنظیموں اور این جی اوز کی بیرونی امداد کے بند ہونے کے امکانات پیدا ہو
سکتے ہیں۔ یہ ایک الگ بحث ہے کہ پی ٹی وی سے دکھائی جانیوالی ظلم اور ڈراموں یا دیگر
پروگراموں سے قوم میں کس قدر ''جہاد'' کے بارے میں مثبت یا منفی جذبات پیدا ہوئے اور
ان پروگراموں کو دیکھ کر قوم کے نوجوانوں کے اندر مقبوضہ کشمیر میں ظلم رسیدہ افراد کے لیے
ہمدردی اور ان سے مالی تعاون کے جذبات کس قدر پیدا ہوئے؟ یہ پروگرام بھی عام فلموں اور
ڈراموں کی طرح تفریح کے طور پر دیکھے گئے یا دکھائے گئے یا ان میں کتنی مقصدیت تھی؟ اور
اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے نشریاتی اداروں نے کیا تدابیر اختیار کیں؟ کہیں ایسا تو نہیں
تھا کہ قوم کا منہ بند کرنے کے لیے اور حکومتی اداروں نے کشمیر کے ''جہاد'' میں اپنا حصہ ڈالنے
کے لیے یہ کاغذی کارروائی کی ہو؟ کیونکہ روح جذبوں اور مقصد سے خالی کارروائیوں کا انجام
ایسا ہی ہوا کرتا ہے جیسا فلموں اور ڈراموں کے ذریعے اب تک ''اخلاق حسنہ'' کی خوگر ہو چکی
ہے اور معاشرہ میں ''قتل و غارت'' کا بازار ''سرد'' ہو چکا ہے۔ کیا اس ظلم اور ڈراموں کو دیکھ کر
قوم کے بچے اور نوجوان کی ''ہائے ہندوستان، ہائے ہندوستان'' اور کشمیر کی مظلوم ماؤں اور
بہنوں تمہاری مدد کے لیے تمہارے بھائی میدان جہاد میں کود پڑے'' کے نعرے مارتے ہوئے
''غضب ناک شیروں'' کی مانند اپنے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے؟ یا یہ کہہ کر

Marfat.com

دوبارہ اپنے بستروں میں دراز ہو گئے کہ ''فلم'' اور ''ڈرامہ'' بڑا اچھا تھا۔ فلاں ''ہیرو'' اور ''ولن'' نے اپنا کردار خوب نبھایا اور ''کہانی'' بھی بڑی ''دردناک'' تھی اور غالباً ایسا ہی کچھ تھا تو قوم کو ہڑتال سے کیا حاصل ہوا؟

پوری قوم مقبوضہ کشمیر کے مظلومین کے غم میں اس قدر ''زخم خوردہ'' ہو چکی تھی جس کی بناء پر ''ماہر امراضیات'' نے یہ ''نسخہ کیمیا'' تیار کیا تھا تاکہ ''معیشت زدہ'' قوم اپنی گرتی ہوئی صحت کو سنبھالا دے سکے۔ آخر آئندہ سال بھی تو قوم نے 5 فروری کو دوبارہ ''ہڑتال'' کر کے اپنی گرتی ہوئی معیشت کو ایک ''دھکا'' اور دینا ہے۔ بشرطیکہ اگر آئندہ سال تک ملک کے ''اثاثے'' بین الاقوامی منڈی میں ''فروخت'' ہونے سے باقی بچ گئے تو اور جس تیز رفتاری سے ہم ''قومی اثاثوں'' کی ''نج کاری'' کی کارروائی میں مصروف ہیں تو ان کے اثرات کو دیکھ کر ایسا نظر آتا ہے کہ آئندہ قوم کھلی فضاؤں میں بھی ''ہوائی ٹیکس'' دیئے بغیر نہ گڈی اڑا سکے گی اور نہ پتنگیں کیونکہ اس وقت تک موٹر وے کی طرح ''فضائی روڈ'' بھی بین الاقوامی ٹھیکیداروں کو ''لیز'' پر دی جا چکی ہونگی۔ (خدا کرے یہ خیالات فاسدہ حرف غلط کی طرح غلط ہوں) فضاؤں میں ''تیرنے'' اور تیرانے والے ''شہسواروں نے حکومت کو یہ جواز تو مہیا کر ہی دیا ہے کہ جو شہسوار مظلوموں کی ہمدردی میں کی جانیوالی ہڑتال کے روز بھی قومی ادارے یعنی واپڈا کو کروڑوں کا نقصان پہنچانے سے باز نہیں رہ سکتے تو ایسے ''غداروں'' کا علاج ہی یہی ہے کہ انہیں بین الاقوامی ''قذاقوں'' کے حوالے کر دیا جائے اور یہی موقع پھر دوبارہ اپنے جدید ثقافت کے ہاتھوں پیدا ہونے والے ''حلالی اور جائز بچے'' کی پیدائش ''یوم بسنت'' کے دن غربت کے ہاتھوں مارے اور دھتکارے ہوئے ''غرباء'' اور ''مفلس'' موقع مہیا کریں گے کہ اس ادارے ''واپڈا'' کو اگر مزید بچانا ہے تو ہوائی فضاؤں کو فوراً ''نج کاری کمیشن'' کے سپرد کر دیا جائے اور اس کے جواز میں یہ بودی دلیل بھی دی جا سکتی ہے کہ ''جدید ثقافت'' کے ''مائی باپ'' غمزدہ قوم کے واحد تفریحی پروگرام ''بسنت'' پر پابندی عائد کرنے کو ''حقوق انسانی'' کے عطا کئے ہوئے حقوق کی خلاف ورزی سمجھتے ہیں اور ''بے اختیار'' حکمرانوں کی بار بار کی اپیلوں کو درخور اعتناء بھی نہیں سمجھتے جس کی بناء پر دھات کی تاروں سے آراستہ اور لوہے کی باریک باریک تاروں سے بنے ہوئے زیورات سے مزین ''دلہنیں'' اپنے آشناؤں کی تلاش

Marfat.com

میں واپڈا کی بے ترتیب بکھری ہوئی تاروں سے جب ٹکراتی ہیں تو اس ''ملاپ'' پر انگاروں اور خوبصورت ''سریلی آوازوں'' کی شکل میں زمین پر ایستادہ کھمبوں اور گرڈ سٹیشن پر لگے ہوئے ٹرانسفارمر خوشی کے شادیانے بجاتے ہیں اور اصل میں بجلی کے نظام ترسیل میں بار بار تعطل کا پیدا ہونا اور ٹرپنگ کے ذریعے کئی کئی گھنٹوں تک بجلی کا غائب ہو جانا یہ سب کچھ انہی ''دلہنوں اور آشناؤں'' کے اتفاقی ملاپ کی خوشی کے اظہار کا ایک اچھوتا اور جدید طریق کار ہے۔ اگر اس ملاپ پر قومی نقصان ہوتا ہے تو ہوتا رہے اور ویسے بھی اخلاقیات کے علمبردار ہر وقت قوم، ملک اور وطن کو نقصانات سے بچانے کی فکروں میں خوامخواہ مستغرق رہ کر پریشان حال پاکستانیوں کے ''گلے کی ہڈی'' بنے رہتے ہیں۔

جہاد ایک مقدس فرض ہے جس کی بجا آوری کے سلسلے میں قرآن عظیم و احادیث مبارکہ میں مسلمانوں کو پوری وضاحت کے ساتھ احکامات دیے گئے ہیں اور کافروں سے کسی قسم کی بھی دوران جنگ رورعایت کرنے کی اجازت نہیں دی گئی اور ہمہ وقت جہاد کی تیاری کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ اس سلسلے میں ارشاد خداوندی ہے۔

''اے مسلمانو! اور ان کے لیے تیار رکھو جو قوت بھی تم سے بن پڑے اور جتنے گھوڑے باندھ سکو (ہر قسم کا ہتھیار) تیار رکھو تا کہ ان سے ان کے دلوں میں دھاک بیٹھے جو اللہ کے دشمن اور تمھارے دشمن ہیں، ان کے سوا اور لوگ ان میں جن کو تم نہیں جانتے لیکن اللہ جانتا ہے اور اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرو گے، اس کا بدلہ تمھیں پورا پورا دیا جائے گا اور اس میں تمھیں کسی قسم کا گھاٹا نہ رہے گا۔'' (انفال:60)

مسلمان کی نگاہ جہاد کے ظاہری نقصانات سے زیادہ اس سے حاصل ہونے والے فوائد پر رہنی چاہیے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

''اے مسلمانو! تم پر (خدا کے راستے میں) لڑنا فرض کیا گیا ہے۔ وہ تمھیں ناگوار ہے مگر عجب نہیں کہ تمھیں ایک چیز بری لگے اور تمھارے حق میں بہتر ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تمھیں پسند آئے اور وہ تمھارے لیے بری ہو اور (ان باتوں کو) اللہ بہتر جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ (البقرہ:216)

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے جس کی تعلیمات صرف ایک مقام پر رہنے والے افراد تک محدود نہیں ہیں جبکہ مسلمان کو تو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ دنیا میں بسنے والے مسلمانوں

Marfat.com

کے تمام معاملات کو پوری توجہ سے دیکھتے رہیں کہ ان مقامات پر مسلمانوں کی زندگی کس طرح گزر رہی ہے۔ کہیں ان کے ساتھ ظلم وستم تو روا نہیں رکھا جا رہا؟ کہیں ان کے لیے عبادات کی ادائیگی میں رکاوٹیں تو پیدا نہیں کی جا رہیں؟ کہیں انھیں سائنسی اور معاشی اعتبار سے پست رکھنے کی کوششیں تو نہیں ہو رہیں؟ کہیں انھیں دنیاوی ترقی کے حصول میں مختلف قسم کی پابندیوں سے دوچار تو نہیں ہونا پڑ رہا ہے؟ اور کہیں ان سے امتیازی سلوک تو نہیں کیا جا رہا ہے؟

ان امور کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے۔

''اے مومنو! تمھیں کیا ہوا کہ اللہ کی راہ میں ان بے بس کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو یہ دعائیں کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور ہمیں اپنی طرف سے کوئی حمایتی دے اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار بنا۔ (النساء:75)

ان احکامات کی روشنی میں کشمیر میں رہنے والے مظلومین کی آہیں ہمیں اپنی مدد کرنے کی طرف متوجہ اور مائل کر رہی ہیں اور دعوت فکر دے رہی ہیں کہ ان کی ہر قسم کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرائض میں سے ایک فرض پر عمل کرنا ہی ہے۔ البتہ اس مدد کرنے کا انداز اور طریق کار کیا ہونا چاہیے۔ اس میں اختلاف رائے ہوسکتا ہے۔ مقصد سے اختلاف نہیں بلکہ مقصد کے حاصل کرنے کے انداز میں اختلاف ممکن ہے۔ اس پس منظر میں اس امر کا جائزہ بھی لیا جا سکتا کہ مقبوضہ کشمیر میں جو تنظیمیں اور جماعتیں جہاد کے جذبہ سے سرشار ہو کر مصروف عمل ہیں۔ ان کی کارکردگی بہتر سے بہتر کس طرح بنائی جائے تاکہ حقیقی مقصد آزادی کشمیر کو جلد از جلد حاصل کیا جا سکے؟ ان جماعتوں اور تنظیموں کی جتنی کارروائیوں کی رپورٹیں اب تک شائع ہوتی رہی ہیں، وہ ان کی اپنی تیار کردہ ہوتی ہیں اور ان میں کس حد تک صداقت اور حقائق ہوتے ہیں۔ ان کو پرکھنے اور جانچنے کا ابھی تک کوئی پیمانہ مقرر نہیں کیا جا سکا۔ لے دے کر ان تنظیموں کے مجاہدین کے حملوں کی چند جھلکیاں، شہداء اور زخمیوں کی تصاویر اور جس کا پس منظر مالی امداد کا حصول اور چندہ کی اپیل ہی ہوتا ہے۔ مجاہدین کو کن کن چیزوں اور آپریشنز کی تربیت دی جاتی ہے۔ بھیجنے کا طریق کار کیا ہے۔ صرف انھیں وہاں پہنچا دینا ہی کافی سمجھا جاتا ہے یا ان کی کارروائیوں کی نگرانی، مانیٹرنگ کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔ ہندوستان کی منظم کارروائیوں کا جواب کیا اس تنظیم سے دیا جاتا ہے؟ ان کی منصوبہ سازی کرنے والے

Marfat.com

جدید ٹیکنالوجی سے مزین دفاعی اداروں سے تربیت یافتہ ہیں یا خود ہی اپنی صوابدید اور اہلیت کی بناء پر کارروائیاں کی جاتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اگرچہ یہ کہہ کر اس کا جواب دیا جا سکتا ہے کہ اپنی خفیہ کارروائیوں اور منصوبوں کو طشت ازبام کرنا دفاعی نکتہ نگاہ سے مناسب نہیں ہوتا لیکن اس کی کیا گارنٹی ہے کہ خود ان مسلکی تنظیموں میں غیر ملکی ایجنسیوں کے افراد ان کے مسلک کا لبادہ اوڑھ کر داخل نہ ہو گئے ہوں جن کی بناء پر ابھی تک جو کامیابیاں حاصل ہونی چاہئیں تھیں وہ حاصل نہ ہو سکی ہوں۔ فوجی کامیابیاں حاصل کرنے میں یہ ایک مسلمہ اصول تسلیم کیا جاتا ہے۔ ایک قائد کی قیادت میں لڑی جانے والی جنگ فتح و کامرانی سے جلدی ہمکنار ہوتی ہے۔ بہ نسبت اس جنگ کے جس میں کئی قائد مختلف انداز سے قیادت کر رہے ہوں۔ بے شک گوریلا جنگ ہی کہلاتی ہوئی وہ بھی ایک قائد کے تحت منظم ہوتی ہے۔ موجودہ جہادی تنظیمیں مسلکی اعتبار سے تقسیم در تقسیم ہو کر اسی غلطی کا ارتکاب کر رہی ہیں جس غلطی کا ارتکاب اس سے پہلے فلسطین اور افغانستان کی حصول آزادی کی جنگجوانہ کارروائیوں میں ہو چکا ہے۔

مقبوضہ کشمیر کی کارروائیوں میں مشغول تنظیموں کے اندر کتنا ایک دوسرے سے رابطوں کا فقدان ہے، اس کا مظاہرہ ان کی مختلف کارروائیوں سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ جب مقصد مقبوضہ کشمیر کی آزادی ہی ٹھہرا تو پھر ان مسلکی جماعتوں اور تنظیموں کا عدم رابطہ کس امر کی غمازی کر رہا ہے۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ کشمیر کی جنگ آزادی میں فرقہ واریت کے علمبردار گروہ بیرونی امداد کے ذریعے فرقہ واریت کو پھیلانے کا سبب بن رہے ہیں۔ جب مقصد اسلام کا بول بالا کرنا ہے تو پھر ان تنظیموں اور جماعتوں میں اپنے اپنے مسلک کے افراد ہی کو تربیت کیوں دی جاتی ہے؟ جب سب کے سب مسلمان ہیں تو ان میں تمام مسلمانوں کو برابر حصہ لینے میں حوصلہ شکنی کیوں کی جاتی ہے؟ جماعتی اور تنظیمی تربیتی پروگراموں میں مختلف چند مسائل اور عقائد کو زیر بحث کیوں لایا جاتا ہے؟ بعض اوقات یہ دل خراش احساس پیدا ہوتا ہے کہ جہادی کارروائیاں اسلام کے نام پر نہیں بلکہ مسلک کے نام پر ہو رہی ہیں۔ عوام کا یہ احساس بھی عدم تعاون کا سبب بن رہا ہے کہ ان جہادی تنظیموں کے عہدیداران کا طرز زندگی اور قیمتی گاڑیوں اور پجارو پر آمد و رفت مختلف شکوک و شبہات پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے کہ اس قسم کی گاڑیوں سے تو مقبوضہ کشمیر میں جہاد نہیں کیا جا سکتا؟ ان ہی چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہوئے پاکستان کی ایک عظیم متحرک اور جہادی جذبہ سے معمور شخصیت نے بڑے افسوس سے

Marfat.com

اس بات کا برملا اظہار کیا کہ ''پاکستان میں جہاد بزنس بن چکا ہے'' ان کا یہ تبصرہ بہت سی نادیدہ کہانیوں کی نقاب کشائی کر رہا ہے۔

ایک نکتہ نگاہ بڑی سرعت سے عوام کے ذہنوں میں سرایت کر رہا ہے کہ پاکستان جو اس وقت فرقہ واریت کی لپیٹ میں آیا ہوا ہے، اس میں ان جہادی تنظیموں کا کوئی کردار تو نہیں؟ ایک رائے یہ ہے کہ ان تنظیموں کو درست اور صحیح نتیجہ خیز کارروائیوں کی رہنمائی کے لیے پاکستان کے حساس اداروں کے ریٹائرڈ افراد کے تجربات سے استفادہ حاصل کیوں نہ کیا جائے کیونکہ ریٹائرڈ افراد کا کسی تنظیم سے متعلق ہونا نہ قابل اعتراض ہے اور نہ خلاف قانون ہے اور جب اس قسم کے تجربہ کار افراد ان تنظیموں سے وابستہ ہو جائیں گے تو جہاں ایک طرف فرقہ واریت کا خاتمہ ہوگا وہاں جہادی کارروائیوں میں بھی بہتری پیدا ہوگی اور ان میں یکسانیت، ربط ونظم اور آپس میں اتفاق واتحاد کے امکانات بھی زیادہ ہو جائیں گے۔ جب مقصد اسلام کا غلبہ اور مقبوضہ کشمیر کی آزادی ٹھہرا تو ریٹائرڈ فوجی حضرات کی قیادت اور رہنمائی میں مشترکہ پروگرام اور منصوبے بہتر نتائج پیدا کریں گے جو امت مسلمہ کے لیے رحمت کا باعث بھی ہوں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ!

(روزنامہ جنگ، لاہور 17 فروری 1998ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

قربانی مانگنے والے

معاشرے میں عجیب قسم کی روایت قائم ہوتی چلی جارہی ہے ہر ایک بغیر امتیاز، تفریق اور تحریر کے دوسروں سے قربانی دینے کی درخواست کرتا نظر آ رہا ہے۔ بڑے خلوص سے درد دل سے، شعور کی اتھاہ گہرائیوں سے، ملک کے نام پر وطن کے نام پر، قوم کے نام پر، بگڑی ہوئی معیشت کے نام پر، دشمن طاقتوں کے حوالے سے، عالمی تناظر میں قربانی دینے کی اپیلوں پر اپیلیں ہو رہی ہیں۔ بھکاریوں کی مانند ہاتھ پھیلا پھیلا کر، سائلانہ، ملتجیانہ اور عاجزانہ انداز سے قربانی دینے کے لیے آمادہ کیا جا رہا ہے۔ وقفہ وقفہ سے مستقبل میں آنے والے خطرات سے بچانے کے لیے لمبے لمبے اخباری بیانات جاری ہو رہے ہیں۔ کبھی حکمران خود، کبھی ان کے نمائندے، کبھی سیاستدان خود، کبھی ان کے مستقبل کے جانشین، کبھی ماضی میں حکمرانی کی دولت سے، اقتدار سے اور اس کی عزت وعصمت سے کھیلنے والے اور کبھی مستقبل میں حکمرانی کے حسین سپنوں اور خوابوں کو دیکھنے والے، دکھوں اور غموں میں ڈوبی ہوئی قوم کو، زخم خوردہ اور رسیدہ عوام کو مزید قربانی دینے کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں تو پھر دھمکیوں پر دھمکیاں دی جارہی ہے کہ اگر فلاں طبقہ، فلاں گروہ، فلاں افراد قربانی کا بکرا نہ بنے تو ہم نتائج کے ذمہ دار نہیں۔ حکمران صداؤں پر صدائیں لگائے چلے جارہے ہیں کہ قوم قربانی دینے کے لیے تیار ہو جائے ورنہ......

بڑے بڑے حکمرانوں کی دیکھا دیکھی چھوٹے چھوٹے اختیارات کے حاکم بھی نعرے پر نعرہ زن ہیں کہ قوم قربانی کے لیے تیار ہو جائے ورنہ......

وزراء بھی نعرے لگا رہے ہیں کہ قوم ......ورنہ......

سفراء اپنے مصدقہ ذرائع کے حوالوں سے نعرہ زن ہیں کہ قوم......ورنہ......

وزراء، سفرا کی دیکھا دیکھی صوبوں کے آئینی حکمران بھی اس انداز میں کہہ رہے ہیں کہ قوم......ورنہ......

Marfat.com

نوکرشاہی بھی اپنے شاہانہ انداز حکمرانی میں مست ہو کر آوازیں کس رہی ہے کہ قوم ......وگرنہ

اہم اہم عہدوں پر فائز افسروں سے لے کر نائب قاصدوں تک ہر ایک میں قربانی لینے کا بھوت سوار ہے۔

ایک ایسی قوم جس میں ہر پہلی آنکھ کھولنے والا بچہ بھی قرض کے بوجھ تلے جب آنکھ کھولتا ہو گا تو اس کے کانوں میں بھی ''اذان'' سے پہلے یہی آواز پہنچتی ہو گی کہ اے فانی دنیا میں آنے والے ''نوزائیدہ'' تو بھی قربانی دینے کے لیے تیار ہو جا! کیا تو نہیں جانتا کہ تو نے دنیا کے اس حصہ میں آنکھ کھولی ہے کہ جس کے خزاں کے ''امین'' اپنے جھوٹے وقار کو جھوٹی حشمت کو اور جھوٹے اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے قوم کے قیمتی اور نایاب خزانوں کو اللوں تللوں میں خرچ کرتے ہوئے کسی قسم کا عار محسوس نہیں کرتے۔

سادگی اور کفایت کی تعلیم دینے والے صدور، وزراء اعظم سے لے کر عام وزراء تک چیف سیکرٹریوں سے لے کر ڈائریکٹروں تک کئی کئی مربعوں اور ایکڑوں میں پھیلے ہوئے صدارتی، وزارتی عالی شان محلات اور گورنر ہاؤسوں اور کوٹھیوں کو ملک، وطن اور قوم کی کسمپرسی کے حالات کو دیکھ کر بھی خود قربانی دینے کے لیے تیار نہیں لیکن قربانی لینے کے لیے ہمہ تن تیار ہیں۔ ان عارضی محلات میں رہنے کے لیے ہزاروں بہانے اور حیلے تراشے جاتے ہیں لیکن اصل حقائق کا مقابلہ کرنے کی ہمت سے آنکھیں چرائی جاتی ہیں۔ اگر حکومتی عہدوں پر متمکن افراد ایک دفعہ صرف ایک سال ہی کے لیے سہی قوم اور وطن کی خاطر قربانی دے دیں اور ان اونچے اونچے محلات سے نکل کر قوم کے ساتھ آن بسیرا کریں تو یہی مفلس، غریب اور ناکارہ قوم کے افراد حکومت کے خالی خزانوں کو دوبارہ بھرنے کی صلاحیت سے عاری نہیں ہیں لیکن قوم کے قائدین ایک دفعہ قربانی دے کر دیکھیں تو سہی۔ ایک طرف قوم کے ہر ہر فرد کا ایک ایک بال قرضوں میں جکڑا ہوا ہے اور دوسری طرف صرف ایک دن میں 65,65 لاکھ روپے صرف ایک گھر کی تزئین پر خرچ کئے جا رہے ہوں تو کس منہ سے قوم سے قربانی طلب کی جا رہی ہے۔

جب یہی صدور، وزراء، سفراء، اپنے اپنے دور صدارت اور عہد وزارت میں ہی اپنے اپنے شہروں میں پہلے سے رہنے والے گھروں اور چند کنال میں بنی ہوئی کوٹھیوں

Marfat.com

اور عمارتوں میں چند دنوں اور چند گھنٹوں کے لیے واپس آ کر ٹھہر سکتے ہیں تو اپنے عہد صدارت اور وزارت کے چند غیر یقینی سالوں اور مہینوں کے لیے اپنی اپنی جائے تعیناتی کے شہروں اور عروس البلاد کی اتنی ہی بڑی اور وسیع کوٹھیوں اور عمارتوں میں کیوں رہ سکتے؟

عروس البلاد میں پہنچ کر وہ کون سے سرخاب کے پر لگ جاتے ہیں جن کی بناء پر اپنے آبائی گھر چڑیوں کے گھونسلے نظر آنے لگتے ہیں۔ ملک و وطن کی غربت کا رونا رونے والے اپنی آمدورفت کے لیے پہلے سے استعمال ہونے والے ہوائی جہازوں پر صرف چند گھنٹوں کی مسافتیں طے کرنے کے لیے مزید لاکھوں روپے خرچ کر دیتے ہوں تو وہ اپنے چونچلوں کو پورا کرنے کے لیے قربانی نہیں مانگیں گے تو اور کیا کریں گے۔

آقائے دو جہاں حضور مرتبت، رحمت دو عالم، نور مجسم محمد مصطفیٰ ﷺ کی حیات مبارکہ ہمیں یہی سبق سکھا رہی ہے کہ جہاد کے موقع پر اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بطون مبارک پر اگر ایک ایک پتھر بندھا ہوا تھا تو آقائے دو جہاں کے بطن مبارک پر اس سے کہیں زیادہ پتھر بندھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ یہی تعلیم دے رہی ہے کہ قربانی طلب کرنے سے پہلے قربانی پیش کی جاتی ہے۔ ماضی کی عظیم المرتبت ہستیوں کے عظیم کارناموں کو بھول جانے والے یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ قوم کے قائدین اگر آج بھی قربانی طلب کرنے سے پہلے قربانی دینے کی سنت پر عمل پیرا ہوں تو قوم آج بھی اپنے قائدین کو دل و جان سے زیادہ چاہتی ہیں۔ امام خمینی کا کردار کسی دور از رفتہ زمانہ سے متعلق نہیں ہے یہ کل ہی کی بات ہے وہ ایران میں آنے کے بعد شہنشاہ ایران کے عظیم محلات میں آ کر ٹھہر سکتے تھے۔ قوم پھر بھی انہیں اپنے سر آنکھوں پر اسی احترام سے بٹھاتی جسموں پر حکمرانی کرنے والے عظیم محلات میں نہیں انسانوں کے عظیم و عریض دلوں پر قربانی کے نقوش ثبت کر کے حکمرانی کیا کرتے ہیں۔ شہنشاہ ایران کو یاد کرنے والا آج شاید ہی کوئی ملے گا لیکن ....

قربانی لینے اور دینے والے الگ الگ صفات اور طبائع کے مالک ہوتے ہیں اور ان میں بیک وقت کئی عوامل اپنا اپنا کردار ادا کر رہے ہوتے ہیں اگر قربانی دینے کے بعد پھر دوسروں سے قربانی طلب کی جائے تو یہ خوبی "صفات حمیدہ" میں شمار ہوتی ہے اور اس سے بڑھ کر اور اس سے بھی اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ صرف اور صرف رضائے الٰہی اور حضور اکرم سرور کائنات علیہ التحیۃ والثناء کی سنت مبارکہ پر عمل کرنے کی نسبت سے قربانی دی جائے تو یہ

Marfat.com

سراپا نیکی ہی نیکی ہے اور اگر خود میں قربانی دینے کا جذبہ، ولولہ، لگن، تمنا اور خواہش بھی ہے لیکن ایسے اسباب نہیں ہیں جن کی بناء پر قربانی دی جا سکتی ہو تو یہ چیز بھی نیکی اور خوبی میں شمار ہوتی ہے۔ بشرطیکہ نیت پختہ اور ظاہری اسباب کا مہیا کیا جانا اس کے اختیار سے باہر ہو تو بارگاہ الٰہی میں امید ہے کہ وہ اس کے ارادے کو بھی نیکی میں شمار فرمائے گا کیونکہ وہ بہتر جانتا ہے کہ اس شخص کے پاس اگر اسباب موجود ہوتے تو یہ قربانی طلب کرنے سے پہلے قربانی دے کر نیکی کے حصول میں کامیاب و کامران ہو جاتا۔ لیکن اگر کسی شخص کے پاس قربانی دینے کے اسباب بھی ہیں وہ قربانی دینے پر قادر بھی ہے اور اسے اس قدر اختیار بھی حاصل ہے کہ وہ اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے قربانی پیش کر سکتا ہے یا وہ اپنے خصوصی اختیار بروئے کار لاتے ہوئے قربانی پیش کرنے کے اسباب مہیا کر سکتا ہے اور کرا سکتا ہے یا جرات رندانہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے حاصل شدہ سہولتوں اور آسائشوں کو قربانی کے جذبہ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے رد کر دیتا ہے اور ملک، وطن و مذہب کے حوالہ سے ان سے استفادہ نہیں کرتا تو اس کا یہ عمل قابل تعریف و تحسین ہے اور اگر وہ تصور کرتا ہے تو کچھ نادیدہ طاقتیں اس کے ''جذبہ قربانی'' میں قانون، آئین اور روایات کے حوالے سے رکاوٹیں پیدا کرنے کے درپے ہیں تو وہ ان ''قوتوں'' کو اعتماد میں لے کر قانون اور آئین میں ایسی تبدیلیاں کروائے جن میں قربانی کے مظاہرات کے اظہار میں عملی رکاوٹیں دور ہو جائیں اور ہر کہ او رمہ کو قربانی کے مظاہرات نظر بھی آئیں آخر یہ قانون سازی کے ادارے کس مرض کی دوا ہیں؟ کیا یہ صرف حکمرانوں کے اقتدار کو طوالت بخشنے والے ''قوانین'' کو ''جنم'' دینے کے لیے ہی قوم کی قربانیوں پر بوجھ بنے ہوئے ہیں اور اگر قانون ساز ادارے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کا ارتکاب کر رہے ہوں تو ''صدارتی محل'' کی آرڈیننس فیکٹری'' سے کبھی کبھی ملک و وطن کو دونوں ہاتھوں سے لوٹنے والوں اور بے جا قربانی لینے والے ''عادی مجرموں'' کے خلاف بھی ''کلاشنکوف نما کھلونے'' بن کر عوام کی منڈی میں صرف ''زیارت'' کے لیے ہی نہیں بلکہ متحرک ''قانون سے لڑتے'' ہوئے نظر بھی آنے چاہئیں لیکن نظر ایسا آ رہا ہے کہ اب اس ''فیکٹری'' سے ایسے ''کھلونے'' بنائے جانے کی صرف خواہش ہی کی جا سکے کیونکہ ''شاہین'' کو پروں سے محروم کرنے کی تیاریوں کی ''آئین کے پیکیج'' کی صورت میں اور ''ہنڈیا نما دیگ'' میں ''پکوان'' کے مراحل طے کرانے کی خبریں آ رہی ہیں۔

Marfat.com

اور اگر قربانی دینے میں صاحب اختیار اور قادر بھی ہے اور کسی قسم کی رکاوٹیں و پابندیاں بھی نہیں لیکن پھر بھی صرف دوسروں سے قربانی طلب کر رہا ہے تو ایسا فرد نہ قابل تقلید ہے اور نہ قابل تعریف بلکہ اس طرح کے عمل و کردار کا مظاہرہ کرنا قابل مذمت، قابل نفرت اور قابل تذلیل ہے۔ اس قسم کی قربانی طلب کرنے والوں ہی کی بناء پر آج ملک کی معیشت کی کشتی ڈانواں ڈول ہوئی ہے ماضی پر ماتم کرنے اور ماضی کے حکمرانوں کے کرتوتوں کا بار بار حوالہ دیئے بغیر بھی اگر آج بھی حکمران اور ان کے حاشیہ نشین، ملکی اقتدار پر ظاہری اور حقیقی اعتبار سے متمکن افراد، اصلی اور نقلی لباسوں میں ملبوس حکمرانی کی دولت سے مالا مال اصحاب اقتدار، کرسی ءِ اقتدار پر حقیقی فیصلوں کی چھاپ لگانے یا انگوٹھا ثبت مقتدر اصحاب، یہ پختہ عزم اور ارادہ بالجزم کرلیں کہ وہ پاکستان کو بین الاقوامی تاجروں، لٹیروں، چوروں ڈاکوؤں، اور قذاقوں کے حوالے کرنے سے پہلے اپنی اپنی جھوٹی و سچی انا، اپنے اپنے مفادات، اپنے اپنے مختتانہ اور اپنی اپنی کمیشن کی قربانی دیں گے تو یہی پس ماندہ اشخاص اور راندہ درگاہ عوام اور معیشت کی چکی میں پسے ہوئے شکستہ افراد قربانی مانگنے والوں کو مایوس نہیں کریں گے۔

اگر اب بھی یہ حکمران اور نوکر شاہی کے افسران اپنے سفروں میں...... اپنے دوروں میں...... اپنے دفتروں میں...... اپنی قومی اور بین الاقوامی کانفرنسوں میں...... اپنے محلات اور قصر نمایاں چھوٹے چھوٹے "گھروندوں" میں...... اپنے منصوبوں میں...... اپنے پروگراموں میں اور اپنی آسائشوں میں قربانی دینے کے جذبے سے "کملی والے" کی سنت پر عمل پیرا ہو جائیں تو پاکستانی محکوم عوام کی آنکھوں کا تارا اور دلوں کا سکون قرار دیئے جاسکتے ہیں۔

ترقی کی تعریف ہی کو بدل کر رکھ دیا گیا ترقی معکوس کو بھی نام نہاد عروج کا نام دے دیا گیا تنزل و تدریج کے پیمانے بھی بدل دیئے گئے۔ قرض کی مے کے نشے کی مستی میں بے حال ہو کر سر کے بل رقص کرتے ہوئے بے ہنگام اور بھوں بھوں آوازوں سے "رفعت رفعت" ترقی ترقی کی قوالیوں سے قربانی مانگنے والے عجیب سماں باندھے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔

یہ ترقی معکوس کا دوش دوسروں کو کیسے دے سکتے ہیں؟ جبکہ ہم میں سے ہر ایک اس کوشش میں لگا ہوا نظر آتا ہے کہ وطن میں ایسے حالات ہی پیدا نہیں ہونے دیئے جو حقیقی ترقی کی جانب پہلا قدم ثابت ہو سکتے ہوں جیسے ہی وطن عزیز میں کچھ پرسکون حالات پیدا ہونے کے امکانات نظر آنے لگتے ہیں ویسے ہی حلیفوں کو اپنے مطالبات اور مفادات کی یاد ستانے لگتی

Marfat.com

ہے اور وہ اپنے اپنے مطالبات اور مفادات کا ''پنڈورا بکس'' کھول کر بیٹھ جاتے ہیں اور وہ مطالبات کی بانسری بجا بجا کر ''امن کی دشمن دیوی'' کو بلانے لگتے ہیں اور اگر ''حلیف'' کسی قسم کی سستی کا مظاہرہ کریں تو حریفوں کو اپنے دھرنوں ریلیوں اور کاروانوں میں چلتے ہوئے جانوروں کی گردنوں میں پڑی ہوئی گھنٹیوں کی آوازیں میدان عمل میں کود پڑنے پر مجبور کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ حکمران اپنی آسائشوں کی قربانی دیتے ہوئے نظر نہیں آتے۔

مخالفین اپنی منزل کے حصول میں وقت کی قربانی دیتے ہوئے نظر نہیں آتے۔

اقتدار کے پجاری اقتدار کے خوابوں کی تعبیر میں تاخیر کی قربانی دیتے ہوئے نظر نہیں آتے۔

انتظامیہ اختیارات کی حکمرانی کی قربانی دیتے ہوئی نظر آئی۔

عدلیہ، توہین عدالت کی قربانی دیتی ہوئی نظر نہیں آئی۔

مقننہ، استحقاقات اور قانون سازی کے لامحدود اختیارات کی قربانی دیتی ہوئی نظر نہیں آتی۔

اسلام پسند جماعتیں اور افراد اپنے اختلافات کی قربانی دیتے ہوئے نظر نہیں آتے۔ تجار اور صنعتکار دولت کی ''ذخیرہ اندوزی'' کی قربانی دیتے ہوئے نظر نہیں آتے۔

جاگیردار، اپنے مزارعوں اور محکوموں پر ظلم و جبر، محنت کے صلہ کی حقیقی ادائیگی اور ویران بنجر زمینوں کو حقداروں کو سونپے جانے کی قربانی دیتے ہوئے نظر نہیں آتے اور غریب عوام اپنی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کے حصول پر لاکھوں اور کروڑوں روپے خرچ کیے جانے کی بے جا عادت کی قربانی دیتے ہوئے نظر نہیں آتے۔ لیکن ہر ایک قربانی مانگنے پر تلا بیٹھا ہے۔

قربانی لینے اور دینے کا آغاز کسی کی طرف سے ہو یا ہر دور کے مظاہرات کا تسلسل کسی کی جانب سے زیادہ نظر آئے یا ہر دو پر عملی اعتبار سے ذمہ داریوں کی ادائیگی میں مساوات ہے یا نہیں اس بارے میں عصر حاضر کے حکمرانوں اور محکوم عوام میں ایک عرصہ سے اختلاف رائے کی صورت میں کشمکش جاری ہے حکمران طبقہ اپنے آپ کو ملک، وطن اور قوم کی خاطر قربانی دینے کا ذمہ دار سمجھتا ہے اور نہ قربانی دینے پر آمادہ نظر آتا ہے کیا اس کی یہی قربانی کافی نہیں کہ وہ ملک کے دگرگوں حالات میں بھی حکمرانی کے عہد جلیلہ سے چمٹا ہوا ہے؟ اور وہ اپنی ان صلاحیتوں کو بڑی جانفشانی اور ان تھک محنت سے ملک کو استحکام اور تحفظ عطا کرنے میں بروئے

Marfat.com

کار لا رہا ہے اور اگر وہ اپنی ان ہی خدا داد صلاحیتوں کو اپنے ذاتی کاروبار میں صرف کرتا تو نہایت اطمینان اور سکون سے اپنی زندگی کے ایام بھی گزار رہا ہوتا اور کاروبار کو دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کی منازل بھی طے کر رہا ہوتا۔ یہ ایک الگ بحث ہے کہ اس مقام اور منزل پر پہنچ کر حکمرانوں کو ذاتی اور غیر ذاتی امور میں تفریق کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ عہدے پر فائز ہو جانے کے بعد سرکاری اور غیر سرکاری مصروفیات اس قدر زیادہ ہو جاتی ہیں کہ یہ دیکھنے کی فرصت ہی نہیں ملتی کہ کس ''چیک''، ''کو'' کس کے'' کھاتے میں جمع کرانا چاہئے تھا اس لئے اس افراتفری میں ''سرکاری چیک'' سوئٹزرلینڈ'' کے بینکوں میں اور غیر سرکاری چیک فارن کرنسی میں جمع ہو جاتے ہیں اور جب ''انقلاب'' کے ذریعے اقتدار کے چھن جانے یا ''انتخاب'' کے نام پر چھین لئے جانے کے بعد فرصت کے لمحات میسر آتے ہیں اور کاروبار زندگی کو دوبارہ رواں دواں کرنے کا موقع ملتا ہے تو اس وقت ان ''معصوم خطاؤں'' کی غلطی کا احساس ہوتا ہے لیکن اس وقت بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے اور ''محکوم عوام'' بے دھیانی میں واقع ہونے والی'' چھوٹی چھوٹی ''معصومانہ حرکتوں کو بھی معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے اور اس میں سارا قصور اقتدار پر قبضہ کرنے والے نئے حکمرانوں کا ہوتا ہے جو احتساب کے مقدس لفظ کو بدنام کرنے کے لیے بار بار ماضی کے حکمرانوں کے ملکی اور غیر ملکی'' کھاتوں'' کی سچی جھوٹی اور چھوٹی موٹی ''کہانیاں'' سنا سنا کر اقتدار کے منصب جلیلہ کو داغ دار کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں حالانکہ ''اقتدار'' ہی تو وہ ''مشترکہ دوست'' کی حیثیت رکھتا ہے جو دونوں باری ''اقتداری جھولے'' دلواتا ہے۔

محکوموں کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ وہ حاکموں سے قربانی طلب کرنے کے خواب دیکھیں عوام کو اپنی ہی اوقات میں رہنا چاہئے یہ صرف اور صرف حکمران طبقہ کا حق ہے کہ وہ قربانی لینے میں ہمہ وقت اپنے آپ کو تیار رکھیں کہ معلوم نہیں کہ کس وقت حکمرانوں کے'' آقا'' جو کبھی آئی ایم ایف اور کبھی مختلف امدادی اداروں کا روپ دھارے ہوئے ہوتے ہیں اپنے'' غلاموں'' کو اپنے اگلے غلاموں سے قربانی لینے کا مطالبہ کر دیں۔ آخر کب تک یہ غلام اپنے آقاؤں کے احکامات کو ٹالنے کی کوششوں میں مصروف رہ سکتے ہیں ایک نہ ایک دن تو انہیں اپنے آقاؤں کا حکم تسلیم ہی کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے ان غلاموں نے ایک عرصہ سے یہ

Marfat.com

انداز اختیار کر رکھا ہے کہ شروع شروع میں نہ مانوں کی رٹ لگائے رکھتے ہیں اور جوں جوں اقتدار سے مشروط مطالبات میں شدت سے اضافہ ہونے لگتا ہے یوں یوں اقتدار کے تحفظ کے لالے پڑنے لگتے ہیں اور پھر اپنی نہیں بلکہ ملک وقوم کی آزادی اور بقا کی خاطر اپنے ''اُن غلاموں'' سے قربانی مانگی جاتی ہے اور پھر انہی لائنوں پر کام کرنے لگ جاتے ہیں جن لائنوں پر انہیں کام کرنے کی تربیت دی جاتی ہے اور اگر کبھی ''صراط مستقیم'' پر چلنے کی غیر ارادی کوشش ہو بھی جائے تو فوراً اقتدار کی گاڑی کا کانٹا بدل دیا جاتا ہے۔ اب یہ ''ڈرائیور'' کی صلاحیت ولیاقت پر منحصر ہے کہ وہ کانٹا بدلے جانے کے باوجود اقتدار کی گاڑی کو کس حد تک دوڑا سکتا ہے۔ اس طریق کار میں نہ حاکم کو اور نہ محکوم کو فائدہ حاصل ہوتا ہے بلکہ فائدہ صرف اور صرف ''آقا'' حاصل کرتے ہیں۔

دوسرا طریق کار اگرچہ مشکل، صبر آزما اور جان جوکھوں والا ہے لیکن بہت مضبوط، مستحکم اور دیرپا ہے اور وہ یہی ہے کہ حکمران اور اس کے تابع فرمان خود قربانی دینے میں قابل تقلید اور بے مثال نمونہ بن جائیں اس طریق کار میں ان کی دیکھا دیکھی پوری قوم قربانی دینے والوں کی دیوانی بن جاتی ہے اور تاریخ عالم ایسے ''دیوانوں'' کی دیوانگی پر اپنی متاع حیات اور سیم وزر قربان اور نچھاور کرنے والوں کے ذکر سے خالی نہیں ہے عوام اپنے حکمرانوں کے دین (راستے) پر چلنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اگر وہ صحیح اور درست راستے پر گامزن ہوں تو عوام بھی اسی راہوں کو اختیار کرتے ہیں اور اگر حکمران غلط راستوں پر چل پڑیں تو عوام بھی اسی راستے کو اپنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور اگر حکمران نا اہل، نا اندیش، تدبر وفکر کی دولت سے محروم اور قائدانہ صلاحیتوں سے عاری ہوں تو پھر وہ قوم کی غلط روش کی تقلید کو بھی اپنے لئے باعث فخر سمجھنے کے ''مرض'' میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور قیادت کی ''تاجوری'' کی بجائے تقلید کا پٹہ گلے میں لٹکا لیتے ہیں۔

گزشتہ دنوں قربانی مانگنے والوں کے نمائندگان نے بسنت منانے کے مظاہرے میں اسی قسم کی روش کا مظاہرہ کیا اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حکمران طبقہ کے نمائندگان میں سے کسی نمائندے نے سستی اور کاہلی کا مظاہرہ کیا تو قوم میں اس کی ناک کٹ جائے گی اور وہ عوام میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا اور یہ کیسے ممکن تھا کہ اگر حزب اختلاف کی

Marfat.com

جماعتوں کے ''جیالے'' غیر ملکی آقاؤں اور انکے پر تو ہندوؤں اور سکھوؤں کے ساتھ تہذیب نو کے ثقافتی میلہ میں جام وسبو سے لطف اندواز ہو رہے ہوں تو حزب اقتدار کے جانباز مجاہد اس دوڑ میں ان سے پیچھے رہ جائیں اور وہ اپنے گھروں میں بند رہ کر اس میدان عمل کو بھی حزب اختلاف کے سپرد کر دیں کہ وہ جس طرح چاہیں تحریک پاکستان میں شہید ہونے والوں کے ''قاتلوں'' کے ساتھ اکیلے اکیلے ''محوِ رقصاں'' ہوں۔ چنانچہ اس خلا کو پر کرنے کے لیے خاص طور پر اسلام آباد سے چیئر مین سینٹ اور عروس البلاد لاہور سے گورنر صاحب نے حزب اقتدار کی نمائندگی کرتے ہوئے اس عظیم میلہ میں شریک ہو کر جہاں ایک طرف حق نمائندگی کا فرق ادا کیا وہاں دوسری طرف حزب اختلاف کی ایک بہت بڑی ''سازش'' کو بھی ناکام کر دیا۔

اور جب قوم کے قائدین اور رہنمائی کا دعویٰ کرنے والوں کا طرز عمل ظاہری اور عارضی خوشیوں کے حصول میں اس طرح کا ہو جائے تو وہ قوم سے قربانی نہیں مانگیں کے تو اور کیا مانگیں گے؟

اصحاب اقتدار کا اقتدار کے کسی بھی عہدے پر فائز ہونے کے بعد کا ذاتی عمل صرف ان کی ذات تک محدود نہیں رہا کرتا بلکہ پھر وہ حال کے ساتھ ساتھ ماضی میں کئے ہوئے ایک ایک عمل کے بھی جواب دہ ہو جاتے ہیں امریکہ جیسے اخلاق باختہ معاشرے کے اندر بھی کلنٹن کے سیکنڈلز اسی صدائے بازگشت کی جیتی جاگتی چلتی پھرتی عبرت انگیز مثالیں ہیں مشرق کے باسی مغرب کی تقلید میں جس قدر چاہیں اخلاقی اقدار کو پامال کرنے میں ہمہ تن مصروف رہیں لیکن تاریخ تو اپنے آپ کو ہر مقام پر دہراتی ہی ہے چاہے وہ مغرب ہو اور چاہے وہ مشرق ہو، تاریخ نہ مغرب کو دیکھتی ہے اور نہ مشرق کو بلکہ وہ تو صرف اپنی اقدار کی حفاظت کرتی ہے

ملکوں کو کس طرح قرض کے شکنجے میں کس دیا جاتا ہے؟ اس شکنجے میں کسنے والے ''مہربان'' کون ہوتے ہیں؟ اور یہ ''مہربان'' کس خوبصورتی، عیاری اور چالاکی سے، کس کس انداز سے، کن کن حیلوں سے، کن کن تدبیروں سے اور ترقی کے کیا کیا ''سپنے'' دیکھا کر ''قرض'' دیتے ہیں اور کس طرح دیا ہوا ''قرض'' وصول کرتے ہیں؟ اب سربستہ رازیوں میں سے کوئی راز اور ان کہی کہانیوں میں سے کوئی کہانی نہیں ہے۔ ہر ایک ان کے سیاق وسباق سے خوب خوب واقف ہو چکا ہے اور اگر کوئی طبقہ ''تجاہل عارفانہ'' کا مظاہرہ کرتے ہوئے عدم واقفیت کا

Marfat.com

احساس دلاتا ہے تو وہ حقیقی طور پر ملک پر حکمرانی کرنے پر طبقہ ''نوکر شاہی'' ہے۔ یہی وہ طبقہ جو حکمرانی کے مزے لوٹتا ہے اور اس کے ارکان ایک زنجیر کی مانند ایک دوسرے سے پیوست ہوتے ہیں۔ بظاہر الگ الگ عہدوں پر نظر آ رہے ہوتے ہیں لیکن اندر سے سب ایک دوسرے کا ''رضاکارانہ'' طور پر سہارا بنے ہوتے ہیں۔ وہ اس امر کو بخوبی جانتے ہیں کہ ان کے اقتدار کو ''گہن'' نہیں لگ سکتا۔ ان کے دور اقتدار کا دورانیہ چاہے تین سال پر ہی محیط کیوں نہ ہو لیکن وہ ''پنجسالہ'' حکمرانوں سے زیادہ با اختیار ہوتے ہیں۔ اپنے تجربہ اور قابلیت کی بنیاد پر منتخب اور غیر منتخب ''عارضی حکمرانوں'' کو اپنی انگلیوں پر تگنی کا ناچ نچوانے کا ہنر بھی خوب جانتے ہیں۔ قواعد وضوابط اور رولز اینڈ ریگولیشنز کا ایسا دھوبی پٹکا مارتے ہیں کہ ''تخت فردوس'' پر بیٹھے ہوؤں کو دن میں تارے نظر آنے لگتے ہیں۔

حکمرانوں نے جو کچھ کرنا ہوتا ہے وہ ان ہی کے ''وسیلے'' سے کرنا ہوتا ہے وہ ترقیاتی منصوبوں کے کتنے دعوے ہی کیوں نہ کریں لیکن جب وہ ترقیاتی منصوبے ان کے ہاتھوں کاغذات پر ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے اپنے عروج پر پہنچتے ہیں تو ان کی شکل وصورت ترقیاتی سے زیادہ غیر ترقیاتی منصوبوں میں بدل جا چکی ہوتی ہے۔ ٹائٹل پر ترقیاتی منصوبے کا عنوان ہی ہوتا ہے لیکن ڈھانچہ ''غیر ترقیاتی'' ہو چکا ہوتا ہے۔ پھر اس قسم کے ترقیاتی منصوبوں کے ذرائع آمدنی تلاش کئے جاتے ہیں اور ان ذرائع میں سب سے سہل ذریعہ آمدن ''قرضہ'' قرار پاتا ہے جبکہ غیر ترقیاتی اخراجات ایسا بوجھ ہوتے ہیں جن سے چھٹکارا پانا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوتا ہے۔ بے بصیرت حکمران ان کی ماہرانہ تجاویز کی روشنی میں اسی قسم کے اخراجات کے لئے ملک اور بیرون ملک بلکہ جہاں سے بھی جن شرائط پر بھی قرضہ ملے بے تحاشا قرضہ لیتے رہتے ہیں جس سے ملک اگر دیوالیہ نہیں تو دیوالیہ ہونے کے قریب ضرور ہو جاتا ہے۔ بدقسمتی سے ملک میں ایسی ہی انتظامیہ کے کل پرزے اور بے بصیرت حکمران اب تک مسلط رہے جنھوں نے اپنی ترجیحات میں ملک کی ترقی کے منصوبوں میں ترقیاتی سے زیادہ غیر ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل میں پانی کی طرح زر مبادلہ بہایا۔ ترقیاتی منصوبوں کو نہ پرائیویٹ سیکٹر کی طرف منتقل کیا اور اگر منتقل کرنے کی کوششیں ہوئیں بھی تو نظم وضبط کی آڑ میں ان پر ایسی پابندیاں اور قدغنیں لگائی گئیں کہ ترقیاتی منصوبوں کے ''عشاق'' دل ہار کر بیٹھ گئے اور ''نوکر شاہی'' نے نہ ہی ایسے ترقیاتی منصوبوں کی حوصلہ افزائی کی کہ پرائیویٹ سیکٹر آزادی

Marfat.com

کے ساتھ اپنے ذرائع استعمال کرتے ہوئے انہیں مکمل کرسکیں۔ اس طبقہ نے اپنے مفادات کے پس منظر میں حکمرانوں کو ہمیشہ غلط راہوں پر ڈالنے کی کوشش کی اور پرائیویٹ سیکٹر کو حتی المقدور ترقیاتی پروگراموں سے دور رکھنے کی کوشش کی۔ پھر نوکر شاہی کی دیکھا دیکھی حکمرانوں نے بھی اپنے کمشن کے چکر میں یا سیاسی مفادات کے تحت ایسے مجوزہ قابل عمل اور مفید ترقیاتی منصوبوں کو اگلی آنے والی حکومتوں کے حوالے سے کرنے کی مستقل پالیسی کو اختیار کرلیا۔ کالا باغ ڈیم کے واقعات اس قسم کے امر کی چغلی کھا رہے ہیں۔ ماہرین تعلیم اور محب وطن افراد ایک عرصہ سے اس امر کا مطالبہ کرتے رہے ہیں کہ ''نوکر شاہی'' میں ''حب الوطنی'' کے جذبات کی ''چنگاری'' بھڑکانے کے لیے بھی جامع منصوبہ بندی کی جانی چاہئے۔ حکمرانوں کو تو حکمرانی کی ''لیلیٰ'' سے ملاقات کے لیے آقاؤں سے شرائط طے کرنے کی ضرورت تو پیش آ سکتی ہے لیکن ''مستقل حکمرانوں'' کو تو ایسی کسی قسم کے مفاداتی معاہدات کرنے کی چنداں ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ ان کی نوکریاں تو ان سے کہیں زیادہ پکی ہیں۔

حکمران اور نوکر شاہی کے ''شہزادے'' جب غیر ملکی دوروں پر ملکی خزانہ اور زر مبادلہ سے دو دو ہاتھ کرتے ہوئے پہنچتے ہیں تو انہیں وہاں کی فلک بوس عمارتیں، عالیشان محلات، اعلیٰ قسم کی آسائشوں سے مزین قیام گاہیں، زندگی کی راحتوں سے آراستہ ''آشیانے'' قالین کی مانند نرم و نازک فرش گاہیں، رات کی ظلمتوں میں ستاروں کی مانند جھلمل، جھلمل کرتی ہوئی اور قوس وقزح کی مانند بل کھاتی ہوئی شاہراہوں اور ہائی ویز کا مشاہدہ کرتے ہیں تو حیرت کے مارے آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں اور پھر جب اپنے ملک میں واپس آتے ہیں تو ایک طرف ان ہی قسم کے عیاشیوں کے حصول میں لگ جاتے ہیں اور ان کی وصولیابی میں ہر جائز و ناجائز ذرائع استعمال کرنے کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور دوسری طرف ان آسائشوں کے حصول کے لیے سرکاری ذرائع کو استعمال کرنے کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور دوسری طرف ان آسائشوں کے حصول کے لئے سرکاری ذرائع کو استعمال کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ چنانچہ سرکاری عمارت اور دفاتر کی آرائش اور زیبائش کے نام پر یہ اشیاء سرکاری کھاتوں سے منگوائی جاتی ہیں۔ کاغذی کارروائیوں اور معائناتی رپورٹوں کی تعمیل کے لیے کچھ وہاں استعمال کرلی جاتی ہیں اور بقایا اپنے اصل مقامات پر پہنچا دی جاتی ہیں اور اس میں اوپر سے نیچے تک ہر طبقہ اپنی اپنی طاقت اور اپنی اپنی صلاحیتوں سے

Marfat.com

استفادہ کرتے ہوئے ''مال غنیمت'' پر ہاتھ صاف کرتا ہے اور جب یہ آسائشی سازو سامان اپنے اپنے مقام پر نصب کر دیا جاتا ہے تو پھر ان کی دیکھ بھال اور حفاظت کے مسائل جنم لینے لگتے ہیں چنانچہ اب ان جدید مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لیے آمدنی کے اور ذرائع تلاش کئے جاتے ہیں اور اس طرح ''اوپر کی آمدنی'' کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جبکہ سرکاری تعمیرات و عمارت میں ضمنی اخراجات کی شکل میں یہ کارروائی پوری کر لی جاتی ہے۔

یہ جذبہ حب الوطنی سے عاری سوچ کا نتیجہ ہے جس میں ماضی اور حال کے حکمرانوں میں تفریق کرنا مشکل ہے، یہ اپنے اپنے محلات اور دفاتر کو دنیا کی بہترین سے بہترین اور قیمتی سے قیمتی چیزوں سے آراستہ اس لئے بھی کرتے ہیں تاکہ ان کا اسٹینڈرڈ کسی بھی ترقی یافتہ قوم سے کم نظر نہ اور نہ انہیں احساس کمتری کا شکار ہونا پڑے۔

ظاہری چمک دمک کے رسیا حکمران اور ملت فروش نوکر شاہی کے افراد کبھی یہ نہیں سوچتے کہ ان ترقی یافتہ ممالک نے زندگی کی یہ آسائشیں جس محنت، جذبہ حب الوطنی، جدوجہد اور سعی کے تسلسل کے بعد حاصل کی ہیں پہلے ہمیں بھی یہی کوشش کر لینی چاہئے۔ جن قربانیوں کے بعد انہوں نے یہ سہولیات حاصل کی ہیں ہمیں بھی کم از کم ان سے زیادہ نہ سہی ان کے برابر ہی قوم و ملک کے لئے قربانی دے لینی چاہئے۔ ان کے تصور نازک میں یہ خیال بھی نہیں آتا کہ ان ترقی یافتہ ممالک کے ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل کے پیچھے امانت و دیانت کی لازوال ''داستانیں'' بھی پوشیدہ ہیں۔ جدوجہد اور محنت کے بل بوتے پر وہ آج اس مقام پر پہنچے ہیں کم از کم ہم ان کی آب بیتی کا ہی مشاہدہ کر لیں شاید ہماری نسل نو اس سے استفادہ کر سکے۔ ان ترقی یافتہ ممالک نے اپنے سائنسدانوں، انجینئروں، ڈاکٹروں اور اپنے اپنے شعبے کے ماہرین فن کو جو مقام و مرتبہ، احترام و توقیر اور عزت و تکریم دی ہے کم از کم ہم اپنے مذکورہ اوصاف کے حاملین کے کارناموں کا اعتراف کرنا ہی سیکھ لیں۔ ہمارے حکمران تو ملک کی خاطر جذبہ حب الوطنی سے معمور ہو کر قربانی دینے والے عظیم سائنسدان اور ''محافظ پاکستان'' کو اس کا نصف مشاہرہ دینے کے لیے بھی تیار نہیں جتنا نوکر شاہی کا ایک نمائندہ چند فائلوں پر دستخط کرنے کا لے لیتا ہے۔ دشمنوں کے منصوبوں کو خاک میں ملانے والا ان کے فتح کے حصول کے خوابوں کو چکنا چور کرنے والا اگر آج ان ترقی یافتہ ممالک میں سے کسی ایک ملک میں بھی اپنی خدمات کا ایک چوتھائی حصہ بھی پیش کرتا تو وہ اپنے ملک کا بڑے سے بڑا

Marfat.com

''اعزاز'' عطا کر کے اس کی عظمتوں کا نہ صرف اعتراف کرتے بلکہ مادی طور پر وہ مشاہرہ بھی عطا کرتے جو ان کی نسلوں تک کے لئے کار خیر ثابت ہوتا رہتا۔ لیکن ہمارے حکمرانوں اور نوکر شاہی کو تو ایسے عظیم افراد ایک آنکھ نہیں بھاتے جو ان کی حب الوطنی کا جنازہ سر بازار اٹھواتے ہوں۔ جو بے لوث اور خلوص سے بھرے ہوئے جذبہ حب الوطنی کی عملی مثالیں قائم کر کے ان ''نقلی'' محبان وطن کے چہروں پر پڑے ہوئے نقابوں کو الٹ کر ان کے اصلی چہروں کو دکھانے کا سبب بنتے ہوں۔

(روزنامہ جنگ لاہور 16 اپریل 1997ء)

♥……♥……♥

Marfat.com

محرم الحرام اور تخریب کاریاں

اسلامی تقویم کے نئے سال کی آمد آمد پر...... سحر گاہی کے شیریں لمحات وساعات کی لذتوں سے آشنا شخص کا قلب وجگر...... نہ جانے کیوں؟...... نادیدہ واقعات کی زخم خوردہ آہوؤں سے لرزاں لرزاں رہتا ہے...... کہ معلوم نہیں اس سال اسلامی سال کے آغاز ہی سے کرب وبلا کی تاریخ کس طرح اپنے آپ کو دھراتی ہوئی جلوہ نما ہوگی؟ وہ اپنے من کی دنیا میں گم ہو کر یہ تمنا کرتا ہوا نظر آتا ہے کہ کیا ایسا ممکن نہیں؟...... کہ جس طرح...... دیگر اقوام عالم میں نئے سال کی آمد پر مسرت وخوشی کا احساس پیدا ہوتا ہے...... نیکی میں ڈوبے ہوئے جذبات واحساسات کا عجب سماں باندھا جاتا ہے...... نئے نئے ولولوں اور جذبوں سے تاریک مستقبل کو حسین سے حسین تر بنانے کا عزم ہوتا ہے...... ماضی کی کوتاہیوں پر ناقدانہ نظر ڈالتے ہوئے آئندہ ان سے صرف نظر کرنے کی منصوبہ سازیاں کی جاتی ہیں...... آپس کی نفرتوں اور کدورتوں کو دور کرنے کی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں...... ایک طرف ''اصحاب اقتدار'' اور دوسری طرف ''واعظین اخلاقیات'' اپنے اپنے پیروکاروں کو آپس میں ''جیتے رہو اور جینے دو'' کے اصولوں پر عمل پیرا ہونے کی عملی تربیت کی لذت آشنائی سے روشناس کرانے کے اسباب بھی پیدا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

لیکن ہم ایسا کیوں نہیں کر سکتے؟

یقیناً اسلام دشمن طاقتیں اور ادارے ہر جگہ ہر وقت اور ہر طرح اپنے مذموم ارادوں کی تکمیل میں مسلسل کوشاں رہتے ہیں آخر دیگر اسلامی ممالک کے اندر بھی تو اسلامی سال کا آغاز ماہ محرم الحرام ہی سے ہوتا ہے تو وہ ان ممالک میں اس قدر تخریب کاری، قتل وغارت، فتنہ وفساد کے بپا کرنے میں اتنے کامیاب کیوں نہیں ہوتے جس قدر بدقسمتی سے وہ پاکستانی معاشرتی اقدار کو تلپٹ کرنے میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ انسانی زندگی سے کھیلنے والے آلات تو بآسانی ہر جگہ دستیاب ہو جاتے ہیں اور اگر نہ ہوں تو مہیا کر دیے جاتے ہیں...... ''مفلس''

Marfat.com

انسان تو ان مملکتوں کے اندر بھی پائے جاتے ہیں؟...... پیٹ کے جہنم بھرنے کے ''بھکاری'' تو وہاں بھی موجود ہوتے ہیں؟ لیکن وہ اپنے ''بطن کی آگ'' کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اپنے ہی ہم وطنوں اور کلمہ گو بھائیوں کو اس بے دردی سے قتل کرنے کے درپے کیوں نظر نہیں آتے جس قدر ہم نظر آتے ہیں؟ شاید اس لیے کہ وہ اپنے دین اور وطن سے محبت کے تقاضوں کو ہم سے بہتر جانتے ہیں۔

آخر کہیں نہ کہیں کوئی ایسی بنیادی اور اساسی خامی ضرور ہے جس کی بنا پر یہ سب کچھ ہوتا ہے جو نہیں ہونا چاہیے تھا اس خامی یا خامیوں کو تلاش کرنے کی کیا ہم نے کبھی شعوری کوششیں کی ہیں؟ کیا کبھی حکومت اور اس کے کل پرزوں نے سنجیدگی سے ان ہولناکیوں سے بچنے کی تدابیر اختیار کی ہیں؟ کیا انتظامی اداروں نے ان معاملات سے عہدہ برآ ہونے کی عملی جدوجہد بھی کی ہے؟ مسائل کے حل کے لیے کمیٹیوں پر کمیٹیاں تو بنائی جاتی رہی ہیں لیکن ان کمیٹیوں کی رپورٹوں پر حکمرانوں کو عمل کرنے کی توفیق بھی نصیب ہوئی ہے؟ یہ رپورٹیں حکمرانوں کے ایوانوں کی الماریوں، شیلفوں اور درازوں کی زینت تو یقیناً بنی ہوئی ہوں گی تو کیا کبھی ان کو پڑھنے کی تکلیف بھی گوارہ کی ہوگی؟ کیا کبھی ان حالات سے دوچار ہونے والے افراد اور جماعتوں کے متعلقین رفقا، لواحقین اور پیروکاروں نے ان دگرگوں اور ناقابل بیاں حالات سے نکلنے کی کوششیں بھی کی ہیں؟ اور اس کے ساتھ ساتھ ان حالات سے دوچار ہونے والے اسباب پر بھی غور کیا ہوگا؟ کیا کبھی یہ خیال بھی آیا ہوگا کہ ان اسباب کو کہاں کہاں اور کس کس طرح پروان چڑھایا جاتا ہے؟ اور ان اسباب کو عملی جامہ پہنانے والے افراد کون کون سے ہیں؟ ان کی کمین گاہیں کہاں کہاں ہیں؟ ان پر ہاتھ ڈالتے وقت حکومت کے مفادات تو آڑے نہیں آتے رہے؟ حکومت کی وقتی مصلحتیں تو رکاوٹ پیدا نہیں کرتی رہیں؟ کیا کبھی حکمرانوں اور متاثرین کے بہی خواہوں نے غور کیا کہ اس کے اسباب کے پیدا کرنے میں کہیں ہمارا اخلاقی نظام...... سیاسی نظام...... عدل و انصاف کا غیر معیاری نظام...... جرم و سزا اور حدود و تعزیرات کا نظام...... سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور درسگاہوں میں جاری شدہ تربیتی نظام...... دینی و دنیاوی تفریق پر مبنی تعلیمی نظام...... دینی و سیاسی جماعتوں کا تنظیم و تربیت سے عاری نظام...... اعلیٰ اور ادنیٰ طبقوں میں بٹا ہوا معاشرتی نظام...... روپے اور پیسے کی دوڑ میں سرمست گھوڑے کے پیچھے بھاگتا ہوا معاشی نظام...... قیامت کے روز حساب و

Marfat.com

کتاب کے تصور سے ماورا نظریات سے معمور نظام زندگی کا دور دورہ...... اور اسلامی و اصلاحی تعلیمات سے خالی نظامات تو ان حالات کو پیدا کرنے کے لیے ممد و معاون ثابت نہیں ہو رہے ہیں؟ اگر ہیں تو کس کس حد تک؟

آخر ہم پچاس سالوں میں ان رستے ہوئے ناسوروں پر قابو کیوں نہ پا سکے؟ یقیناً دنیا میں جرائم ہر جگہ ہوتے ہیں بلکہ یورپ اور اس کی نقالی کے خوگر ممالک میں ڈکیتی، قتل و غارت، عصمت و عزت کی آبروریزی کے واقعات یہاں سے کہیں زیادہ ہوتے ہیں لیکن ایک فرق یہ بھی پیش نظر رہے کہ ان کے ہاں ان واقعات میں دین و مذہب سے زیادہ دنیاوی و نفسانی مفادات کا پس منظر ہوتا ہے آج تک اسلامی دنیا نے یورپی اور ترقی یافتہ ممالک میں ان کی انفرادی مفلسی غربت اور فقر کی کمزوریوں سے ''جائز'' فائدہ حاصل کرنے کی بھی کبھی کوشش نہیں کی اگر جواب آں غزل کے طور پر ہی سہی ان قوتوں، طاقتوں اور ممالک میں ایسی کارروائیاں کی جاتیں جیسی پاکستان میں ہو رہی ہیں تو شاید تاریخ کے نتائج کسی اور امر کی غمازی کر رہے ہوتے۔ یہ بھی کسی حد تک اپنی جگہ درست سہی لیکن ان مذموم کارروائیوں کو خام مال کون بہم پہنچاتا ہے؟ کتنے غیر ملکی ان کارروائیوں کو کرتے ہوئے پکڑے گئے ہیں؟ فتنہ و فساد بپا کرنے والے پیغامات کس کی جیلوں سے ملتے ہیں؟ آگ و خون کی ندیاں بہانے کی دھمکیاں کس کس جیل کی سلاخوں کے پیچھے سے موصول ہوتی ہیں؟ فرقہ پرست قائدین کی حفاظت کے لیے اسلحہ کے لائسنس اور اجازت نامے کیا غیر پاکستانی حکومتیں جاری کرتی ہیں؟ فرقہ واریت پر مبنی جماعتوں کے رہنماؤں سے کیا ہندوستانی حکومت وی وی آئی پی کا سلوک کرتی ہیں؟ کیا صرف اور صرف غیر ملکی جاگیرداروں اور رسہ گیروں نے پاکستانی علاقوں میں اپنے گماشتے پھیلا رکھے ہیں؟ کیا ان میں خود پاکستانی بھی شریک نہیں؟ قتل و غارت کی کارروائیوں میں ملوث پاکستانی مردہ دل اور ظالم افراد پاکستانی حکومت سے اپنی اجرتیں وصول کرتے ہیں؟ مذموم کارروائیوں کی تکمیل کے بعد بند گلیوں میں پناہ گاہیں کون مہیا کرتا ہے؟ عدالتوں سے سزائے موت کے سننے کے بعد بھی ''وکٹری'' کا نشان بنانے والے بھی کیا غیر ملکی ہوتے ہیں؟ قومی خزانے سے اربوں روپے وصول کرنے والی ایجنسیاں کن کی حفاظت میں اپنی صلاحیتیں ضائع کرتی ہیں؟ ملک کے پر امن باسیوں کو ان ایجنسیوں کو متحرک ہونے کے باوجود لاشوں کے تحفے کیوں وصول ہوتے ہیں؟ کیا ان ایجنسیوں کی صرف یہ ذمہ داری ہے

Marfat.com

کہ وہ اخباری اعلانات جاری کرتی رہیں کہ غیر ملکی تخریب کار ملک میں داخل ہو گئے ہیں ایجنسیوں میں کام کرنے والے تو پاکستانی ہی ہیں تو وہ تخریب کاروں کو ملک میں داخل ہونے کیوں دیتے ہیں؟ متعلقہ اداروں کو ذمہ داریاں سونپنا کس کی ذمہ داری ہے اس میں کوتاہی کیا غیر ملکی برتتے ہیں؟

کیا ان ایجنسیوں کے فرائض میں صرف یہ بات شامل ہے کہ حکومت اور عوام کو مطلع کرتی رہیں کہ کتنے تخریب کار پاکستان میں داخل ہو گئے اور کتنے اپنے مشنز کو مکمل کر کے کامیابی سے واپس چلے گئے؟ اور ان تخریب کاروں کی تخریب کاریوں کا انسداد کرنا آخر کس کی ذمہ داری ہے؟ اور پاکستان میں موجود تخریب کاروں سے بچانا پھر کن ایجنسیوں کی ذمہ داریوں میں شامل ہے؟؟؟

محرم الحرام کا ''ہلال'' ابھی آسمان دنیا پر متلاشی نظر و بصر کو متمتع نہ کر پاتا کہ اس سے پہلے ہی عوام میں ایک سراسیمگی کی کیفیت پیدا کر دی جاتی ہے۔ یہ کیفیت کون پیدا کرتا ہے؟ اور کون سے عوامل ایسا ماحول پیدا کرنے میں اپنا اپنا کردار ادا کرتے ہیں؟ ان کا جائزہ لے کر، انتظامیہ، متعلقہ ادارے اور شعوری اور غیر شعوری طور پر اثر انداز ہونے والے طبقات، گروہ، جماعتیں، قائدین اور افراد مستقل پالیسی اور منصوبہ سازی کر کے اس پر نیک نیتی سے عمل کریں اور کرائیں تو چند ہی سالوں میں یہی ایام انتہائی پُر امن طریقے سے گزرنے لگیں گے۔ آگ ہمیشہ خود بخود نہیں بھڑکا کرتی ہے بلکہ پہلے آگ لگنے کے اسباب اور آلات مہیا کیے جاتے ہیں اور پھر آگ لگانے والا باہر سے جلتی ہوئی تیلی پھینک کر یا اندر رہنے والا تیلی لگا کر آگ کا الاؤ بھڑکاتا ہے ضرورت تیلی لگانے والے کو قابو کرنے کی ہے چاہے وہ اندر کا ہو یا باہر کا۔ ہر جگہ اور مقام پر یہ تصور کر لینا کہ بزور طاقت ہی اپنی بات منوائی جا سکتی ہے تو یہ سوچ یزیدیت کا شاہکار تو ہو سکتی ہے لیکن حسینیت کی آئینہ دار نہیں ہو سکتی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی اور اپنے اہل بیت کے عظیم خانوادوں کی قربانی دے کر اسی بات کو تو عملاً ثابت کیا تھا کہ یزید اور اس کے حواری بزور طاقت نہ اپنی طاقت منوا سکتے ہیں اور نہ بیعت لے سکتے ہیں۔ تعجب ہے کہ ہم اتنی جلدی ''حسینی پیغام'' اور ''یزیدی انجام'' کو کیوں بھول جاتے ہیں؟ ہر وہ فریق اس بات کو اگر پیش نظر رکھیں تو انھیں خود اپنے اپنے مقتداء کے عمل سے جو پیغامات مل رہے ہیں ان کے تابع فرمان ہو جائیں تو دشمن کو کبھی جرأت نہیں ہو سکتی کہ وہ وطن عزیز میں

Marfat.com

ایسے حالات پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائے جو وہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔

اسلام دشمن اور خاص طور پر پاکستان دشمن طاقتیں اس تاک میں سرگرداں رہتی ہیں کہ ان کے ہاتھ سے کوئی ایسا موقع جانے نہ پائے جن سے ملک میں امن و امان کا مسئلہ پیدا کیا جائے۔ یہ بات یقینی ہے کہ یہ مسئلہ شیعہ، دیوبندی اور سنی مسئلہ نہیں ہے کیونکہ پورا سال تمام مسالک کے افراد ایک ہی گلی، محلہ، بستی اور شہر میں اکٹھے رہتے ہیں لیکن تمام سال فتنہ و فساد بپا نہیں ہوتا البتہ کچھ اپنوں کے جوش اور غیروں کی چالاکی کی بناء پر ان ایام میں جو زیرو زبر کی کیفیت پیدا ہوتی ہے ان کا سدباب کیا جائے وہ سدباب مختلف طریقوں کو بروئے کار لاتے ہوئے کیا جا سکتا ہے جن میں چند ایک درج ذیل ہیں اور ان میں مزید تدبر و تفکر کے ساتھ اضافے بھی کیے جا سکتے ہیں۔

-1 حکومت اور اس کے متعلقہ اداروں میں امن و امان کے سلسلہ میں باہمی رابطہ مسلسل رکھا جائے اپنی ذمہ داریوں کو ایک دوسرے پر ڈالنے کی روایات کو ختم کیا جائے وطن کا اپنی ذات پر ''قرض'' اور اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے ''فرض'' میں امتیاز کو قائم رکھتے ہوئے وطن کے قرض کو ترجیح دی جائے تو قرض کی ادائیگی کا جذبہ اور فرض کی بجا آوری کا احساس انسان سے ناقابل یقین کارنامے سرانجام دینے کا ذریعہ بنا کرتا ہے اور اگر ''قرض'' اور ''فرض'' کا ملاپ ہو جائے تو ''قدیر'' کا ''غوری'' دشمنوں کے سینوں کو چھلنی چھلنی کر دیتا ہے۔

-2 ملک کے استحکام کی پالیسیوں کو اپنے اقتدار کے دورانیہ سے مشروط اور مربوط نہ کیا جائے اور نہ ہی اسے اپنی اپنی جماعتوں کے مفادات کی روشنی میں بنایا اور دیکھا جائے اور اسی اصول اور طریق کار کا اطلاق بیوروکریٹس کے محکماتی فرائض کی بجا آوری کے دورانیہ پر بھی ہونا چاہیے وہ بھی ملکی مفادات ہی کو پیش نظر رکھیں۔

-3 ہر علاقہ میں امن و امان کی ذمہ داری کو یقینی طور پر متعلقہ تھانیدار اور پولیس چوکی پر متعین افسران کی ذمہ داری قرار دیا جائے افراد اور ''نام نہاد'' شخصیات کی انفرادی حفاظت پر مقررہ اور متعینہ عملہ کے افراد کو ہٹا کر صرف اور صرف انھیں متعلقہ تھانہ کی حدود میں ''عوام'' کی حفاظت پر مامور کیا جائے۔

-4 ضرورت پڑنے یا احتیاطی طور پر نفری کی کمی کی بناء پر رینجر/فوج کی خدمات حاصل

Marfat.com

کرنے میں ''سبکی'' کا خیال دل میں نہ لایا جائے۔ اقتدار کی حفاظت سے زیادہ وطن کی حفاظت کو منزل مقصود قرار دیا جائے۔ چند دن کے لیے سرحدوں کی حفاظت کے ساتھ ساتھ شہروں اور مخصوص علاقوں میں فوج کی موجودگی وطن دشمنی کے حوصلوں اور ان کی ناپاک کاروائیوں کی تکمیل اور ارادوں میں سد سکندری بن کر گلے کا کانٹا بنتے ہوئے ان کے مزعومہ ناپاک منصوبوں کو خاک میں ملا دے گی۔

-5 نئی تربیت یافتہ ایلیٹ فورسز کی صلاحیتوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے انھیں انتہائی خطرناک مقامات پر متعین کر کے ایلیٹ فورسز کی تربیت کے تسلسل کا جواز مہیا کرایا جائے۔

-6 خدمت کمیٹیوں کے آئینی اور قانونی جواز کی بحث سے قطع نظر ملکی مفادات کے پس منظر میں خادمین ملک وملت کو خدمت کا پورا پورا موقع فراہم کیا جائے تاکہ وہ اپنے وجود کے جواز میں حقیقی اور عملی خدمات کے ثبوت قوم اور عدالتوں کو مہیا کر سکیں ''چند روزہ خدمات'' کے ثبوت ''مستقل خدمات'' کی بجا آوری کا بہترین ذریعہ بھی بن سکتے ہیں کیونکہ بعض اوقات ''ضرورت'' بھی قانونی جواز مہیا کرنے کا سبب بن جاتی ہے۔

-7 خاص طور پر مجالس جلوس اور محافل کے مقامات پر مقامی اور علاقائی تمام مسالک کی مشترکہ امن کمیٹیاں بھی قائم کی جائیں۔

-8 ملی یکجہتی کونسل کی خدمات کو ملک و وطن کے حوالے سے قائدین سے حاصل کیا جائے اگرچہ اس طلب میں سب سے بڑی رکاوٹ نوکر شاہی کا فرعونی رویہ ہی ہوگا لیکن حکمران نوکر شاہی کے مقاصد اور مفادات کو پس پشت ڈالتے ہوئے صرف وطن میں استحکام کے حوالے سے استفادہ کریں اور قائدین بھی دین وملت کے استحکام کے پس منظر میں ایسی پیشکش کے مسترد کرنے کے جواز تلاش کرنے کی سعی نہ فرماتے ہوئے اہل اسلام واہل وطن پر ''احسان'' فرمائیں۔

-9 ہر علاقہ میں محرم الحرام کے حوالے سے منعقد ہونے والی تقریبات مجالس جلوس محافل اور دیگر پروگراموں کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جائے اور اس ریکارڈ میں شرکاء کی تعداد کا اندازہ شرکاء کا طرز عمل خطابات کا خلاصہ یا ان کی تقاریر کا ریکارڈ ٹیپ

Marfat.com

ریکارڈ یا ویڈیو کے ذریعے تقاریر کے مثبت یا منفی مرتب شدہ نتائج کا تذکرہ طرز تخاطب میں مخصوص الفاظ اور کنایات کے استعمال کا اسلوب تقریر سے قبل اور بعد میں علاقہ پر مرتب ہونے والے اثرات کا جائزہ خاص طور پر مذہبی اور امن وامان کے حوالے سے منفی طرز عمل کے حامل مقررین واعظین اور ذاکرین کا ریکارڈ اور تنبیہات کے مابعد کے نتائج مثبت نتائج کے مرتب نہ ہونے کے اسباب کی کھوج بھی لگایا جائے کیا ذاکر یا واعظ کے ذاتی طرز عمل کی کارفرمائی ہے یا اس پر خارجی اثرات کی اثر اندازی اور احتیاطی تدابیر میں خامی کے جائزے کے ساتھ ساتھ آئندہ مزید بہتری کی تجاویز بھی رقم کی جائیں اگرچہ یہ تجویز آزادی رائے کے بنیادی اصولوں کے خلاف لیکن آزادی رائے کی بھی تو اپنی کچھ حدود و قیود اہیں اگر ان حدود و قیودا کا خیال رکھا جاتا تو صورتحال اتنی اندوہناک نہ ہوتی۔ یہ اقدامات ان حدود و قیودا کے توڑنے کی بناء پر ہی بحالت مجبوری اٹھائے جانے چاہئیں علماء کرام کے ذہنوں میں یہ بات موجود رہنی چاہیے کہ جس قدر پاکستان میں آزادی رائے کے اظہار کی آزادی ہے اتنی کسی بھی دوسرے مسلمان ملک میں نہیں ہے یہ کیوں ایسے حالات پیدا کرنے کے درپے ہیں کہ ان کی آزادی کو پابہ زنجیر کر دیا جائے اور اسلام سے بیزار طبقہ تو یہی چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح علماء کرام کی زبانوں پر تالے لگوا دیے جائیں تا کہ اسلام صرف عبادات تک محدود کر دیا جائے۔ آزادی کی قدر آزادی کے کھو دینے کے بعد نہیں کی جانی چاہیے بلکہ آزادی کے دوران آزادی کی قدر کی جانی چاہیے اور یہی زندہ قوموں کا شعار ہے۔

حکومت کی ایجنسیوں نے ایک طوفان بپا کر رکھا ہے کہ پاکستان میں تخریب کار دہشت گردی کے لیے داخل ہو گئے ہیں۔ چونکہ یہ اطلاع حکومت کی ایجنسیاں ہی دے رہی ہیں اس لیے یقیناً مصدقہ اطلاعات ہی ہوں گی جن میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہونی چاہیے۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ ان ایجنسیوں کی اطلاع کے بعد حکومت نے ان کا تدارک کرنے کے لیے کیا اقدامات کیے ہیں اور ان اقدامات کی صحت یا عدم صحت کے بارے میں حتمی رائے تو اسی وقت قائم کی جا سکے گی جب یہ دہشت گرد ''پولیس مقابلہ'' میں پار ہو جائیں گے یا پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہو کر اپنے انجام کو پہنچیں گے۔ ان ایجنسیوں کے کاندھوں پر یہ ذمہ

Marfat.com

داری بھی عائد ہو جاتی ہے کہ جہاں کہیں جلوس، تعزیہ، مجلس اور کوئی تقریب منعقد ہو رہی ہے تو ان کے اہلکار بھی وہاں موجود ہونے چاہئیں۔ اگر حکومت تھوڑی سی جرأت کا مظاہرہ کرے تو منعقدہ تقریب میں ان علاقہ یا فوج یا رینجرز کے افراد سادہ لباس میں یا عام لباس کے ساتھ ساتھ اپنی یونیفارم میں بھی موجود رہیں جو دروازوں یا آمد و رفت کے مقامات پر کھڑے ہو کر یا چل پھر کر جائزہ لیتے رہیں تو اس طریق کار سے بھی تخریب کار کافی حد تک اپنی تخریبانہ کاروائیوں سے اجتناب کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ عام طور پر وہ عوام اور پولیس کی عدم توجہی اور لاپرواہی سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگرچہ اس امر کا بھی خطرہ موجود رہے گا کہ ایجنسیوں کے افراد خوامخواہ شرکاء کو پریشان نہ کرنے لگ جائیں اور اس طریق سے ''مہنگائی'' کا علاج شرکاء کی ''جیبوں'' سے نہ کرنے لگ جائیں۔ بہرحال ان سے بھی نبرد آزما ہونے کی تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں۔

-12 جس فرقہ کی محفل یا مجلس منعقد ہو رہی ہے یا جلوس نکالا جا رہا ہے تو اس جلوس یا مجلس میں اسی فرقہ کے افراد اور اشخاص کو شرکت کی جانی چاہیے کیونکہ بعض اوقات جوش خطابت میں مقرر کی زبان سے ایسے الفاظ ادا ہو جاتے ہیں جو اس کے اپنے طبقہ کے مذہبی رجحانات و تعلیمات کے تو مطابق ہوتے ہیں لیکن دوسرے فرقوں والوں کے لیے اثم و گناہ، تکلیف دہ، ذہنی و روحانی کوفت اور رنج و الم کا باعث ہوتے ہیں اس لیے نہ وہاں دوسرے فرقہ کے لوگ ہوں گے اور نہ ہی وقتی طور پر فتنہ و فساد کا امکان باقی رہے گا اور اسی طرح ایک ہی فرقہ کے شرکاء اور عوام کی موجودگی میں باہمی طور پر اختلافی عقائد کے باعث فتنہ و فساد بپا نہ ہو گا البتہ اگر مشترکہ پروگرام ہیں تو پھر مقرر بھی اور سامعین بھی محتاط رویہ کا اظہار کرتے ہیں اور وہاں اختلاف رائے کا حق دے کر برداشت کرنے کا ماحول پیدا کر لیا جاتا ہے یا پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اس عدم برداشت کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ ابھی تک دینی قیادتیں اپنے پیروکاروں میں ایسے اوصاف پیدا کرنے میں ناکام رہی ہیں کہ وہ اختلافی عقائد کو بھی اختلاف آراء کی مانند برداشت کر لیں اور ان میں خاص طور پر غیر ملکی سرمایہ کے بل بوتے پر قائم ہونے والی مسلح تنظیموں اور جماعتوں کا ہے جو اپنے اپنے آقاؤں کے اشاروں پر ملک میں امن و امان پیدا

Marfat.com

"نہ" کرنے کے منصوبوں پر عمل پیرا ہیں اس لیے ضرورت اس امر کی بھی ہے کہ ہر مسلح شخص سے پوچھا جائے کہ اس کے پاس یہ اسلحہ اور یہ پیجارو اور کار وغیرہ وغیرہ کہاں سے آئی ہے؟

-13 فرقہ پرست تنظیموں اور ان کے جملہ عہدیداروں کی سرگرمیوں کی نگرانی بھی کی جائے۔ ان جماعتوں کا نیٹ ورک اور کارروائیوں کی انجام دہی حکومتی ایجنسیوں اور اداروں سے کہیں زیادہ بہتر ہوگئی ہے جو حکومت کے لیے لمحہ فکریہ ہے جس کی ایک ادنیٰ سی "ریہرسل" گزشتہ دنوں دارالحکومت میں دیکھنے میں آئی ہے اور اس تنظیم کے دھرنے نے حکومت کے حفاظتی اقدامات کا پول کھول کر رکھ دیا۔ ایک ایسا شہر جس کے چپہ چپہ پر محافظین شہر، حکومت کے سرکاری دفاتر، ادارے اور ملازمین موجود ہوں اس کے باوجود "دھرنے" کا عمل میں آ جانا حکومت کی انتظامی خامیوں کی واضح مثال ہے۔

-14 حکومت کے نشریاتی ادارے ریڈیو اور ٹی وی چوبیس گھنٹے عریانی اور فحاشی پھیلانے میں اس قدر مصروف ہیں کہ ان اداروں کے پاس قوم کی اصلاح، تربیت اور قومی جذبات پیدا کرنے والے پروگراموں کو دکھانے اور سنانے کے لیے وقت ہی نہیں ملتا۔ ذہنوں اور سوچوں کو نئے نئے زاویے دینے اور تربیت کے لیے جس قدر موثر ذرائع حکومت کے پاس ہیں اس کا عشر عشیر عوامی جماعتوں میں سے کسی کے پاس بھی نہیں ہے لیکن حکومت کے کل پرزوں نے کبھی یہ سوچنے کی تکلیف ہی گوارہ نہیں کی کہ وہ ان ذرائع سے وہ فائدہ کیوں حاصل نہیں کر پاتے جو فائدہ حاصل کیا جانا چاہیے تھا۔ بہرحال اگر حکومت ملک میں امن و امان کو قائم کرنے میں واقعی مخلص ہے تو جہاں وہ دس ایام کے لیے ملک اور عوام سے کسی حد تک اپنے فحاشی پر مبنی "گندگیوں" کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتی ہے وہاں ان ایام میں خاص طور پر کم از کم روزانہ ایک ایسے مذاکرے کا اہتمام بھی کیا کرے جس میں دانشوران قوم اور مفکرین اسلام اور وطن کی محبت کے "دیوانے" ملک میں امن و امان کی ضرورت، اہمیت اور فوائد کو بیان کر کے قوم کی ذہنی تربیت کا سامان بھی مہیا کریں۔ اس سلسلے میں جید علماء کرام اور جن کا اپنا دامن بھی فرقہ واریت سے پاک ہو انتہائی مفید اور

Marfat.com

باثر ثابت ہو سکتے ہیں۔

15- اگر جید اور اہل علم علماء کرام ٹی وی کے اسٹیشنوں پر آنے کے لیے تیار نہ ہوں تو پھر ان کے ہاں جا کر ان کے انٹرویوز اور پیغامات حاصل کر کے بار بار تسلسل کے ساتھ ریڈیو اور سکرینوں پر سنائے اور دکھائے جائیں تا کہ کم از کم ناظرین اور سامعین کے ذہنوں میں مثبت اثرات پیدا ہوں اور پھر آگے چل کر یہ حضرات اپنے متعلقین کو ملک میں امن وامان کی اہمیت کے اجاگر کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔

16- ملک میں امن وامان کے قیام میں ایک خاص کردار اخبارات کا بھی ہے جس سے انکار ناممکن ہے۔ اس سلسلے میں اخبارات بھی ملکی حوالے سے اگر مزید کوششیں کرتے ہوئے اپنا حقیقی کردار مثبت انداز میں ادا کریں تو یہ سونے پر سہاگہ ہوگا، ذہنوں کی تربیت میں، سوچوں کو نئے نئے زاویے عطا کرنے میں، افکار کی جلا بخشی میں یہ میڈیا انتہائی زود اثر اثرات مرتب کرتا ہے چنانچہ مثبت مضامین شائع کر کے، خبروں میں متوازن پالیسی اختیار کرتے ہوئے...... واقعات کی واقعہ نگاری میں اور حقائق کی آشکاری میں حقیقت ہی کو پیش نظر رکھتے ہوئے خبروں کی فراہمی ملک میں امن وامان کے قیام کا باعث ہوگی۔ خاص طور پر فرقہ پرست تنظیموں کے عہداروں کے اخباری بیانات اور دھمکیوں سے معمور "کلمات حسنہ" جس قسم کا ماحول پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں، وہ اہل بصیرت کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہیں۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 5 مئی 1998ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

اسلامی مشن کے بانی کا مشن جاری رہنا چاہیے

خادمین اسلام کی خدمت کرنے کے انداز بھی خوب ہیں کہیں خدمت کرنے والے خدمت سے زیادہ اپنے خادم ہونے کی تشہیر کے خواہش مند نظر آتے ہیں اور کہیں زندگی بھر خدمت کے جذبہ سے سرشار ہوکر خاموشی سے خدمت کرتے کرتے دارفانی سے دار بقا کی طرف کوچ بھی کر جاتے ہیں لیکن کسی کو اپنی ذات کی اہمیت کا احساس بھی نہیں دلاتے۔ اپنے آپ کو اس مشن میں اس قدر مستغرق کر دیتے ہیں کہ اٹھتے بیٹھتے ذہن پر ایک ہی دھن سوار ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی طریقے سے اس حقیقی پیغام کو ان تک پہنچا دیا جائے جو گمراہی کے راستوں میں بھٹکتے پھر رہے ہیں اور جو اسلام کی روشن تعلیمات سے عدم واقفیت کی بناء پر ضلالتوں کا شکار ہوگئے ہیں۔ ان قابل فخر شخصیات میں سے ایک شخصیت سید اختر احسن شاہ بانی اسلامی مشن لاہور بھی تھے جو فرقہ پرستی کے جھمیلوں میں پڑے بغیر صرف اسلام کے عالمگیر پیغام کو دیارِ غیر ہی میں نہیں بلکہ اندرون ملک بھی پہنچانے کی مسلسل کوشش کرتے رہتے تھے۔ اسلام دشمن طاقتیں مختلف محاذوں سے اسلام پر حملہ آور ہونے کے جتن کرتی رہتی ہیں چنانچہ انھوں نے یہودی، مسیحی اور قادیانی مشنز کی آڑ میں تفریح، اصلاح، تعلیم، تعاون، ترقی اور سہولیات کی فراہمی کے نام پر مسلمانوں کے ذہنوں کو مسموم کرنے کی کوششیں جاری رکھی ہوئی ہیں جب وہ اس نتیجہ پر پہنچیں کہ وہ مکمل طور پر مسلمانوں کو عیسائی وغیرہ تو نہیں بنا سکتیں تو انھوں نے مسلمانوں کو مذہب اسلام سے برگشتہ کرنے اور ان کے عقائد میں شکوک وشبہات ڈالنے کی نئی نئی راہیں تلاش کہیں کہیں فرقہ پرستی کو جنم دیا، کہیں فرقہ پرستی کرنے والوں کی مالی مدد کی اور کہیں فرقہ پرستی کی آبیاری کی۔

یہ امر واقعہ ہے کہ مغربی دنیا میں مسیحیت مکمل طور پر ناکام ہو چکی ہے اور اس نے اپنے گھر میں جدید مغربی تہذیب کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے ہیں۔ اب ان کا نشانہ صرف اقتصادی طور پر پسماندہ اقوام ہیں وہ ان کی غربت، جہالت اور پسماندگی سے فائدہ اٹھاتے

Marfat.com

ہوئے ان کے درمیان عیسائیت اور یہودیت کی تبلیغ میں سرگرم عمل ہیں یا انھیں مکروفریب سے ان کے دین سے برگشتہ کرنے کی تدابیر کراتے رہتے ہیں اور اپنے ان مذموم اعمال کو خوبصورت ناموں سے بدل دیتے ہیں۔ مثلاً فروغ تعلیم، علاج معالجہ کے لیے فری ہسپتال، عوامی لائبریریاں اور دارالمطالعہ وغیرہ۔ تاکہ ان سماجی اور رفاہی کاموں کی آڑ میں اپنے مطلوبہ مقاصد کو حاصل کیا جا سکے۔ چنانچہ ان سرگرمیوں کے مذموم مقاصد کو آشکارا کرنے کے لیے سید اختر احسن شاہ صاحب نے اسلامی مشن لاہور کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جو تقریباً 30 سال سے قائم ہے۔ سید اختر احسن شاہ صاحب ایک طرف اپنے سلسلے کے سجادہ نشین تھے تو دوسری طرف اپنے دور کے ایک نیک نام اور معروف ہیڈ ماسٹر تھے اور کئی سال سیکنڈری ایجوکیشن بورڈ کے ناظم امتحانات بھی رہے۔ ان تمام مشغولیات کے باوجود زندگی کا ماحصل اسلامی مشن رہا اور 1965ء میں ظاہری اسباب کی کمیابی کی بناء پر اس ادارہ کو اپنی رہائش گاہ سنت نگر لاہور میں قائم کیا۔

عمومی طور پر ہمارے تبلیغی اداروں کی تمام تر جدوجہد اور کاوشیں صرف مسلمانوں میں تبلیغ اسلام تک محدود رہتی ہیں لیکن اسلامی مشن نے غیر مسلموں میں اسلام کی دعوت پہنچانا اپنے مقاصد میں سرفہرست رکھا اور سید اختر احسن شاہ صاحب مرحوم نے اپنی حد تک اس فریضہ کو خوب نبھایا۔ اسلامی مشن کا دوسرا اہم مقصد غیر مسلموں کے سوالات کا جواب دینا اور ان کے اعتراضات کی تردید کرنا مقرر کیا چنانچہ اس سلسلے میں نہ صرف انفرادی طور پر آنے والے سوالات کے جوابات دیے گئے بلکہ بعد میں ان سوالات کی روشنی میں اس امر کو پیش نظر رکھ کر مشن نے اپنی مطبوعات کو اسی ایک ہدف کو سامنے رکھ کر مرتب کر دیا اور ان کو اشاعت پذیر کیا تاکہ سوالات و جوابات کا یہ سلسلہ انفرادی حیثیت سے بڑھ کر اجتماعی حیثیت اختیار کر جائے۔

اسلامی مشن نے اپنا تیسرا مقصد ان کتابوں اور اس قسم کے لٹریچر کو طباعت کرا کے مطلوبہ افراد تک پہنچانا قرار دیا۔

اسلامی مشن کا چوتھا مقصد بیرون پاکستان مسلم اقلیتی ممالک میں ضرورت مندوں کو قرآن کریم مہیا کرنا قرار دیا۔ اسلامی تبلیغی جذبہ سے معمور مایہ ناز شخصیت حافظ نذیر احمد صاحب پرنسپل تعلیم القرآن خط و خطابت سکول فرماتے ہیں کہ جب تک شاہ صاحب مرحوم کی

Marfat.com

صحت نے اجازت دی وہ یہ مقدس فریضہ بخوبی سرانجام دیتے رہے اور فرماتے ہیں کہ میرے علم میں نہیں کہ دنیا کے کسی گوشے سے کسی خواہش مند کا خط آیا ہو اور آپ نے اسے کلام اللہ مہیا نہ کیا ہو۔

سید اختر احسن شاہ مرحوم انتہائی سادہ طبیعت کے مالک تھے چنانچہ آغاز میں اس عظیم مشن کو ایک ایسے کمرے سے شروع کیا کہ اس میں ان کی اپنی نشست گاہ کے علاوہ بمشکل چار کرسیاں اور آسکیں۔ کئی سال کی جدوجہد کے بعد محکمہ اوقاف پنجاب نے شاہ کمال کالونی میں ایک قطعہ اراضی مختصر لیز پر دیا چنانچہ شاہ صاحب نے یہاں ایک عالیشان عمارت تعمیر کی جو ایک وسیع ہال، لائبریری روم، دفتر کے کمرے اور نومسلموں کے لیے عارضی رہائش گاہ پر مشتمل ہے۔

اسلامی مشن کے بانی کی منفرد شخصیت تھی اور ان کی کوششوں کو دیکھ کر بلاخوف و تردید کہا جا سکتا ہے کہ ان کا اسلامی مشن دیگر قائم اداروں میں سے ایک منفرد ادارہ ہے جس میں تقابل ادیان کے موضوع پر اس قدر دقیع اور کثیر لٹریچر موجود ہے اور طبع کرایا۔ افسوس جب وہ چند دن قبل دنیا سے رخصت ہوئے تو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اسلامی مشن کی مطبوعات کی تعداد سینکڑوں میں ہے ان میں فتوے مسائل بھی ہیں اور پمفلٹ بھی اور چند ضخیم کتب بھی اور یہ سب تقابل ادیان کے موضوع پر ہیں۔ غالب تعداد مسیحیت، یہودیت اور دوسرے ادیان باطلہ کی تردید اور محاسن اسلام کی کتب پر مشتمل ہے جن میں سے چند قابل ذکر یہ ہیں۔

حقیقت عسائیت، ایک عیسائی کے خط کا جواب، حضرت مسیح انجیل کے آئینے میں، توحید و تثلیث، الوہیت مسیح، قرآن مجید اور انجیل جدید، موعود مثیل موسیٰ، انجیل میں تضادات، حضرت ابراہیم کی طرف سے منسوبات کذبات، پاکستانی مسیحی اور ان کے عزائم، حقیقت قصص بائبل، عصمت انبیاء، قرآن اور کتب سابقہ کی تنسیخ، زبور سے انکشاف، بائبل میں رد و بدل، اسلام اور سابقہ کتب مقدس، الوہیت و تثلیث، حضرت مسیح کے دوست کون، عیسائیت کا جائزہ، مسیحیت کے چار ستون، اللہ تعالیٰ کا کلام اور حضرت مسیح، مسیح نصیحت نامے، حضرت مسیح کی حقیقی

Marfat.com

تعلیم، سازش کا پردہ چاک ہوتا ہے، رموز تالمود، ہادی اسلام اور حضرت موسیٰ کی تائید، یہودیت، ہندومت، تاریخ سکھ مت، گرونانک جی اور سکھ مت، ہندو دھرم، شوشکتی مہاراج، ہندوؤں کی سیاست، بحضور محمد ﷺ الجہاد فی الاسلام، اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام، دین مبین، ہم مسلمان کیوں ہوئے، قطرہ سے گوہر ہونے تک، قبول اسلام، اسلام ایک نظر میں، اسلام کی خصوصیات، اسلام اور شادی، شراب اور جواء، اسلام کی سچائی، مبلغ اعظم، جرم ارتداد، ناسخ و منسوخ، شان محمد ﷺ، اسلام اردو، اسلام عربی، انگریزی، بے مثل نبی ﷺ، کشش اسلام، حقیقی محبوب خدا، زندہ جاوید قرآن، قرآن اور انبیاء حج مبروک ہمارا کردار قرآن کی روشنی میں، فریضہ تبلیغ اور مسلمان، اسوہ حسنہ، نجات فی الاسلام، محاسن اسلام، سرور کونین ﷺ، تربیت اخلاق۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 19 جولائی 1998ء)

Marfat.com

وزارت تعلیم کا ناظرہ قرآن کریم کے بارے میں دعویٰ

وزارت تعلیم کے نصاب کے مطابق ناظرہ قرآن کریم میں پارہ عم (تیسواں) کا چوتھا ربع شامل نہیں ہے ممکن ہے کہ نصاب کمیٹی کے سامنے یہ بات پیش نظر رہی ہو کہ جب آخری ربع بچوں کو حفظ کرادیا جائے گا تو اب ناظرہ پڑھنے کے لیے اس کو شامل کرنا ضروری نہ رہا۔ لیکن جب نصاب کا تجزیہ کیا گیا تو یہ بات سامنے آئی کہ نصاب میں شامل حفظ اور ترجمہ کی سورتوں کے علاوہ بہت سی سورتیں پھر بھی نصاب میں شامل ہونے سے رہ گئیں جس کی تفصیل آگے ذکر کی جائے گی۔

11۔ سورۃ العصر

(i) تیسری جماعت میں حفظ

(ii) پانچویں جماعت میں ترجمہ

(iii) چھٹی جماعت میں بھی ترجمہ

(iv) نویں و دسویں (لازمی) میں بھی ترجمہ وتشریح

(v) بی اے (لازمی) میں ترجمہ وتشریح

سورہ "العصر" کی اہمیت اور افادیت اپنی جگہ بجا اس سے اختلاف نہیں لیکن پانچویں جماعت کے بعد نصاب کی کتابوں میں اس سورۃ کی جو تفسیر وتشریح کیے بعد دیگرے کی گئی ہے اس سے علم میں کتنا اضافہ ہوتا ہے وہ تو نصاب کمیٹی کے ممبران ہی کے علم میں ہوگا وگرنہ نویں و دسویں جماعت میں اس سورت کی تشریح 14 لائنوں میں اور بی اے کی کتاب "مخزن مطالعہ اسلامیات" میں اسی صورت کی تشریح 13 لائنوں میں ہوئی ہے اگرچہ ایف اے اور بی اے میں اسلامیات کی کتاب بورڈ کی تیار کردہ نہیں ہوتیں لیکن بہرحال وہ نصاب کمیٹیوں کی دی گئی ہدایات کی روشنی میں کم از کم ضرور مرتب کی جاتی ہیں، علمی اعتبار سے ہر دو تشریحات کے مطالعہ سے کوئی معتد بہ اضافہ اور فرق نمایاں نہیں ہوتا تو کیا بہتر نہ تھا کہ بی

Marfat.com

اے میں اس کے علاوہ کوئی ایسی سورت شامل کرلی جاتی جو ابھی تک عم کے آخری ربع میں شامل نہیں ہوسکی اور کم وبیش یہی صورت حال القریش اورالفیل کی سورتوں کے ساتھ بھی ہوئی ہے کہ ان دونوں سورتوں کو چوتھی جماعت میں ترجمہ کے ساتھ پڑھا گیا اور سہ بارہ بی اے میں بھی شامل کردی گئیں جبکہ علمی اعتبار سے کوئی اضافہ بھی نہیں ہورہا ہے۔

12- سورۃ التکاثر

(i) چھٹی جماعت میں حفظ

(ii) آٹھویں جماعت میں ترجمہ وتشریح

(iii) بی اے (لازمی) میں ترجمہ

آٹھویں جماعت میں اور بی اے میں شامل طلبہ کی استعداد بہرحال ایک دوسرے سے بہت مختلف ہوتی ہے۔ بی اے کے علمی اعتبار سے مرتبہ اور مقام اور مڈل کلاس کے مرتبہ میں زمین وآسمان کا فرق ہے اور اسی قسم کا فرق طلبہ کے استعداد لیاقت میں بھی ہوتا ہے لیکن ہردو جماعتوں میں کی تشریح اور تفسیر کرتے ہوئے جو مثالیں پیش کی ہیں ان میں صرف الفاظ کا فرق ہے لیکن مفہوم ومطالب اور تفہیم میں کوئی فرق نہیں دونوں میں سمجھانے کے لیے ایک ہی مثال تحریر کی ہے حالانکہ بی اے کے طلبہ کی ذہنی قابلیت کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ اس سے بہتر مختلف مثالیں بھی دی جاسکتی تھیں تاکہ ایک طالب علم محسوس کرتا کہ جو کچھ وہ مڈل کلاس میں پڑھ کر آیا ہے، اب اس سے آگے علم میں اضافہ ہورہا ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ دونوں درجوں کے مصنفین کا شمار اہل علم، پروفیسرز اور ڈاکٹرز حضرات میں ہوتا ہے۔ اگر دونوں میں صرف اور صرف ''مولوی'' حضرات ہوتے تو یہ پھبتی کسی جاسکتی تھی کہ ''مولوی کا علم'' محدود ہوتا ہے لیکن پروفیسرز اور ڈاکٹر حضرات کی جانب سے صفائی پیش کرتے ہوئے تاویلات کے لیے الفاظ اور محاورات کو تلاش کرنا پڑے گا۔

13- سورۃ القارعہ

(i) ساتویں جماعت میں حفظ

(ii) نویں ودسویں (لازمی) جماعت میں ترجمہ وتشریح

14- سورۃ القدر

(i) ساتویں جماعت میں حفظ

Marfat.com

(ii) نویں و دسویں (لازمی) جماعت میں ترجمہ وتشریح

آخری پارے "عم" کی مذکورہ سورتوں کی تفصیل سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ آرری ربع میں رب بھی (i) سورۃ البینہ (ii) الزلزال (iii) العادیات (iv) التبت، یہ وہ سورتیں ہیں جو ناظرہ، نہ حفظ اور نہ ہی ترجمہ میں شامل کی گئی ہیں اور پھر بھی دعویٰ یہ ہے کہ مڈل تک تمام قرآن کریم کو ناظرہ پڑھا دیا جاتا ہے۔

البتہ اس کے علاوہ کچھ دیگر سورتیں بھی ہیں جو حفظ کرائی جاتی ہیں اور ترجمہ کے ساتھ پڑھائی جاتی ہیں۔

1- سورۃ الفاتحہ

(i) تیسری جماعت میں حفظ

(ii) پانچویں میں ترجمہ

2- آیت الکرسی

(i) چوتھی جماعت میں حفظ

(ii) ساتویں جماعت میں ترجمہ

3- سورۃ التین"

(i) آٹھویں جماعت میں حفظ

4- سورۃ الشمس

(i) ساتویں جماعت میں حفظ

5- سورۃ الاعلیٰ

(i) آٹھویں جماعت میں حفظ

6- سورۃ العادیات

(i) بی اے (لازمی) میں ترجمہ

7- سورۃ الحجرات (ال ح ج رات)

(i) بی اے (لازمی) میں ترجمہ

8- سورۃ الفرقان

(i) بی اے (لازمی) میں ترجمہ

Marfat.com

9- سورۃ البقرہ

(i) ایف اے (اختیاری) میں پہلے بیس رکوع ترجمہ

(ii) بی اے (اختیاری) میں آخری بیس رکوع ترجمہ

10- سورۃ آل عمران

(i) بی اے (اختیاری) میں پہلے 20 رکوع

ان کے علاوہ مڈل سے لے کر بی اے تک قرآن کی مختلف منتخبہ آیات کا ترجمہ و تشریح بھی کرائی جاتی ہے۔

مذکورہ تفصیلات کے بیان کرنے سے یہ امر واضح ہو کر سامنے آتا ہے کہ ایک طالب علم اپنی زندگی کے قیمتی چودہ سال صرف کر کے قرآن کی 114 سورتوں میں سے صرف 24 یا 25 سورتوں کو ترجمہ کے ساتھ پڑھتا ہے اور چھوٹی چھوٹی سترہ (17) سورتوں کو حفظ کرتا ہے گویا 365 دنوں میں صرف 4 لائنیں یاد کر پاتا ہے۔ یہ الگ تفصیل طلب امر ہے کہ آیا یہ تمام کورس پڑھایا بھی جاتا ہے یا صرف کتابوں کے اوراق کے اندر محفوظ ہے اور ان چھوٹی چھوٹی سورتوں میں حقیقتاً اسے کتنی سورتیں یاد اور حفظ کرائی جاتی ہیں۔

وزارت تعلیم حکومت پاکستان کی جانب سے عمل پذیر پالیسی کے اندر ناظرہ قرآن کریم کے بارے میں تاثر یہ دیا گیا تھا کہ تمام قرآن کریم ناظرہ سے پڑھایا جاتا ہے جبکہ فی الواقع 4-5-6-27-28-29 پارے ناظرہ تعلیم میں شامل نہیں ہیں جبکہ اس کے برعکس بعض سورتوں کے حفظ اور ترجمہ کے اندر ایک ہی سورت کو کئی جماعتوں میں بار بار پڑھایا جارہا ہے جبکہ بہترین نصاب وہ ہوتا ہے جو انتہائی مختصر مگر جامع اور مانع ہو ضروری چیزیں رہ نہ جائیں اور غیر ضروری شامل نہ ہو جائیں اگر چہ قرآن کریم کا بار بار پڑھنا برکت سے خالی نہیں طالب علم کے اعتبار سے قلیل مدت میں زیادہ سے زیادہ علم کا حصول بھی پیش نظر رہنا چاہئے تکرار کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

سورہ ''الناس'':۔

(i) پانچویں جماعت میں حفظ

(ii) آٹھویں جماعت میں ترجمہ کے ساتھ

(iii) نویں اور دسویں (لازمی) کے اندر پھر ترجمہ کے ساتھ۔

Marfat.com

بحوالہ:(i)اسلامیات (برائے پنجم) صفحہ 3,1 تاریخ اشاعت مارچ 1997ء
(ii) دینیات (برائے آٹھویں جماعت) صفحہ 25,4 تاریخ اشاعت مارچ 1997ء
(iii) اسلامیات (لازمی) برائے نہم و دوہم (سنی طالبہ) صفحہ 8,7 تاریخ اشاعت مارچ 1997ء یہ تمام کتب پنجاب ٹیکسٹ بورڈ لاہور کی شائع کردہ ہیں۔

جب ایک طالب علم اس سورت کو آٹھویں جماعت میں پڑھ چکا ہے تو پھر دوبارہ اگلے دو سال پھر 9-10 ویں کے اندر) اسی سورت کو دوبارہ پڑھنا ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ آٹھویں کے اندر زیادہ تفصیل و تشریح کے ساتھ لکھی گئی ہے بہ نسبت نویں و دوسویں جماعت کے۔ اس سے بہتر یہ تھا کہ نویں اور دسویں کے اندر اسی کو دوبارہ شامل کرنے کی بجائے کس اور سورہ کا انتخاب کرلیا جاتا تاکہ طالب علم کو قرآن کی تعلیمات کے بارے میں زیادہ آگاہی ہو جاتی اور یہ تکرار کیوں ہوتا ہے اس کی ایک وجہ نصاب کمیٹیوں کا آپس میں عدم تعاون کا رویہ بھی ہے مناسب یہ ہے کہ جب کوئی کمیٹی نصاب تیار کرنے لگے تو اس بات کا مشاہدہ بھی کرے کہ اس موضوع پر پہلے کیا پڑھایا گیا ہے۔ تاکہ ایک ہی چیز کی بار بار تکرار نہ ہونے پائے۔ نیز حکومت ایک طرف یہ الزام عائد کرتی رہتی ہے کہ دینی جماعتیں مذہبی منافرت پھیلاتی ہیں اور ان کے کورسز کے اندر مذہبی طبقہ بندی کی جھلک نظر آتی ہے جبکہ خود حکومت کے تحت چلنے والے تعلیمی اداروں اور نصابوں کے اندر مذہبی طبقہ بندی کا مظاہرہ ہوتا ہے سنی طلبہ کے لیے دینیات کا الگ نصاب اور شیعہ طلبہ کے لیے دینیات کا الگ نصاب۔ اگر اصولی طور پر ایک دفعہ یہ بات تسلیم کرلی گئی ہے کہ فرقوں کی بنیاد پر دینیات اور اسلامیات کا نصاب سرکاری طور پر مختلف ہوسکتا ہے تو پھر دیو بندی اور سنی نصاب کو الگ الگ کرنے کے مطالبے بھی شروع ہوسکتے ہیں اس طرح کی فرقہ بندی کی سرکاری سرپرستی داعیانِ اتحاد کے نزدیک قابل مذمت اور قابل نفرت ہی کہلائے گی۔

سورۃ ''الفلق''

1- پانچویں جماعت میں حفظ۔
2- آٹھویں جماعت میں ترجمہ کے ساتھ
3- نویں و دوسویں میں پھر ترجمہ کے ساتھ

Marfat.com

یہاں بھی تقریباً وہی صورتحال ہے جو اس سے قبل ''سورۃ الناس'' میں تھی۔

سورۃ ''اخلاص''۔

1- تیسری جماعت میں حفظ

2- چوتھی جماعت میں حفظ و ترجمہ

3- چھٹی جماعت میں ترجمہ

4- نویں و دسویں (لازمی) میں ترجمہ

تیسری جماعت سے لے کر دسویں جماعت تک چار مرتبہ 5 سال تک ''اخلاص'' ایک طالب علم کو پڑھائی جاتی ہے جبکہ اس سورت کا صرف چوتھے سال ہی پڑھایا جانا ہی کفایت کر جاتا ہے اور باقی 4 سالوں میں قرآن کی اور دیگر سورتیں شامل کی جاسکتی تھیں کیا دیگر نصابات کے اندر ایک ہی مضمون کو یکساں الفاظ کے ساتھ بار بار پڑھایا جاسکتا ہے کہ ان جماعتوں میں یہ کون سے ایسے ''علماء'' اور ''فضلا'' ہیں جن کے ''تبحر علمی'' کی بناء پر اتنی تفصیلی تشریح اور تفسیر کی جاتی ہوگی۔

سورہ ''النصر''۔

1- تیسری جماعت میں حفظ

2- چوتھی جماعت میں حفظ

3- چھٹی جماعت میں ترجمہ

جب ایک طالب علم تیسری جماعت میں حفظ کر چکا ہے تو اگلے سال پھر دوبارہ حفظ کرنے کا مطالب؟ اس کی بجائے اگر سورہ ''تبت'' شامل کر لی جاتی تو کم از کم اضافہ علمی کے ساتھ ساتھ ترتیب بھی قائم رہتی۔

سورہ ''الکافرون''

1- پانچویں جماعت میں حفظ

سورۃ ''الکوثر''

1- تیسری جماعت میں حفظ

2- پانچویں جماعت میں ترجمہ

3- چھٹی جماعت میں ترجمہ

Marfat.com

4- نویں جماعت و دسویں (لازمی) میں ترجمہ

یہاں بھی پانچویں جماعت کے بعد اگلے سال پھر دوبارہ یہی سورت ترجمہ کے لیے شامل کی گئی ہے ایسا کرنے میں کیا کیا حکمتیں اور فلسفیانہ رموز پوشیدہ ہیں ان کے بارے میں "مرتبین نصاب" ہی بہتر جانتے ہوں گے۔ سورہ "الکوثر" کی فضیلت اپنی جگہ پر بجا اس سے انکار ممکن نہیں لیکن یہ سوال نصابی پس منظر میں کیا جا رہا ہے۔

سورہ "الماعون"

1- پانچویں جماعت میں حفظ

2- آٹھویں جماعت میں ترجمہ وتشریح

3- نویں و دسویں کی اسلامیات (لازمی) میں ترجمہ

گویا اس سورت کو بھی دو مرتبہ مختلف جماعتوں کے اندر بار بار پڑھایا جا رہا ہے۔

1- چوتھی جماعت میں حفظ

2- ساتویں جماعت میں ترجمہ وتشریح

سورہ "الفیل"

1- چوتھی جماعت میں حفظ

2- ساتویں جماعت میں ترجمہ

سورہ "الھمزہ"

1- چھٹی جماعت میں حفظ

2- آٹھویں جماعت میں ترجمہ وتشریح

بہرحال ان تینوں سورتوں کے اندر مناسب طریقہ سے حفظ و ترجمہ کے فوائد کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

وزیر اعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف نے اپنے اقتدار کے دوسرے دور میں پرائمری، مڈل، ہائی، ہائر سیکنڈری سکولز اور کالجوں میں قرآن کریم کو ناظرہ و ترجمہ پڑھنے اور پڑھانے کے بارے میں اعلانات کیئے اور ان جذبات کا اظہار کیا کہ کم از کم جب ایک مسلمان طالب علم میٹرک کرنے سے فارغ ہو تو ایک طرف وہ قرآن کریم کو ناظرہ پڑھنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو جائے تو دوسری طرف قرآن کریم کو باترجمہ بھی پڑھ سکے۔ اعلان

Marfat.com

انتہائی خوش کن تھا اور کسی حد تک ان مقاصد کو حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ بھی تھا جن مقاصد کی تکمیل کے لئے پاکستان معرض وجود میں آیا تھا تقریباً ہر طبقہ فکر نے اس اعلان پر انتہائی مسرت وانبساط کا اظہار کیا۔

اعلان کا صادر کرنا اور اس پر عمل درآمد کرانا ہر دو کا تعلق الگ الگ شعبہ جات سے ہے، تعلیم کے بارے میں وزیر اعظم کے احکامات پر عمل درآمد کرنے کی ذمہ داری بہرحال وزارت تعلیم پر ہے چاہے وفاق سے متعلق ہو یا صوبوں سے چاہے یونیورسٹیوں اور کالجوں کی خود مختاری کی صورت میں ہو یا نیم خود مختاری کی، چاہے یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے احکامات کے تحت نصابات تیار کرنے والی کمیٹیوں کی صورت میں ہو یا صوبائی اور علاقائی ٹیکسٹ بورڈوں کی صورت میں، بہرحال اب تک وزارت تعلیم نے قرآن کی تعلیم کے بارے میں جس کوتاہی، عدم توجہی، سستی اور عدم منصوبہ بندی کا مظاہرہ کیا وہ خود ایک ناگفتہ بہ کہانی اور ناقابل معافی جرم ہے۔

قرآن کی تعلیم کو عمومی طور پر چار اعتبارات سے تقسیم کیا جاتا ہے۔

-1 قرآن کریم کو دیکھ کر پڑھنا جسے عرف میں ''ناظرہ قرآن'' کہتے ہے۔

-2 قرآن کریم کو زبانی یاد کرنا جسے عرف میں ''حفظ قرآن'' کہتے ہیں۔

-3 قرآن کریم کو معنیٰ کے ساتھ پڑھنا جسے عرف میں ''ترجمہ قرآن'' کہتے ہیں۔

-4 قرآن کریم میں موجود احکامات کی حکمتوں کو اور تفاصیل کو جاننا جسے تعلیم وتفہیم قرآن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

موجودہ نصابات کے اندر تیسری جماعت سے لے کر مڈل جماعت تک قرآن کریم ناظرہ پڑھنے کے مواقع فراہم کئے گئے ہیں جن کو صوبوں نے اپنے اپنے ٹیکسٹ بورڈوں کے نصابات کے ذریعے نافذ کیا۔ اس وقت پنجاب ٹیکسٹ بورڈ لاہور کا ناظرہ قرآن کا مرتبہ نصاب پیش نظر ہے جس کے تفصیلی جائزہ سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آئی کہ ناظرہ قرآن کے نصاب میں چار سے لے کر چھ پارے شروع میں اور آخر میں 27 سے لے کر 29 پاروں کو ناظرہ کے کورس میں شامل ہی نہیں کیا گیا یہ پارے ناظرہ قرآن میں سے کیسے رہ گئے یا کیوں غائب کردیے گئے تو اس کا جواب تو متعلقہ بورڈ ہی کے ذمہ ہے لیکن یہ سوال اپنی جگہ موجود رہے گا کہ قرآن کریم جیسی عظیم کتاب کے ساتھ یہ رویہ کیوں اختیار کیا گیا؟ کیا یہ پارے قرآن کریم

Marfat.com

سے (خدانخواستہ) نکل گئے ہیں؟ یا تحریف قرآن کی غیر شعوری کوشش سرزد ہوئی ہے؟

اس وقت پنجاب ٹیکسٹ بورڈ لاہور کا مرتب کردہ اور مروجہ نصاب پیش نظر ہے جس کو قومی ریویو کمیٹی وفاقی وزارت تعلیم اور حکومت پاکستان نے منظور کیا تھا ناظرہ قرآن کریم کی تفصیلی جھلک پیش خدمت ہے:

1- تیسری جماعت: سے ناظرہ قرآن کریم کا آغاز ہوتا ہے جس میں اساتذہ کرام کو ہدایات دی گئی ہیں کہ طلبہ کو پہلا پارہ ناظرہ پڑھائیں (بحوالہ قرآنی قاعدہ (دینیات) برائے جماعت سوم صفحہ 2 تیار کردہ پنجاب ٹیکسٹ بورڈ لاہور تاریخ اشاعت مارچ 1997ء اور آخری ٹائٹل کا صفحہ)

2- چوتھی جماعت: پارہ عم (30) پہلے تین ربع اور پارہ اول مکمل۔

نوٹ: جب پہلے پارے کو تیسری جماعت میں پڑھا دیا گیا تو دوبارہ پارہ اول کو چوتھی جماعت میں شامل کرنے کا مطلب؟ کیا قواعد تلاوت کی بنیاد کو مضبوط و مستحکم کرنا ہے؟ یا ایک چیز کا بار بار تکرار کرتا ہے؟ یا عملی طور پر تیسری جماعت میں نہ پڑھنے کی ہدایات ہوں گی اس لئے دوبارہ چوتھی جماعت میں اس پارہ کو دوبارہ شامل کیا گیا ہے؟ یا بچوں کے ذہنوں میں یہ خیال پیدا کرنا ہے کہ چونکہ وہ اس کو پہلے ہی پڑھ چکے ہیں اس لئے دوبارہ پڑھ کر اپنا وقت اور صلاحیتوں کو کیوں ضائع کریں؟ وغیرہ

بحوالہ اسلامیات (برائے چوتھی جماعت) صفحہ 3 تیار کردہ: پنجاب ٹیکسٹ بورڈ لاہور تاریخ اشاعت مارچ 1997ء

3- پانچویں جماعت: دوسرا اور تیسرا پارہ

بحوالہ: اسلامیات (برائے جماعت پنجاب) صفحہ 1 تیار کردہ: پنجاب ٹیکسٹ بورڈ لاہور تاریخ اشاعت مارچ 1997ء

4- چھٹی جماعت: 7 تا 16 پارے (10 پارے)۔

نوٹ: جب قرآن کریم کو ناظرہ پڑھنا اور پڑھانا مقصد ٹھہرا اور اس مقصد کا آغاز تیسری جماعت سے کیا گیا چنانچہ تیسری چوتھی اور پانچویں جماعت میں تین پارے ناظرہ پڑھائے جا چکے ہیں تو چھٹی جماعت سے چوتھے پارے کا آغاز ہونا چاہئے تھا نہ کہ ساتویں پارے سے اور جب ساتویں پارے سے آغاز کیا گیا تو چوتھا پانچواں اور چھٹا پارہ بچوں نے

Marfat.com

کس جماعت میں پڑھا ہوگا۔ کیونکہ وہ تو پانچویں کے بعد براہ راست چھٹی جماعت میں داخلہ لے رہے ہیں کیا یہ پارے قرآن کریم میں شامل نہیں؟ جبکہ یہ شامل ہیں تو پڑھائے کیوں نہیں جارہے؟

(بحوالہ دینیات، برائے چھٹی جماعت فہرست مضامین تیار کردہ: پنجاب ٹیکسٹ بورڈ لاہور تاریخ اشاعت مارچ 1997ء)

نوٹ: اس وقت چھٹی جماعت میں لغتہ القرآن، کے نام سے قرآن کے ترجمہ کا آغاز کیا گیا جس پر آئندہ قسط میں گفتگو ہوگی۔ انشاءاللہ

5- ساتویں جماعت: 17 تا 26 پارے

بحوالہ: دینیات (برائے ساتویں جماعت) صفحہ 4 فہرست مضامین تیار کردہ پنجاب ٹیکسٹ بورڈ لاہور تاریخ اشاعت مارچ 1997)

6- آٹھویں جماعت: بحوالہ دینیات برائے آٹھویں جماعت (تاریخ اشاعت مارچ 1997)

اسلامیات (لازمی) برائے نہم و دہم (تاریخ اشاعت مارچ 1997)

اسلامیات (اختیاری) برائے نہم و دہم (تاریخ اشاعت مارچ 1997)

کی کسی کتاب کے اندر 26 پارے سے لے کر 29 پارے تک قرآن کریم کے ناظرہ پڑھنے اور پڑھانے کے بارے میں کوئی ہدایات نہیں دی گئی یہاں پھر یہی سوال ابھرتا ہے کہ یہ پارے ناظرہ قرآن میں کیوں شامل نہیں کیے گئے؟

جب 4-5-6-27-28-29 اور 30 پارے کا آخری ربع پارے تو اس میں شامل ہی نہیں تو یہ دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے کہ آٹھویں تک طلبہ اور طالبات کو قرآن کریم مکمل ناظرہ پڑھا دیا گیا ہے۔

(روزنامہ جنگ لاہور 5 اپریل 1998ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

وزارت تعلیم کا ترجمہ قرآنِ کریم

وفاقی وزارت تعلیم، حکومت پاکستان، اسلام آباد نے وزیراعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف کے قرآن کریم کو باترجمہ پڑھانے کے سلسلے میں اپنی روایتی ''ڈنگ ٹپاؤ'' پالیسی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ''لغتہ القرآن'' کے نام سے چھٹی جماعت سے اس نیک کام کا آغاز کیا اور یہ کتاب خوبصورت ٹائیٹل سے مزین ستمبر 1997ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی اور حسب دستور یہ کتاب مارکیٹ میں ماہ اکتوبر کے آخر میں خدا خدا کر کے طلبا کو دستیاب ہو سکی اور کتاب کے شروع میں یہ اطلاع بھی دی جا رہی ہے کہ اس کو پنجاب ٹیکسٹ بورڈ لاہور شائع کر رہا ہے جو سالانہ امتحان 98-1997ء کے لیے ہوگی۔ اگرچہ عمومی طور پر اسکولز کے سالانہ امتحانات ماہ مارچ میں منعقد ہوتے رہے ہیں لیکن اس سال ''مردم شماری'' میں اساتذہ کرام کی شرکت کی بنا پر ماہ فروری ہی میں امتحانات لے لیے گئے اور اس طرح اساتذہ کرام کو پڑھانے اور طلبہ کو پڑھنے کے لیے صرف 4 ماہ دستیاب ہو سکے۔ ان چار ماہ میں اساتذہ کرام نے کتنا پڑھایا ہوگا اور طلبہ نے کتنا پڑھا ہوگا، پاکستان کے تعلیمی ماحول میں اس کا جواب ہر ایک کو معلوم ہے۔

نصاب کا تعین اور اس کے مواد کا انتخاب ہمیشہ طلبہ کی عمر اور ان کی استعداد کو پیش نظر رکھ کر کیا جاتا ہے اور نصاب کمیٹی میں ان اہل علم کو بھی شامل کیا جاتا ہے جو براہ راست اس نصاب کی تدریس و تعلیم سے متعلق ہوتے ہیں اور اس کا ابلاغ جن کے فرائض میں شامل ہوتا ہے لیکن نصاب کمیٹیوں کے مؤلفین کی فہرست سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ عام طور پر ان میں اہل علم اور اسکالرز تو شامل ہوتے ہیں لیکن اس جماعت کے پڑھانے والے اساتذہ کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے جنھیں یہ نصاب پڑھانا ہے۔ طلبہ کی مشکلات کیا کیا ہیں؟ ان کے رجحانات کس امر کے متقاضی ہیں؟ ان کی ذہنی اپروچ کس قسم کی ہے؟ نصاب کو کس انداز سے ترتیب دیا جائے تو طلبہ اس سے بآسانی استفادہ کر سکیں؟ نفسیاتی طور پر طلبہ میں پیش کردہ

Marfat.com

مواد کو قبول کرنے کی صلاحیت کتنی ہے؟ اور قبول و اخذ کرنے کی قابلیت کو کس حد تک بروئے کار لا سکتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان اور ان جیسے امور کو پیش نظر رکھ کر نصاب ترتیب دیا جاتا ہے۔

''لغتہ القرآن'' میں جن امور کو پیش نظر رکھنا چاہیے تھا کہیں کہیں ان امور سے اعراض ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ چھٹی جماعت میں عام طور پر 11 سے 12 سال کی عمر کے طلبہ ہوتے ہیں جن کی اردو اس معیار کی نہیں ہوتی جس معیار کی سمجھ لی گئی ہے اور نہ ہی بامحاورہ الفاظ کا ذخیرہ ان کے پاس اس عمر میں ہوتا ہے جتنا تصور کر لیا گیا ہے۔ اگرچہ دل کو خوش کرنے کے لیے یہ جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ چلئے اس بہانے انھیں اپنی اردو کی صلاحیت میں اضافہ کرنے کا موقع حاصل ہو جائے گا۔ ایک طرف قرآن کا ترجمہ بھی آ جائے گا اور دوسری طرف اردو کے الفاظ سے آگاہی بھی حاصل ہو جائے گی لیکن یہ جواب دیتے ہوئے ذہن سے یہ بات کیوں فراموش ہو جاتی ہے کہ خدانخواستہ اگر طالب علم کے ذہن نے اس ''معیار'' کو قبول نہ کیا تو اس کا نقصان صرف ''اردو'' کو نہیں ہوگا بلکہ ردعمل کے طور پر بچے کے ذہن میں یہ بات نقش ہو جائے گی کہ چونکہ قرآن کریم کا بامحاورہ ترجمہ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا اس لیے اسے یاد کرنے یا اس پر محنت کرنے سے کیا فائدہ؟ عبارت کے رٹنے سے کماحقہ، وہ فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا ہے جس فائدے کو حاصل کرنے کے لیے اتنی تگ و دو کی جا رہی ہے؟ ملک میں موجودہ ''تعلیمی معیار'' کی روشنی میں یہ کیسے تصور کر لیا گیا ہے کہ چھٹی جماعت کا بچہ عربی کا بامحاورہ ترجمہ سمجھ جائے گا جبکہ ''لغتہ القرآن'' میں عربی کے لغوی اور بامحاورہ ترجمہ کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کے لیے اور سمجھانے کے لیے ایک الگ استاد کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہو۔ صرف ''ایک طبقہ'' کو خوش کرنے کے لیے طلبہ کی تعلیمی صلاحیت اور اخذ کرنے کی استعداد کو کیوں فراموش کر دیا گیا؟ صرف ایک ''گروہ'' کو خوش کرنے کے لیے کہ اس ''گروہ'' کا ایک نمائندہ ''ترجمہ'' بھی شامل نصاب ہے اس کے علاوہ اس کو شامل نصاب کرنے کا کیا جواز ہے؟ اس ناعاقبت اندیش فیصلہ سے بچوں کے ذہنوں میں غیر شعوری طور پر یہ بات پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ قرآن اتنی مشکل کتاب ہے جس کو سمجھنا ہمارے بس میں نہیں ہے۔ وہ کام جو شوق سے کیا جائے اور وہ عمل جو مجبوری سے کیا جائے ہر دو کے عمل اور نتیجے میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے جس کا نتیجہ مثبت کی بجائے منفی شکل میں اکثر نکلا کرتا ہے۔

''لغتہ القرآن'' برائے چھٹی جماعت کے لیے نمونہ کے طور پر لفظی ترجمہ اور

Marfat.com

بامحاورہ ترجمہ کے چند نمونے پیش خدمت ہیں جس سے قارئین چھٹی جماعت کے طلبہ کی مشکلات کا بخوبی اندازہ کرلیں گے۔ یادرہے کہ لفظی ترجمہ پاکستان کے تدریسی، تعلیمی اور علمی میدان کے مشہور استاد جناب حافظ نذر احمد صاحب کا ہے جس میں ایک ایک عربی لفظ کا آسان اور سہل انداز میں ترجمہ بھی کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی نچلی سطر میں اردو کا بامحاورہ ترجمہ بھی کیا ہوا ہے چونکہ دونوں ترجمے ایک ہی مترجم نے کیے ہیں اس لیے لفظی اور بامحاورہ ترجمہ میں کوئی مشکل اور دو رنگی نہیں پائی جاتی اور طالب بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ خالق کائنات کیا فرمانا چاہتا ہے مزید برآں کہ اس لفظی اور بامحاورہ ہر دو تراجم پر تینوں ممالک کے علماء کی تائید بھی حاصل ہوئی ہے جبکہ بامحاورہ ترجمہ ایک مخصوص گروہ کے نمائندہ ''ادبی شخصیت'' کا ہے جنھوں نے اپنے علمی اور فکری انداز میں بامحاورہ ترجمہ کیا ہے اور جس بامحاورہ ترجمہ کا لغۃ القرآن کے لفظی ترجمہ کے ساتھ مطابقت نہ ہونے کی بنا پر طالب علم ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

قرآن کے الفاظ کے تقدس کے پیش نظر صرف اردو کے ترجمہ کے الفاظ پیش خدمت ہیں، عربی الفاظ کو قرآن کریم سے دیکھ لیا جائے۔ (شکریہ)

سورۃ فاتحہ کی پہلی سطر اور پہلی دو آیتوں کا ترجمہ جو 'لغۃ القرآن'' میں لکھا ہوا ہے۔

لفظی ترجمہ:

تمام تعریفیں اللہ کے لیے، رب، تمام جہان، جو بہت مہربان، رحم کرنے والا۔

بامحاورہ ترجمہ:

سب طرح کی تعریف اللہ ہی کو (سزاوار) ہے، جو تمام مخلوقات کا پروردگار ہے۔ بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

نوٹ: لغۃ القرآن میں دیے گئے لفظی ترجمہ میں پہلے لفظ کا ترجمہ ''تمام تعریفیں'' کیا گیا ہے جبکہ بامحاورہ ترجمہ میں ''سب کی طرح تعریف'' کیا گیا ہے اسی طرح ''تمام مخلوقات کا پروردگار'' کا لفظی ترجمہ میں موجود ہی نہیں ہے۔ بچہ پریشان ہوتا ہے کہ لفظی ترجمہ میں تو یہ لفظ ہی نہیں ہے تو بامحاورہ میں یہ لفظ کہاں سے آ گیا۔ گویا قرآن کے ترجمہ کو جس طرح ڈھالنا چاہے ڈھالا جاسکتا ہے۔

اب اس کو سمجھنا پڑے گا کہ ''رب، تمام جہاں'' کا مطلب وہی ہے جو ''تمام

Marfat.com

مخلوقات کا پروردگار'' کا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اب آپ حافظ نذر احمد کا انھیں آیات کا بامحاورہ ترجمہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ آپ خود محسوس کریں گے کہ لفظی اور بامحاورہ ترجمہ میں کس قدر مطابقت ہے اور بچے کو کس قسم کی ذہنی پریشانی کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑے گا۔

بامحاورہ ترجمہ:

''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے، بہت مہربان، رحم کرنے والا ہے۔''

یہ ''خوش کن'' آغاز ہے سورہ فاتحہ کے ترجمہ کا اور اسی طرح کی صورت حال سے ہر سطر میں بچہ ذہنی پریشانی میں مبتلا ہوتا رہتا ہے۔ جس کی مزید مثالیں آئندہ پیش کی جائیں گی۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان پر حقیقی اقتدار اور حکمرانی کی دولت سے کھیلنے والے ''طبقہ اشرافیہ'' (جسے عرف عام میں ''نوکر شاہی'' یا ''بیوروکریسی'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ لفظ ''اسلامیہ جمہوریہ'' کو جس قدر ''غیر موثر'' کیا جا سکے، کیا جائے اور کوئی ایسا موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے جس کے ذریعے لفظ ''اسلامیہ'' کی پاکستان میں ''خوشبو'' اور ''حس'' محسوس کی جا سکتی ہو۔ اس لیے نوکر شاہی کو جب بھی حکمران یا عوام کے ہاتھوں مجبور ہو کر کوئی ایسا قدم اٹھانا پڑے جس سے مسلمانوں کو دینی اور مذہبی اعتبار سے فائدہ حاصل کرنے کا موقع مل سکتا ہو تو اسے غیر محسوس طریقے سے ''سبوتاژ'' کر دیا جائے اور اس طریقہ کار میں اس موضوع پر قائم کردہ ''کمیٹیوں'' کے کندھوں پر بندوق رکھ کر ''وہ'' اپنا مقصد حاصل کر لیتی ہے اور حکمرانوں کو بے وقوف بناتے ہوئے ''بھاری بھرکم'' رپورٹ پیش کر دی جاتی ہے تو آپ کے ''حکم'' کی تعمیل کر دی گئی ہے، اس لیے اس رپورٹ پر دستخط فرما کر جاری کرنے کے احکامات صادر کر دیے جائیں۔ حکمرانوں کے پاس نہ اتنا وقت ہوتا ہے نہ ہی ایسی اہلیت کے حامل ہوتے ہیں کہ وہ بھاری بھرکم رپورٹ کا تفصیلی مطالعہ کر سکیں اور اس کے نتائج کا ادراک کر سکیں، اس لیے وہ بھی منسلکہ رپورٹ کے ''خلاصہ'' پر اکتفا کرتے ہوئے دستخط فرما دیتے ہیں اور ''خلاصہ'' عموماً رپورٹ کے مندرجات سے مختلف ہوتا ہے نیز کمیٹیوں کے اجلاس میں نوکر شاہی کا نمائندہ کمیٹی کے ارکان کو اپنی عملی مجبوریوں، بین الاقوامی تقاضوں اور گرد و پیش ممالک کے حالات کا ایسا نقشہ کھینچتا ہے کہ میٹنگ میں بیٹھے ہوئے ''نام نہاد''

Marfat.com

ممبران متاثر ہوئے بنا نہیں رہتے اور ساتھ ساتھ یہ تاثر بھی دیتا ہے کہ اس کے پاس انتہائی ''اہم راز'' ہیں جن کا افشاء ملک کے مفاد کے خلاف ہے، اس لیے وہ اپنے ''قومی جذبات'' کو بیان کرنے سے قاصر ہے چنانچہ خوبصورت انداز میں اپنے مقاصد کی ''رام کہانی'' سنا کر اپنے مقصد کی رپورٹ اکثریتی بنیاد پر حاصل کر لیتے ہے اور اگر کوئی ممبر اس ''رام کہانی'' کے پس پردہ عوامل سے آگاہ ہو اور اپنے موقف پر اصرار کرے تو اسے یہ کہہ کر چپ کرا دیا جاتا ہے کہ آپ کو اختلاف کرنے کا مکمل حق حاصل ہے۔ اس لیے آپ بے شک ''اختلافی نوٹ'' لکھ کر اپنی رائے کا اظہار فرما سکتے ہیں اور ایک دو ممبران کی رائے ''جمہوریہ'' کی چکی کے دونوں پاٹوں میں پس کر اپنی اہمیت کھو بیٹھتی ہے اور اس طرح اکثریتی رپورٹ کے بل بوتے پر اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کر لی جاتی ہے۔ ادھر اختلاف رائے کا اظہار کرنے والا ممبر ''اختلافی نوٹ'' لکھ کر اپنے آپ کو عند اللہ بری الذمہ قرار دے کر ''ثواب دارین'' حاصل کر لیتا ہے۔ ''نوکر شاہی'' کے چشم و ابرو پر قربان ہونے والے ممبر اپنی جگہ خوش کہ آئندہ مزید میٹنگوں میں شرکت کے چانسز پیدا ہونے کے امکانات واضح ہو گئے اور اختلاف رائے والا اپنی جگہ ''حق گوئی'' کے فرض سے عہدہ برآ ہونے پر نازاں۔ کچھ اسی طرح کا ''حسن سلوک'' لغتہ القرآن کے ترجمہ کے ساتھ ہوا ہے کہ لفظی ترجمہ والے اصحاب اپنی جگہ خوش کہ انھیں محنت کیے بغیر کیا کرایا ''لفظی ترجمہ'' دستیاب ہو گیا اور اتنی تکلیف بھی گوارا نہ کر سکے کہ اخلاقی اعتبار ہی سے سہی نصاب میں شامل کردہ ترجمہ کرنے والے مترجم کا شکریہ بھی ادا کر دیتے اور بامحاورہ ترجمہ شامل کرانے والے اپنی جگہ خوش کہ انھوں نے اپنے مسلک کا ترجمہ شامل کرا کر ''دین'' کی خدمت کا حق ادا کر دیا۔ باقی رہا یہ سوال کہ بامحاورہ ترجمہ شامل کر کے طلبہ کو کیا فائدہ حاصل ہوگا، یہ نہ ان کے سوچنے کا مسئلہ ہے اور نہ ان کی دردسری۔ اس دردسری کا مداوا طلبہ کریں یا ان کو پڑھانے والے اساتذہ کرام وزارت تعلیم کا اس سے کیا تعلق؟

اگر دوسروں کی محنت سے استفادہ کرنا ہی مقصود ٹھہرا تھا تو بہتر ہوتا جہاں حافظ نذر احمد صاحب کے لفظی ترجمہ کو شامل کیا ہے، اسی کے ساتھ ساتھ انہی کا بامحاورہ ترجمہ بھی شامل کر دیا جاتا تا کہ کم از کم طلبہ کو تو قرآن فہمی میں ذہنی انتشار کا شکار نہ ہونا پڑتا اور اس طرح نوکر شاہی کی ''ڈنگ ٹپاؤ'' پالیسی میں کچھ تو تدبیر کی جھلک نظر آتی۔ ان کے لفظی ترجمہ کو نصاب میں شامل کر کے عملاً اس امر کا اقرار کیا ہے کہ ان کا لفظی ترجمہ صحیح ہے۔ جب لفظی اور بامحاورہ

Marfat.com

ترجمہ ایک جیسا ہی ہے تو ایک حصہ کو شامل نصاب کر کے اور دوسرے حصہ کو کیوں خارج کیا گیا اور خاص طور پر حکومت کے زیر اہتمام تعلیمی سرکاری اداروں میں یہ طرز عمل قابل نفرت، قابل مذمت اور قابل افسوس ہے۔ اس سے جس قدر اجتناب کیا جائے، اتنا ہی ملک اور اسلام کے لیے بہتر ہے۔

''لغتہ القرآن'' چھٹی جماعت میں شامل ترجمہ کی طلبہ کے لیے مشکل اور پریشان کن مزید مثالیں پیش خدمت ہیں۔

سورۃ فاتحہ آیت نمبر 3,4 کا لفظی ترجمہ (عربی عبارت کے لیے قرآن سے رجوع فرمایئے شکریہ!) لفظی ترجمہ عربی الفاظ کی ترتیب کے اعتبار سے:

مالک، دن، بدلہ، صرف تیری ہی، عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے، ہم مدد چاہتے ہیں۔

بامحاورہ ترجمہ:

انصاف کے دن کا حاکم (اے پروردگار) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے مدد مانگتے ہیں۔

نوٹ: بامحاورہ ترجمہ میں ''انصاف کے دن کا حاکم (اے پروردگار)'' کے الفاظ اگر لفظی ترجمہ کے عین مطابق ہیں تو وہاں نہ تو ''انصاف'' کا لفظ ہے اور نہ ''حاکم'' کا اور نہ ہی ''اے پروردگار'' کے الفاظ ہیں۔ طالبعلم پھر اردو کی لغت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہاں دیکھتا ہے کہ اس مقام پر ''انصاف'' کے لفظ کو ''بدلہ'' کے معنی میں اور لفظ ''حاکم'' کو ''مالک'' کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ تب جا کر اسے لفظی اور بامحاورہ ترجمہ میں مطابقت نظر آئے گی۔ اس کے برعکس اگر حافظ نذر احمد صاحب کے بامحاورہ ترجمہ ہی کو لفظی ترجمہ کی طرح شامل نصاب کر لیا جاتا تو طالبعلم کسی ذہنی پریشانی کا شکار نہ ہوتا کیونکہ انھوں نے لفظی ترجمہ ہی کے الفاظ کو بامحاورہ ترجمہ میں سمو دیا ہے۔ ان کا بامحاورہ ترجمہ یہ ہے۔

''بدلہ کے دن کا مالک ہے، ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔''

اس طرح ترجمہ کرنے والے طالبعلم کو لفظی و بامحاورہ ترجمہ کرنے میں کسی قسم کی ذہنی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا ہے۔

Marfat.com

سورۃ فاتحہ ہی کی آیت 5 اور 6 کا ترجمہ

لفظی ترجمہ

ہمیں ہدایت دے، راستہ سیدھا، رستہ، ان لوگوں کا، تو نے انعام کیا، ان پر

بامحاورہ ترجمہ (لغتہ القرآن کا)

''ہم کو سیدھے رستے چلا، ان لوگوں کے رستے جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا رہا۔''

نوٹ: یہاں بھی الفاظ ''چلا''، ''رستے'' اور ''اپنا فضل و کرم'' کے الفاظ لفظی ترجمہ میں استعمال نہیں ہوئے جبکہ حافظ نذر احمد صاحب کا بامحاورہ ترجمہ اس طرح ہے۔

''ہمیں سیدھے راستہ کی ہدایت دے، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔''

سورۃ فاتحہ کی ساتویں کا ترجمہ

لفظی ترجمہ:

نہ غضب کیا گیا، ان پر، اور نہ، جو گمراہ ہوئے۔

بامحاورہ ترجمہ (لغتہ القرآن)

''نہ ان کے، جن پر غصے ہوتا رہا اور نہ گمراہ ہوں گے۔''

نوٹ: اس ترجمہ کے اندر بھی ''غصے'' اور ''ہوتا رہا'' کے الفاظ لفظی ترجمہ میں استعمال نہیں ہوئے جبکہ حافظ نذر احمد کا بامحاورہ یہ ہے۔

''نہ ان کا جن پر غضب کیا گیا اور نہ ان کا جو گمراہ ہوئے۔''

ان دونوں بامحاورہ ترجموں کے اندر بخوبی دیکھا جا سکتا ہے کہ لفظی ترجمہ کے مطابق بہتر ترجمہ کون سا ہے۔

معلوم نہیں مولفین کو ''نوکر شاہی'' کی ہدایات کی روشنی میں ''لغتہ القرآن'' کے تراجم میں معصوم طالبعلموں کے ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی ''غیر معصومانہ'' حرکت کا ادراک اور احساس کیوں نہ ہو سکا؟

(روزنامہ جنگ، لاہور 17 اپریل 1998ء)

♥ …… ♥ …… ♥

Marfat.com

تقسیم اعزازات اور تقریب اعزازات

سول اور ملٹری ایوارڈ کے لیے شخصیات اور شعبوں کا انتخاب کسی بھی قوم اور حکومت کی ملکی اور بین الاقوامی معاملات کے تناظر میں اس کی ترجیحات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس قوم یا ملک یا حکومت کے نزدیک ترقی کرنے کی ترجیحات کیا کیا ہیں۔ ترقی یافتہ اقوام اور ممالک اپنی ترجیحات میں ملکی اور قومی مفادات کے ساتھ ساتھ زمینی حقائق کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں جبکہ غیر ترقی یافتہ یا ترقی پذیر حکومتیں اپنی ترجیحات میں سطحی، عارضی، ظاہری اور غیر مستقل امور کو پیش نظر رکھتی ہیں ان کے نزدیک غمزدہ اور دکھوں کے مارے ہوئے "عوام" کو خوش کرنے والے اقدامات ہی قابل ترجیح قرار پاتے ہیں۔ ایٹمی توانائی، ٹیکنالوجی، سائنس اور اس سے متعلقہ جملہ شعبہ جات، طب، طبیعات، انجینئرنگ، الیکٹرونکس، زرعی ترقیاتی معاملات، تخلیقی، اصلاحی اور فکری ادب، ملک کے تحفظ اور بقاء کے فوجی اور عسکری معاملات کو اگر شامل کرنا پڑ جائے تو بادل ناخواستہ شامل کر لیتے ہیں لیکن اصل ترجیح ناول نگاری، ثقافتی ترقی، فن موسیقی، فن لوک موسیقی، طبلہ نوازی، رقص و سرود، اداکاری اور کھیلوں کو حاصل ہوتی ہے اور جب حکومتوں پر برسراقتدار حکمران اور ان کے حواری "غیر نظریاتی" ہوں تو آخرالذکر امور میں کارکردگی اور حوصلہ افزائی اولین اہمیت اختیار کر لیتی ہیں اور اول الذکر کی حیثیت ثانوی ہو جاتی ہے۔ کھیلوں کی اہمیت، فن، موسیقی کی چاشنی اور ناول نگاری کی افادیت سے انکار نہیں ان کی حیثیت اپنے اپنے مقام پر بجا سہی لیکن جیتی جاگتی، چلتی پھرتی اور رواں دواں دنیا میں زندہ قومیں اپنی منزل کسی اور چیز ہی کو قرار دیتی ہیں وہ فن موسیقی اور اداکاری سے کہیں زیادہ معاش و اقتصاد کی الجھی ہوئی ڈوروں کی گانٹھوں کے کھولنے میں صرف کر کے اپنا اقتدار اور تسلط برقرار رکھتی ہیں۔

موجودہ برسراقتدار مسلم لیگ حکومت کے بارے میں عوام اپنے ذہنوں میں کچھ اس قسم کا تاثر قائم کر بیٹھے ہیں جس کے اندر پاکستانیت اور اسلامیت کی آمیزش کے ساتھ ساتھ زمانے کے ہاتھوں دگرگوں معیشت کو سنبھالا دینے والے اقدامات کو اپنی ترجیحات میں شامل

Marfat.com

کرنے کی حقیقی روح کی جھلک بھی نظر آئے لیکن بیوروکریسی کے ہاتھوں یرغمال ہونے کی بناء پر وہ کچھ نہیں کر پا رہی جو کچھ وہ چاہتی ہے۔ امسال ملٹری اور سول ایوارڈز عطا کرنے والی ایوان صدر کی تقریب میں بھی حسب سابق جاری روایات کی مثال برقرار رکھی گئی چنانچہ تقسیم اعزازات کے موقع پر جس طرح ''سول ایوارڈز'' حاصل کرنے والی شخصیات کا اجمالی خاکہ پیش کیا گیا اسی طرح ''ملٹری ایوارڈز'' حاصل کرنے والی شخصیات کا اجمالی خاکہ بھی پیش کیا جاتا تو کہیں زیادہ بہتر تھا تاکہ سامعین کے ساتھ ساتھ ملک کے نشریاتی اداروں پر دکھائی جانے والی رپورٹوں کے ذریعے عوام اپنے ''جانباز مجاہدوں'' کے کارناموں سے واقف ہو جاتے۔ جہاں 80 شخصیات میں سے 58 شخصیات کا تعارفی خاکہ پیش کیا گیا وہاں مزید 22 شخصیات کا تعارف پیش کر دیا جاتا تو کوئی فرق نہ پڑتا۔ ملک و وطن اور قوم کے ''محافظین'' کے کارناموں سے آگاہی قوم میں ''حب الوطنی'' کے جذبات پیدا کرتی ہے۔ ''ہلال امتیاز (ملٹری) حاصل کرنے والی شخصیات کے کارناموں کا تذکرہ اگرچہ حکومت کی شائع کردہ فہرست ایوارڈز میں موجود ہے لیکن اس کو حاصل کرنا ہر ایک کے بس میں بھی نہیں ہے اور اگر فہرست ایوارڈز میں موجودگی کفایت کرتی ہے تو پھر سوال ایوارڈز حاصل کرنے والی شخصیات کا بھی تو تذکرہ موجود ہے تو اس تقریب میں ان کا تعارفی خاکہ کیوں پیش کیا گیا؟ یہ ترجیحی سلوک کم از کم محافظین وطن و قوم سے نہیں ہونا چاہئے اس طرح کی غیر محسوس حرکتیں ''بیوروکریسی'' کے ہاتھوں سرزد کرائی جاتی ہیں اور حکومتی عہدیدار، یرغمال ہونے کی بنا پر ''خاموش تماشائی'' بنے نظر آتے ہیں۔

اس سال یوم پاکستان کے موقع پر ملک کا اعلیٰ ترین اعزاز ''نشان امتیاز'' ملک کی ایک نامور ''گلوکارہ'' اور پاکستان کے ازلی دشمن بھارت کے ایک نامور ''گلوکار'' اور پاکستان کے ازلی دشمن بھارت کے ایک نامور ''اداکار'' کو دے کر ایک طرف حکومت نے ملک کی ترقی کے بارے میں اپنی ترجیحات کی نشاندہی کر دی ہے اور دوسری طرف عورت اور مرد میں عدم مساوات کا ڈھنڈورا اور اپیٹنے والوں کا بھی منہ بند کر دیا کہ حکومت کے نزدیک اس معاملہ میں کسی قسم کی ''منافقت'' نہیں ہے اور یہی وہ اعزازات ہیں جس پر ملک کے عوام اور اہل قلم دو آراء میں تقسیم ہو چکے ہیں خاص طور پر ''نقلی ہندو'' کے نام سے دھوکہ کھانے والے محب وطن پاکستانیوں کے لیے ''سوالیہ نشان'' بن کر ''بنیاد پرستوں'' کو حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کا ''ہتھیار'' ہاتھ آ گیا ہے سوال یہ نہیں کہ اس ''ہتھیار'' کو ''بنیاد پرستوں'' کے ہاتھ میں کس نے دیا بلکہ اعتراض یہ ہے کہ ''بنیاد پرست'' اس ''ہتھیار'' کو حکومت کے خلاف کیوں

Marfat.com

استعمال نہیں کر رہے ہیں وہ حکومت کی مجبوریوں کو کیوں نہیں سمجھتے؟ وہ حکومت کی اعلیٰ ظرفی کا احترام کیوں نہیں کرتے؟ وہ اس نکتہ نظر سے اس معاملے کو کیوں نہیں دیکھتے۔ جس نکتہ نظر سے حکومت کے مشیر دیکھتے ہیں؟ وہ پاکستانی اور غیر پاکستانی ہندو اور غیر ہندو کے خول میں اپنے آپ کو ہندو اور غیر ہندو کے خول میں اپنے آپ کو بند کیوں کر بیٹھے ہیں؟ وہ انسانیت کے عالمگیر وسیع میدان میں معاملات کو کھلی آنکھوں سے کیوں نہیں دیکھنا چاہتے؟ وہ ابھی تک ماضی کے جھروکوں میں جھانک جھانک 1965ء اور 1971ء کی جنگوں میں کارگزاری کا حوالہ کیوں تلاش کرتے ہیں؟ وہ اس روشن مستقبل کی جانب کیوں نہیں دیکھتے جس میں ''آقا'' برصغیر میں ''امن و امان'' کی ایک نئی بساط بچھانا چاہتا ہے؟ وہ بار بار دونوں کی ''خدمات جلیلہ'' کا مقابلہ پاکستانی پس منظر میں کیوں کرتے ہیں؟ وہ ملکہ ترنم کی خدمات جلیلہ جس کا اظہار 1965ء اور 1971ء کی جنگوں میں ''ملکہ ترنم'' نے اپنی سحر انگیز اور جادو بھری آواز میں وطن پاکستان کے عزت و آبرو کا تحفظ کرنے والے جانبازوں اور وطن کی عصمت پر قربان ہونے والے ''جوانوں'' اور ''شہبازوں'' کے جذبات کو ابھارا تھا اور انہیں ''جام شہادت'' قبول کرنے کی ترغیب دینے میں اپنا فرض ادا کیا تھا جبکہ اسی میدان اور مقام و مرتبہ کا اعزاز پانے والی دوسری شخصیت نے ان ہی ہر دو جنگوں میں اپنے ملک کے حق میں جنگ کرنے والوں کی دامے درمے قدمے سخنے مدد کی تھی اگرچہ اس شخصیت پر اپنے وطن کے حوالے سے ایسا کرنا قطعاً معیوب نہ تھا لیکن کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ اگر ان دونوں کو اس اعزاز کا مستحق گردانا جانا ضروری تھا اور یہ حکومت کی مجبوری تھی تو اس سال ان دنوں کو بیک وقت اعزاز نہ دیا جاتا اور کم از کم ایک سال کا وقفہ دے کر اعزاز سے نوازا جاتا اور ویسے بھی حکومت کے ''چابی والے'' محکمہ کے نزدیک ''وقفہ'' بہت ضروری ہے کہ اس طریق سے 1965ء اور 1971ء میں جان کا نذرانہ پیش کرنے والے شہداء کے ورثاء کے زخموں پر نمک تو نہ چھڑکا جاتا کسی بھی باوقار اور عزت والی قوم کے لیے دین و وطن پر قربان ہونے والے شہداء کے ورثاء سے زیادہ محبوب افراد کوئی اور نہیں ہوا کرتے۔

حکومت کی پالیسیوں اور اس کے کیے ہوئے فیصلوں پر عمل پیرائی میں کس قدر استحکام پایا جاتا ہے اس کا تجزیہ کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ صرف اتنا کرنا پڑے گا کہ ایک طرف گزشتہ سالوں کے صدور، وزراء اعظم اور دیگر محکمہ جات کے وزراء کے بیانات اور

Marfat.com

احکامات کی ایک تفصیل بنالیجئے اور دوسری طرف ان فیصلوں اور احکامات پر عمل درآمد ہونے کی ایک فہرست بنالیجئے تو خود بخود یہ چیز واضح ہو کر سامنے آجائے گی کہ حکومت کی پالیسیوں اور احکامات میں کس قدر استحکام اور ثبات پایا جاتا ہے۔ اگر اس دعویٰ کو مبالغہ پر محمول نہ کیا جائے تو بمشکل 10 فیصد پالیسیاں جوں کی توں اپنے مقرر کردہ اہداف کو حاصل کرنے میں کامیابی سے ہمکنار ہوتی ہیں ورگرنہ اکثر حالات کے تقاضوں کی بدلتی ہوئی غیر متوقع صورت حال سے دوچار ہو کر اپنی موت آپ مرجاتی ہیں اور کم وبیش یہ ''سلوک'' ''ان کے'' احکامات سے کیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ پالیسیاں خوبصورت اور آرائش شدہ ''ڈرائنگ رومز'' میں آرام دہ ''کرسیوں'' پر ''خنک'' ماحول میں بنتی ہیں اسلئے جیسے ہی ان کا عمل کی تپیدہ ''بھٹی'' سے گزران ہوتا ہے تو پالیسیوں کی ''خنکی'' تھوڑے ہی عرصہ میں پانی کے قطروں میں تحلیل ہو کر خشک اور عمل سے ''بنجر زمین'' میں جذب ہو کر اپنا نشان بھی کھو دیتی ہیں اور طرفہ تماشا یہ بھی ہے کہ پالیسیوں میں ٹھوس منصوبہ بندی بروئے کار نہیں لائی جاتی بلکہ وقتی طور پر عوام کے جم غفیر اور ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں غوطہ زن ہو کر اپنے محکوم عوام کو خوش کرنے کے لیے نعروں کے جواب میں ''جواب آں غزل'' کے طور پر ''ہوائی اعلانات'' کر دیئے جاتے ہیں اور بعد میں جب اعلانات کاغذی شکل میں ''بیوروکریسی'' کے ہتھے چڑھتے ہیں اور وہ سونے پر سہاگہ چڑھانے کے عمل میں مصروف کار ہوجاتی ہے تو قوانین وضوابط کی آڑ میں ''ہوائی اعلانات'' اپنی روح سمیت ہواؤں اور فضاؤں میں گم ہو جاتے ہیں اور اس طرح انتہائی خوبصورتی سے ''بیوروکریسی'' اپنے آپ کو ان معاملات سے نکال لیتی ہے باقی رہا اعلان پر بجا آوری کا معاملہ تو وہ حکمران جانیں یا ان کے محکموں عوام اور ''مخدوم حکمران'' اور ''خادم عوام'' کے ''ذاتی معاملہ'' میں دخل اندازی کرنیکا حق کس طرح ''کسی'' کو دیا جاسکتا ہے؟

یہ ''کہانی'' اسی طرح بار بار دہرائی جاتی ہے اور جاتی رہے گی۔ صرف گزشتہ سالوں میں سے صرف ایک سال کی مختلف عنوانات سے قائم ہونے والی ''کمیٹیوں'' اور بلدیاتی انتخابات کے ''عزم بالجزم'' سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اس کے برعکس جب ''بیوروکریسی'' یا خود حکمران اپنی ''مجبوریوں'' یا ''خواہشوں'' کے پس منظر میں کسی پالیسی یا حکم پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیتے ہیں تو پھر چاہے ساری قوم ایک طرف ہو کر دوسرے کیمپ میں چلی جائے، عوام کے جذبات کیا ہوں؟ اہل الرائے افراد کی

Marfat.com

رائے کیا ہو؟ وطن کے تقاضے کس بات کے متقاضی ہوں؟ ملکی مفاد کس امر سے وابستہ ہے؟ حب الوطنی کے آئینے میں کوئی رائے کتنی ہی بہتر انداز سے پیش کی جارہی ہو سب کی حیثیت صفر کی مانند ہو جاتی ہے اور اس پالیسی یا حکم پر عمل درآمد ہر طرح کی روکاوٹوں کو دور کرتے ہوئے عمل کراہی لیا جاتا ہے اور اگر وہ پالیسی یا حکم "آقا" نے دیا ہے تو وہ پھر غلام حکمرانوں اور محکوم عوام کی کیا مجال کہ اس میں کوتاہی کے گناہ کے مرتکب بھی قرار پائیں۔ ان کو جوں کا توں نافذ کرایا ہی جاتا ہے البتہ احکامات کے نفوذ میں وقت کی "مہلت" "عطا" کردی جاتی ہے۔

کچھ ایسی قسم کی صورتحال "بیوروکریسی" کی جانب سے پیش کردہ تجاویز، سفارشات اور آراء کی ہوتی ہے اور اپنے مقاصد کے حصول میں جو "ملکہ" اس کو حاصل ہے اس کے ثانی ہونے کا دعویٰ کوئی اور کر ہی نہیں سکتا۔ وہ اپنے مطلب کی کے لیے حسین الفاظ کا انتخاب کر کے بظاہر بے ضرر عبارات کا جامہ پہنا کر بڑی چابک دستی سے اپنے کام نکال لیتی ہے تقریب تقسیم اعزازات میں "دلیپ کمار" کے بارے میں تعارفی جملوں میں بیان کردہ عبارت سے اس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے اسی طرح "مردم شماری" کے بارے میں زیر ترتیب پروگراموں پر عمل درآمد کی مثال بھی موجود ہے کہ "حریفوں" اور "حلیفوں" کے اختلافات کے باوجود، مزاحمتی کارروائیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے "بنیادی کوائف" حاصل کر لئے گئے۔ خدا سے دعا یہی ہے کہ اس "مردم شماری" کی حاصل شدہ معلومات سے نتائج حاصل کرنے کی توفیق عطا فرماتے ہوئے ان سے "ہمیں" ہی استفادہ کرنے کا موقع بھی عنایت فرمائے خطرہ یہی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ ملک کی اہم اور بنیادی معلومات حاصل کرنے کی جدوجہد اور کوششیں "سرحدی" اور "علمی" دنیا کے "محافظین" کرتے رہیں اور ان سے فائدہ "کوئی اور" حاصل کر جائے۔ ہم منصوبہ سازی ہی کرتے رہ جائیں گے اور منصوبوں پر عمل "کوئی اور" کر جائے۔ ہم فائلوں پر "ٹاپ سیکرٹ" ہی لکھتے رہیں اور ان کا ذخیرہ "آقاؤں" کے حضور پیش ہو بھی چکا ہو۔ ویسے بھی اب ملکی مفادات پر مبنی اعداد و شمار کی سیکریسی اور ان کے تحفظات کے بارے میں "فکر مند" ہونا بے فائدہ ہی نظر آتا ہے کیونکہ ان قوتوں کے ہاتھ اتنے لمبے ہو چکے ہیں کہ ملک کی کس کس خفیہ چیز کا "انہیں" علم نہیں ہے؟ ان تمام "توہمات" اور "خطرات" کے باوجود حکومت وقت نے مردم شماری کرا ہی لی کیونکہ اسکے پیچھے نادیدہ ہاتھوں کے علاوہ "بیورو کریسی" کی بھی قوت تھی، البتہ وہ پالیسیاں جن میں صرف اور صرف عوام کا فائدہ ہی ہوتا ہے ان میں تبدیلیوں کا ہر آن خطرہ لگا ہی رہتا ہے جو دل کی دھڑکنوں کی تیز کرتا رہتا ہے اور اگر وہ

Marfat.com

پایہ تکمیل کو پہنچ جائیں تو ''کرامت'' کے وقوع پذیر ہونے کا ''گمان'' ہونے لگتا ہے۔

اگرچہ گزشتہ سال کے ماہ اگست میں ہی اس سال دیئے جانے والی شخصیات کے اعزازات کا اعلان ہو چکا تھا اور اعلان ــــ ساتھ ہی ''ایک نام'' پر عوام کی جانب سے مختلف آراء کا اظہار بھی شروع ہو چکا تھا اور جوں جوں اعزاز کے دیئے جانے کا وقت قریب آتا گیا یوں یوں دبے دبے الفاظ کا احتجاج، احتجاجی نعروں کی گونج میں تبدیل بھی ہوتا ہے رہا لیکن ''ثابت قدم'' حکمرانوں نے حسب سابق اس قسم کے احتجاج کا کوئی اثر بول نہیں کیا کیونکہ جب کوئی مسئلہ ''اختلافی رنگ'' اختیار کرلیتا ہے تو حکومت اور بیوروکریسی اس سے دو فائدے حاصل کرتی ہے۔ اگر پروگرام پر عمل کرنا ''طے شدہ'' امر ہے تو حکمرانوں کے کانوں میں یہ بات ڈالی جاتی ہے کہ یہ ''حزب اختلاف'' کرتا ہے اسلئے آپ ایسے اختلافات کی پرواہ نہ کریں اور اپنا ''فرض'' ادا کریں اور اگر اس کام کے کرنے کا ارادہ نہیں ہوتا تو پھر ''اس کام'' کو اختلافی مسئلہ قرار دے کر سرخ فیتے کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ ''اسلام'' کے نفاذ کے بارے میں اس طرح کے ''سلوک حسنہ'' کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔

اور اگر مسئلہ ثقافتی، فلمی، عریانی، فحاشی کی اشاعت و ترویج سے متعلق ہو تو پھر حکمرانوں کو اپنے مؤقف پر ڈٹ جانے کے مشورے دیئے جاتے ہیں کہ یہ ''بنیاد پرست'' تو کسی طور پر بھی نہیں چاہتے کہ آپ دنیا میں ناموری حاصل کریں۔ ان ''بنیاد پرستوں'' کے ذہن انتہائی چھوٹے ہوتے ہیں۔ ان کی سوچوں کا دائرہ صرف ایک ''منجمد نقطہ'' پر مرکوز ہوتا ہے یہ صرف اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجدوں میں محدود رہنا چاہتے ہیں، انہیں کیا علم کو دنیا کے ثقافتی تقاضے کیا ہوتے ہیں اور یہ ''آپ کے'' ترقی کی جانب بڑھنے والے ہر قدم کے مخالف ہیں۔ اسلئے آپ کی بالکل پرواہ نہ کریں۔ یہ خود بخود گلے پھاڑ پھاڑ کر شور مچا کر چپ ہو جائیں گے اور اس طرح ''اختلافی مسئلہ'' قرار دے کر اس پر عمل کرنے کو حکمرانوں کی ''انا'' کا مسئلہ بنا دیا جاتا ہے۔ جس سے ایک قدم پیچھے ہٹنا حکمرانوں کی بزدلی اور کمزوری قرار دیا جاتا ہے۔

محمد یوسف عرف دلیپ کمار کے اعزاز دلائے جانے ہیں، بیوروکریسی اور مشیروں نے اس کردار کا مظاہرہ کر کے حکمرانوں کے لیے ایک اور مزید عظیم ''چوٹی'' سر کرنے کا اعزاز دلا دیا۔

بیوروکریسی ''زندہ باد''

مشیران پائندہ باد

Marfat.com

اعزازات کیلئے شخصیات کے انتخاب کرنے والی کمیٹی نے کافی غور وخوض کے بعد ہی دشمن ملک کے ''عظیم'' اداکار کا انتخاب کیا ہوگا۔ اعزاز عطا کرنے کے ثبوت میں کچھ حوالے ماضی سے حاصل کئے ہوں گے اور کچھ ''خواب'' مستقبل کے بارے میں بزعم خود دیکھے ہوں گے۔ مستقبل کی تمناؤں اور خواہشوں کے ''سپنوں'' کو عملی شکل اختیار کرنے میں ''نشان امتیاز'' حاصل کرنے والی شخصیت کیا طرز عمل اختیار کرتی ہے اس کا ثبوت تو ہندوستان واپس جا کر کر ہی حاصل کیا جا سکے گا۔ ''مصنوعی'' نہیں بلکہ ''حقیقی'' سرحدوں کے عبور کرنے کے بعد ہی'' تبدیلی ذہن'' کا اندازہ کیا جا سکے گا۔ ''انسانیت'' کے جذبات کے حوالے سے ''ایک انسان'' کی دعا تو یہی ہے کہ وہ ان تمام ''آرزوؤں'' کو عمل میں ڈھال سکے جن کو پیش نظر رکھ کر'' منتخبہ کمیٹی'' نے اعزاز عطا کیا ہے لیکن حکومت کے کار پردازوں کے ذہن سے یہ بات کیوں نکل جاتی ہے کہ ہندوستان کا مسلمان پاکستان کے مسلمان سے کہیں زیادہ'' وطن پرست'' ہے۔ پاکستان کے قیام کی مخالفت کرنے والوں نے ان کے اذہان میں یہ خوب خوب کوٹ کوٹ کر بھرنے کی کوشش کی ہے کہ قومیں ''مذہب'' سے نہیں بلکہ ''اوطان'' سے بنتی ہیں، چاہے کوئی سرکاری اور غیر سرکاری وفد کا کوئی نمائندہ ہی کیوں نہ ہو وہ اپنے آپ کو ''بھارتی مسلمان'' کہلانے میں ذرا بھر ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا وہ پاکستان کے نام نہاد اور مصنوعی اداکاروں، فنکاروں اور دانشوروں کی طرح چند'' عارضی مسکراہٹوں'' کے تبادلہ میں سرحدوں کی'' مضبوط اور مستحکم'' دیواروں کے توڑنے کے نعرے مارنے میں ''مست'' نہیں ہو جاتا۔ وہ ''جام و سبو'' کے رنگین محفلوں میں رقصاں ''دوشیزاؤں'' کے تھرکتے ہوئے جسموں اور پاؤں کی چھنکار کی'' سرسراہٹوں میں'' ''گرتی ہوئی دیواروں کو ایک دھکا اور دو'' کے پاگل پن کا مظاہرہ نہیں کرتا۔ وہ بدبودار منہ سے، بے ہنگم جھاگوں کی ''جگالی'' میں ''تو من شدی من تو شدم'' کی'' بکواس'' نہیں کرنے لگتا۔ کیونکہ وہ اس'' کیفیت'' میں بھی زمینی حقائق سے آگاہ رہتا ہے۔

پاکستانی دانشوروں، مفکروں، مشیروں اور حکمرانوں کو بے پایا محبتوں کو'' سمیٹ'' کر لے جانے والا'' جوڑا'' اب تک اپنے'' پیارے وطن'' کو واپس بھی جا چکا ہوگا اور وہاں جا کر بھارت کے ہندوؤں اور مسلمان کیلئے پاکستان کی خیر سگالی کے جذبات کے ''سفیر'' کے روپ میں ''اداکاری'' کے جوہر دکھا بھی رہا ہوگا اور ایک محب وطن پاکستانی کی دعا بھی یہی ہونی چاہئے کہ پاکستانیوں نے پے در پے تجربات کے نتیجے میں حاصل ہونے والے'' زخموں'' کے

Marfat.com

باوجود اپنی قومی ''انا'' کی بہت بڑی قربانی پیش کردی ہے کاش! وہ اس قربانی کا صلہ'' ہندو معاشرہ'' کے باسیوں سے عشر عشیر کی صورت ہی میں وصول کرسکے تاکہ حکمران مستقبل میں مزید'' قربانیوں'' کے پیش کرنے کا ایک ''تسلسل'' قائم کرسکیں ۔ نہ جانے'' رجعت پسند'' بھولے بھالے'' پاکستانیوں'' کے ذہنوں میں یہ بات بار بار کیوں دہراتے رہتے ہیں کہ جو شخص صرف اپنے'' حسن مستقبل'' کی خاطر'' پشاوری مسلمان'' ہونے کے باوجود اتنا بھی نہ کرسکا کہ کم ازکم ہندوستان ہی میں رہنے کے باوجود اپنے''مسلم نام'' ہی سے پکارے جانے میں فخر اور اصرار کرتا تاکہ ہندوستان میں رہنے والے مسلمان بھی فخر سے یہ بات کہہ سکتے کہ ہمارا بھی ایک نمائندہ فلمی دنیا ہی میں سہی ہندو اداکاروں پر فوقیت رکھتا ہے وہ اداکاری کرتے کرتے اتنا کمزور کیوں ہوگیا کہ اپنی اصل شناخت سے بھی عرف عام میں ہاتھ دھو بیٹھا۔ اس کی اصل شناخت کیلئے کیوں بتانا پڑتا ہے کہ وہ'' دلیپ کمار'' نہیں بلکہ'' محمد یوسف خان'' ہے۔ وہ ہندو نہیں بلکہ ایک مسلمان ہے۔ چھوٹے چھوٹے معصوم سے پاکستانی بچوں سے جب یہ کہا جاتا ہے کہ یہ ''فلمی'' نہیں بلکہ'' اداکاری'' نام ہے تو پھر وہ حیرت سے پوچھتے ہیں کہ اگر پاکستان نہ بنتا تو کیا ہمیں بھی اونچا مقام حاصل کرنے کیلئے''ہندوانہ نام'' رکھنے پڑتے؟ کیا ہمیں بھی چہروں پر مصنوعی خول چڑھا کر اور'' تلک'' لگا کر'' نمستے''،'' نمستے'' کہنا پڑتا؟ اگر اصلی نام کو چھپا کر ہی ترقی کے زینہ پر قدم رکھنا ضروری تھا تو پھر دیگر مسلمان فن کاروں، شاعروں، ادیبوں نے اپنے مسلمانوں والے ناموں کو کیوں نہیں بدلا؟ اگر نام بدل کر ہی فن میں یکتائی کا حاصل کرنا ضروری تھا تو پھر ہندوستان کے ماضی اور حال کے دیگر سیاسی، مذہبی، روایتی اور ثقافتی میدان تک میں عروج حاصل کرنے والوں نے اپنے اپنے نام ہندوانہ ناموں میں تبدیل کیوں نہیں کیئے؟ پھر وہ وزارتی، گورنری، صدارتی اور سفارتی عہدوں پر اپنے مسلمانوں والے ناموں ہی سے کیسے پہنچ گئے؟ شاید ان کا ایمان اور ایقان ہندوانہ معاشرے میں رہنے کے باوجود انتہائی مضبوط اور مستحکم تھا اور انہیں اپنے آپ کو مسلمانوں والے ناموں سے پکارے جانے میں کسی قسم کی شرمندگی اور احساس کمتری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا۔ بعض'' دل جلے'' تو یہ بھی کہتے سنے گئے جس شخص کے کردار کی پختگی کا یہ عالم ہے کہ وہ اصلی نام کی حفاظت کی ''تاب'' نہیں سہہ سکتا اس سے یہ توقع کرنا کہ وہ ہندوانہ معاشرے میں مسلمانوں کی اخلاقی اور انسانیت کے نام پر مدد کرے گا۔ اپنے آپ کو دھوکہ دینے اور خوش فہمی میں مبتلا رکھنے سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ باکسنگ کا بے تاج بادشاہ'' محمد علی کلے'' بھی تو'' محمد علی'' ہونے سے پہلے

Marfat.com

عیسائیوں والے نام سے پکارا جاتا تھا لیکن اس نے تو اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے پہلے والے نام کے ساتھ پکارا جانا قبول نہ کیا بلکہ بانگ دہل دنیا کو بتایا کہ اب مجھے صرف اور صرف ''محمد علی'' کے نام سے ہی پکارا جائے اس نے تو یہ عذر پیش نہیں کیا کہ نام میں کیا رکھا ہے انسان ''اندر'' سے مسلمان ہونا چاہئے۔ اس نے تو یہ تاویل نہ کی کہ پھول کو جس نام سے بھی پکارا جائے وہ پھول ہی کہلائے گا۔ گلاب کے پھول کو جس نام سے بھی پکارا جائے تو خوشبو تو گلاب کے پھول ہی کی ہوگی۔ نام کے بدلنے سے تو خوشبو کی ''بو'' بدل تو نہیں جائے گی۔ اس لئے ''محمد یوسف'' کو اگر ''دلیپ کمار'' کے نام سے پکارا بھی لیا جائے تو اندر سے تو ''محمد یوسف'' ہی ہوگا۔ اصل میں یہی ''اصلی'' اور ''نقلی'' کا وہ فرق ہے جو رنگ کے اندر اور سٹیج کے اوپر اداکاری کے کرشمے کی صورت میں ناظرین کو نظر آتا ہے۔ رنگ کے اندر کا ''صاحب کردار'' شخص ''کاسیس کلے'' سے ''محمد علی کلے'' ہو جاتا ہے اور سٹیج کا کردار ادکاری کرتے کرتے محمد یوسف سے ''دلیپ کار'' ہو جاتا ہے۔ ''یوسف خان'' کو اعزاز دیئے جانے پر اعتراض کرنے والے ابھی اس بات کا اندازہ نہیں کر پائے کہ پاکستان کی حکومت نے پاکستانی اعزاز عطا کر کے ''دلیپ کمار'' کو کس ''امتحان'' میں ڈال دیا ہے۔ ہندوستان کا ہندو لاکھ زبان سے ''سیکولر'' ہونے کا دعویٰ کرتا رہے لیکن وہ ''اندر'' سے اتنا ہی بڑا ہندو ثابت ہوتا ہے جتنا کم سے کم تصور کیا جاسکتا ہے وہ اپنے سیکولر ملک میں کسی بھی مسلمان کو ہندوان کے کسی بھی بڑے سے بڑے عہدہ پر فائز ہوتا ہوا تو دیکھ کر اسے برداشت کرسکتا ہے لیکن یہ نہیں برداشت کرسکتا کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا مسلمان بھی پاکستان کے بارے میں ہندوستان میں رہتے ہوئے ''کلمہ خیر'' بھی کہہ سکے۔ اعزاز پاتے وقت ''محمد یوسف'' کے نام سے پکارے جانے کو ہندو اپنی فطرت کے مطابق اس بات کو کبھی فراموش نہیں کر سکیں گے کہ ہم جسے ''دلیپ کمار'' ''دلیپ کمار'' پکار پکار کر تھک گئے وہ اندر سے تو ''محمد یوسف'' نکلا ''ستم بالائے ستم'' وہ اندر سے تو پاکستان کا خیر خواہ بھی نکلا۔ وہ ''دلیپ کماری'' کی آڑ میں مسلمانوں اور انسانیت کی خیر خواہی چاہے گا تو پاکستان کا ''پٹھو'' کہلائے گا اور اگر خاموش رہے گا تو پاکستان کے حکمرانوں کی تمناؤں اور آرزوؤں کا ''خون'' کرے گا۔ پاکستان نے اپنے خیر خواہ کو کس ''امتحان'' سے دو چار کر دیا۔ ''نہ پائے رفتن نہ جائے ماندان''

(روزنامہ جنگ لاہور 31 مارچ 1998ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

پاکستان کے حکمران ہوش کے ناخن لیں

وزیراعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف صاحب، اپنے اردگرد گھیرا ڈالنے والے افراد پر سرسری اور طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے، کبھی رات کی تنہائیوں میں اپنے پروردگار کے حضور انتہائی عاجزی وانکساری سے پیش ہوتے ہوئے اس کی رہنمائی کے طالب ہوں تو انھیں محسوس ہوگا کہ ان کے چہار اطراف کو کس قسم کے ''فرشتوں'' نے گھیرا ہوا ہے اور انھیں تعریف کے خوبصورت الفاظ میں ایسی راہ پر چلانا چاہتے ہیں جس میں پیارے وطن ''پاکستان'' کی بنیادوں کو مسمار کرنا ہو۔

پاکستان کو معاشی، اقتصادی، سائنسی، صنعتی اور دفاعی اعتبار سے مضبوط کرنے کی ہر تجویز چاہے وہ کسی بھی طرف سے پیش ہو، سرآنکھوں پر لیکن پاکستان کو مذہبی اسلامی، ثقافتی، تمدنی اور تہذیبی اعتبار سے راہ ہدایت سے بھٹکانے والی اور مقاصد پاکستان کو نقصان پہنچانے والی یا فراموش کرنے والی ہر خواہش، تجویز اور رائے قابل رد اور قابل نفرت ہوگی۔ چاہے وہ اقتدار پر فائز کسی بھی اہم شخصیت کی جانب سے ہی کیوں نہ ہو۔ اقتدار پر فائز ہونے کا مطلب نہیں ہے کہ اقتدار کا سہارا لیتے ہوئے ملک کی بنیادوں کو کمزور سے کمزور تر کر دیا جائے۔

پاکستان کے باشعور افراد نے گزشتہ انتخاب میں بذریعہ ووٹ ایسی قیادت کو منتخب کیا تھا جو مذہب کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے ملک کو ترقی سے ہمکنار کرے گی۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ پاکستان کو گزشتہ دور کے حکمرانوں نے انتہائی بیدردی سے ''شیرمادر'' سمجھتے ہوئے نہ صرف لوٹا بلکہ معاشی اور اقتصادی اعتبار سے ناقابل تصور نقصان پہنچایا لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اس معاشی اور اقتصادی نقصان کی تلافی کے لیے ایسے ذرائع اختیار کیے جائیں، ایسے اسباب کو تلاش کیا جائے اور ایسی راہوں کا انتخاب کیا جائے جو نظریہ پاکستان کے سراسر خلاف ہوں، جو پاکستان کی بنیادوں کو کمزور کرنے

Marfat.com

کا باعث ہوں اور جو بحیثیت مسلمان خدا اور جل جلالہ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کی واضح تعلیمات کے خلاف ہوں۔

گزشتہ دنوں اسلام آباد میں یک روزہ ''نیشنل ٹورازم کانفرنس'' حکومت کے زیر انتظام منعقد ہوئی اور جس میں موجودہ حکومت کے ''نفس ناطقہ'' وزیراعظم کے مشیر برائے اطلاعات و سیاحت سید مشاہد حسین مہمان خصوصی کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ جس میں ملک بھر کے سیاحت سے متعلق شعبوں سے تعلق رکھنے والے 20 افراد نے شرکت کی ''سعادت'' حاصل کی۔ جن میں سرکاری اور غیر سرکاری مندوبین نے 21 ویں صدی سے ہم آہنگ کرنے کے حوالے سے حکومت کی جاری شدہ سیاحتی پالیسی پر کڑی تنقید کی اور اس میں بنیادی تبدیلیاں لانے کی ضرورت پر زور دیا۔ سیاحت کی انڈسٹری سے متعلق شرکاء نے وزیراعظم نواز شریف کے مشیر سیاحت ''سید مشاہد حسین'' کو متعدد تجاویز پیش کیں (جن کو انھوں نے نہایت خندہ پیشانی بسر و چشم قبول کیا، وسیع النظری کا مظاہرہ کرتے ہوئے سنا اور حسب روایت انھیں پورا کرنے کا وعدہ کیا)

کراچی کے فائیو سٹار ہوٹل شیرٹن کے جنرل مینیجر مسٹر نک نے کانفرنس میں اپنی تجاویز پیش کرتے ہوئے کہا کہ اگر بین الاقوامی طور پر ہمیں سیاحت کو فروغ دینا ہے تو پھر اس معاملے میں بعض پابندیوں کو ختم کرنا ہوگا تاکہ بیرونی ممالک خصوصاً یورپ اور امریکہ کے سیاح یہاں آتے ہوئے کسی قسم کا ''خوف'' اور ''ڈر'' محسوس نہ کریں۔ یاد رہے کہ اس ''خوف اور ڈر'' کا تعلق ملک کی امن و سلامتی، ڈاکے چوری چکاری، قتل و غارت، لوٹ مار، کرپشن، انسانی جان و مال کی حفاظت سے نہیں کیونکہ اس وقت ملک ان تمام معاملات میں ان کے خیال میں انتہائی پرسکون حالات سے گزر رہا ہے بلکہ اس ''خوف اور ڈر'' کا تعلق آزادانہ شراب نوشی اور صنف نازک کی عفت و عزت کے پامال کیے جانے والے حسین مواقع کی محرومی سے ہے جس کی بناء پر وہ پاکستان کے رہے سہے اسلامی معاشرہ کو تباہ و برباد کرنے کے اسباب اور ذرائع سے حسب عادت و فطرت استفادہ نہیں کر پا رہے اور جس کا انھیں انتہائی قلق ہے اور انھیں حکومت کے نمائندے کے سامنے اپنی اس تجویز کو پیش کرتے ہوئے کسی قسم کی اخلاقی شرمندگی محسوس نہیں ہوئی اور نہ اس بات کو پیش نظر رکھا کہ وہ ایک اسلامی مملکت میں

Marfat.com

براجمان ہیں چنانچہ انھوں نے اپنی تجویز میں کہا کہ پاکستان کے سیاحتی مقامات پر وائین اور بیئر پینے پر پابندی نہیں ہونی چاہیے۔ اس طرح حکومت کو پیسہ بھی حاصل ہوگا اور سیاح بھی زیادہ آئیں گے۔

ان تجاویز کے پیش ہونے پر حکومت کے مشیر نے کسی بھی طرح اپنے اندر موجود اسلامی غیرت کا مظاہرہ نہیں کیا؟

مملکت اسلامیہ کے ایک مسلمان حکومت کے نمائندہ ہونے کے اعتبار سے ان پر کون کون سے فرائض ہوتے ہیں، انھیں اس کا احساس کیوں نہ ہوا؟

اگر وہ اپنے آپ کو اسلامی حکومت کے نمائندہ خیال کرتے تو کیا ان پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا تھا کہ وہ اس کانفرنس میں کھل کر اسلامی حکومت کا نسل انسانی کی فلاح و بہبود کے پیغام اور پروگرام کی وضاحت کرتے؟

ملک کے معاشرتی پرسکون ماحول کو اسلام دشمنوں کے ہاتھوں نہایت عیاری، ہوشیاری اور چالاکی سے تہہ و بالا کیے جانے پر اپنی حمیت اسلامی کا مظاہرہ کرتے؟

اپنے جوابی خطاب میں شیرٹن ہوٹل کے جنرل مینیجر مسٹر نک کو اور ان کی طرح دیگر تجاویز پیش کرنے والے افراد اور مہمانان کو نہایت خوبصورت انداز میں سمجھاتے اور بتاتے کہ وہ ایک اسلامی مملکت کے اندر تجاویز پیش کر رہے ہیں جن کی اپنی اخلاقی تعلیمات بھی ہیں۔ اس کے پاس اپنا بھی تفریحی پروگرام ہے۔ اس کے نزدیک زندگی گزارنے اور اس سے لطف اندوز کے اپنے طریقے ہیں۔ حکومت کی بھی اپنی کچھ ترجیحات ہیں، خوشی اور مسرت کے مواقع سے لطف اندوز ہونے کا اس کے پاس بھی مکمل پروگرام ہے۔

افسوس صد افسوس حکومت کے اس رویہ پر ہے کہ ایک ہفتہ گزرنے کو ہے لیکن ان تجاویز کے پیش کیے جانے پر حکومت کا اپنا رویہ ابھی تک سامنے نہیں آیا کہ کیا وہ ان تجاویز سے متفق ہے یا نہیں؟

بلکہ اس نے تو صوبائی سطح پر ''بین الصوبائی ٹورازم کانفرنس'' منعقد کرنے کا پروگرام بنایا ہے اور ان مقامات یعنی گوادر، شندور، مری، موہنجوڈارو کے منتخب کیے جانے پر حکومت کے ناپاک ارادوں کی بخوبی غمازی ہو رہی ہے جو ہر اعتبار سے قابل مذمت ہے۔

Marfat.com

ناپاک اور غلیظ ذرائع سے ترقی حاصل نہیں ہوا کرتی۔ اس کا انجام وہی ہوتا ہے جو آج تک ماضی کے اندر ہوتا رہا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

''کیا انھوں نے زمین میں سفر نہ کیا کہ وہ دیکھتے کہ ان سے اگلوں کا انجام کیا ہوا۔ وہ تعداد میں ان سے زیادہ تھے ان کی قوت بھی زیادہ تھی اور ان کی نشانیاں (محل، عمارات، خوبصورت مناظر) بھی زیادہ تھے۔ لیکن جو انھوں نے کمایا اور ان کے کس کام آیا۔''

سابق حکمرانوں سے اقتدار منتقل ہونے پر، موجودہ حکومت کو ''عاشی ورثہ'' میں ''ملکی خزانہ'' بالکل خالی ملا ہے۔ یا حکومت کی غلط پالیسیوں پر عمل پیرا ہونے سے ''ملکی خزانہ'' خالی ہو جائے گا۔ بہر حال ہر وہ صورتوں میں سننے کو یہی ملے گا کہ ''ملکی خزانہ'' خالی ہو چکا ہے۔

اقتدار کے متوالے اور حکومت کے ''خیر خواہ''...... ''ہمدرد'' ''چہیتے'' ''مشیران اقتصادیات''...... ''ماہرین معاشیات'' اور ملکی و غیر ملکی ''مالیاتی اداروں'' سے وابستہ افراد اور فورم ایک سے ایک بڑھ کر اور سبقت لے جانے میں ''ملکی خزانہ'' کو بھرنے کی تجویزوں پر تجویزیں پیش کرنے کی ''دوڑ'' میں اپنے اپنے مفادات اور مقاصد کے پس پردہ مصروف عمل ہیں۔

اسلام آباد کی ''نیشنل ٹورازم کانفرنس'' میں ''ملکی خزانہ'' کو بھرنے کے بارے میں جو تجاویز پیش ہوئی ہیں، وہ حکومت وقت کے ''مخلصین'' نے نہایت ''اخلاص'' کے ساتھ حکمرانوں کے نمائندوں اور مشیروں کے سامنے پیش کرنے کی ''سعادت'' حاصل کی ہے اور حکمرانوں کو یہ بات نہایت ''احسن طریقے'' سے سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ ان کا ''اقتدار'' اسی صورت میں ''دوام'' پا سکتا ہے جب ان کے ''آقا'' یا ان کے ''آقاؤں کے ملک کے ''سیاح'' اپنے ''غلاموں'' کے ''حضور'' کرم نوازی فرماتے ہوئے تشریف لانے کا تکلف فرمایا کریں تو غلام اپنے آقاؤں کی جائز و ناجائز اور جا و بے جا خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کسی قسم کی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ تو کیا؟ تصور تک نہ کریں۔

ان آقاؤں کے سیاحوں کی محفلوں کی رونق دوبالا کرنے کے لیے اپنے مذہب کی تعلیمات کو پس پشت ڈالنا پڑ جائے تو اس سے دریغ نہ کریں۔

کیونکہ ملک کا خزانہ خالی ہے اور اس کا بھرنا ہم پر لازم ہے۔

Marfat.com

ان کی مجلسوں کے آداب بجالانے کے لیے اپنی عزت و عصمت کے پردوں کو تار تار کرنا پڑ جائے تو ایسا کرنے میں کسی قسم کی خجالت محسوس نہ کریں۔

کیونکہ ملک کا خزانہ خالی ہے......

ان سیاحوں کی ''تاریک راتوں'' کو ''شمع محفل'' کے ذریعے ''منور'' کرنے کا اشارہ بھی ملے تو اس شمع محفل کا مہیا کرنا ضروری ہے۔

کیونکہ ملک کا خزانہ خالی ہے......

ان سیاحوں کے ''پیاسے جسموں'' کو جام وسبو سے سیراب کرنا پڑ جائے تو ان کے چشم ابرو کے اشاروں سے پہلے اس کا مہیا کرنا ہمارا اخلاقی فرض ہے۔

کیونکہ ملک کا خزانہ خالی ہے......

ان کے ''تھکے ماندہ'' جسموں کو ٹکراتے ہوئے شراب کے جاموں سے اطمینان و سکون پہنچانا ہماری تہذیبی روایات کا مظہر ہے اور ان روایات کو زندہ کرنا ضروری ہے۔

کیونکہ ملک کا خزانہ خالی ہے......

پاکستان کے حسین مناظرے دیدار سے لطف اندوز ہونے کے بعد ان کی تھکی ماندہ نگاہیں کسی حسینہ کی تلاش میں سرگرداں نظر آئیں تو دبیز پردوں میں ملبوس تخلیقی حسن کے شاہکار مہیا کرنا آداب سیاحت کا تقاضا ہے اور ان تقاضوں کی تکمیل ہمارے لیے ضروری ہے۔

کیونکہ ملک کا خزانہ خالی ہے......

برف پوش وادیوں کی سیاحی میں جب ان کے ''کمزور اور لاغر'' ''اجسام'' کپکپانے لگیں گے تو شیشوں میں ''تحرک'' اور گرمی پیدا کرنے والا ''آب نار'' مہیا کرنا ثقافت ہندوکش کا آئینہ دار ہے اور ان آئینہ داروں کا تحفظ اس لیے ضروری ہے۔

کیونکہ ملک کا خزانہ خالی ہے......

حکومت کے مشیروں اور تجاویز پیش کرنے والوں کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ ان کی تجاویز پر عمل پیرا ہونے سے ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' میں رہنے والے ''پاکیزہ'' افراد کے اخلاق و کردار پر...... مذہبی و ثقافتی اور تہذیبی رجحانات پر ناپختہ ذہنوں کے نوجوانوں پر...... دین اور وطن سے محبت رکھنے والے ''جانثاروں'' پر اور پاکستان کے اندرونی اور بیرونی سرحدوں کے ''محافظین'' پر نتائج کے اعتبار سے کیا اثرات مرتب ہوں گے۔

Marfat.com

یقینی طور پر وہ ان چیزوں سے ناآشنا نہیں ہیں۔

بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا یہ سب کچھ اقتدار کے دامن میں چھپ کر ملکی منصوبہ بندی کے ساتھ ہو رہا ہے...... برائی اور بدی ہمیشہ اقتدار کے زیر سایہ ہی ثقافت کے فروغ کے نام پر پروان چڑھتی ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ دریں حالات کوئی شخص بھی اپنے آپ کو مکمل طور پر اس سے مستثنیٰ قرار نہیں دے سکتا۔ کسی نہ کسی صورت میں...... کسی نہ کسی انداز میں......اور...... کسی نہ کسی شکل میں بالواسطہ یا بلاواسطہ، شعوری یا غیر شعوری طور پر وہ اپنا کردار ادا کر رہا ہے اگرچہ وہ ان امور کی تہہ تک پہنچنے سے قاصر ہے۔

حضور اکرم نور مجسم محمد مصطفیٰ ﷺ نے امت مسلمہ کی اصل بیماری کو انتہائی اختصار اور جامعیت سے چند کلمات میں بیان فرما دیا۔

''اللہ کی قسم، مجھے یہ ڈر نہیں ہے کہ تم مفلس اور قلاش ہو جاؤ گے بلکہ ڈر یہ ہے کہ تم پر مال و جاہ کے دروازے کھول دیے جائیں گے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر کھول دیے گئے تھے اور تم بھی ویسے ہی ان کے سمیٹنے میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرنے لگو گے جیسے ان لوگوں نے کی تھی اور یہ دنیا تمھیں بھی ایسے ہی ہلاک کر دے گی جیسے انھیں ہلاک کیا تھا۔''

ہر انسان کی فطرت میں خالق کائنات نے بدی اور برائی سے جھجک کسی نہ کسی انداز میں ضرور ودیعت کی ہے۔ لیکن بعض اوقات ماحول میں پھیلی ہوئی بدی اور برائی سے اس قدر متاثر ہو جاتا ہے کہ وہ وہی کچھ کرنے لگتا ہے جو کچھ وہ دوسروں کو کرتے ہوئے دیکھتا ہے۔

اور حکومت وقت کے مشیر اسی جھجک کو ختم کرنے کے مشن پر کام کر رہے ہیں اور اگر یہ سب کچھ اخبارات کی غلط اطلاعات ہیں تو حکومت تردید کرنے میں کس مشیر کے اشارے کی منتظر ہے......!!

اسلام آباد میں ''نیشنل ٹورازم کانفرنس'' اگرچہ حکومت پاکستان نے ''سیاحت کے فروغ'' اور حکومت کی سیاحت کی پالیسی کو 21 ویں صدی کے تقاضوں کے مطابق ہم آہنگ کرنے کے پس منظر میں منعقد کی تھی اور جس میں وزیر اعظم پاکستان کے مشیر برائے اطلاعات وسیاحت سید مشاہد حسین بحیثیت مہمان خصوصی بھی موجود تھے۔

چنانچہ عیاشی، فحاشی اور عریانی کے پرستاروں کو اپنے دل کے ارمانوں میں مچلتی ہوئی ''خواہشوں'' کو پورا کرنے میں کئی طرح کی اخلاقی، مذہبی اور ملکی رکاوٹیں نظر آتی تھیں جن کو

Marfat.com

وہ بعض ناگزیر حالات کی بناء پر برسرعام آزادانہ طور پر بیان نہیں کر پاتے تھے۔ اس لیے انھوں نے اس کانفرنس کو بہترین موقع جانتے ہوئے ''ملکی خزانہ'' کے خالی ہونے کے نعرے اور حقیقت کو اس انداز سے پیش کیا اور ایکسپلائیٹ کیا کہ حکومت کے عہدوں پر براجمان افراد اس سازش کے پس پردہ محرکات کو نہ جان سکیں۔

مسٹر نک جنرل مینیجر شیرٹن ہوٹل کراچی کی تجویز کہ ''پاکستان کے سیاحتی مقامات پر وائن اور بیئر پینے پر پابندی نہیں ہونی چاہیے۔ اس طرح حکومت کو پیسہ بھی حاصل ہوگا اور سیاح بھی زیادہ آئیں گے۔''

اس تجویز اور سفارش میں ظاہر بین افراد کو کسی قسم کی برائی اور بداخلاقی اس لیے نظر نہیں آئے گی کہ اہل عیسائیت کا دعویٰ ہے کہ شراب ان کے مذہب میں جائز ہے (اگرچہ یہ بھی ان کی حقیقی تعلیمات کے خلاف ہے) اس لیے اگر دوران سیاحت اس کے پینے سے پابندی اٹھالی جائے تو کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ ان کی خواہشوں اور ضروریات کی تکمیل بھی ہوتی چلی جائے گی اور ہماری ''خالی جھولی'' بھی بھرتی جائے گی۔

اگر ''خالی خزانہ'' بھرنا ہی مقصود ہے اور اس میں کسی اخلاقی، قانونی، مذہبی، ملی اور ملکی پابندیوں کو خاطر میں نہیں لانا ہے تو حکومت کئی اور ذریعوں اور طریقوں سے بھی ملک کا ''خالی خزانہ'' بھر سکتی ہے۔

''پیارے وطن'' کے ''خالی خزانہ'' کو بھرنا ہر ایک پاکستانی پر لازم اور ضروری ہے، اس لیے باوجود غیر قانونی، غیر اخلاقی، غیر مذہبی اور غیر اسلامی ہونے کے حکومت ملک کے وسیع تر مفادات کو پیش نظر رکھتے ہوئے عوام کو نہ صرف مکمل آزادی بلکہ تحفظ بھی فراہم کرے گی، بشرطیکہ وہ ملک کے ''خالی خزانہ'' کو بھرنے کا وعدہ کریں تو......

ملک میں ہر قسم کے ڈاکہ زنی، چوری اور لوٹ مار کی مکمل آزادی دی جاتی ہے، بشرطیکہ اس قسم کی لوٹ مار کرنے والے افراد اپنی کی ہوئی کاروائیوں میں حاصل کردہ رقم پر 25 فیصدی حکومت کے ''خالی خزانہ'' میں جمع کروا کر اپنی ''حب الوطنی'' کا ثبوت مہیا کریں، اگرچہ مجوزہ کمیشن 50 فیصد ہونی چاہیے تھی لیکن چونکہ ہمیں ''غلط منصوبہ'' اور ''نا اہلی'' کی بناء پر ''جان کے چلے'' جانے کے امکانات ہیں، اس لیے انھیں خصوصی رعایت دی جاتی ہے۔

ملک کے اندر کھلے عام فحاشی، عریانی اور بداخلاقی سے معمور پروگرام کرنے کی مکمل

Marfat.com

اجازت دی جاتی ہے، بشرطیکہ ان پروگراموں کے پروموٹرز اور پروڈیوسرز حضرات ملک کے ''خالی خزانہ'' میں اپنی آمدن کا 50 فیصد جمع کرائیں۔ اگرچہ فی الحال اس طرح کے پروگرام حکومت کی نگرانی اور ہدایات کے مطابق پاکستان کے ریڈیو اور ٹی ویز کے تمام چینلز پر پوری آب و تاب سے سامعین اور ناظرین کی ''تفریح'' کے ''حسین نام'' پر سنائے اور دکھائے جا رہے ہیں لیکن حکومت کی نگاہ میں اب بھی یہ پروگرام ملک میں موجود ''کنجر خانوں'' ''چکلوں'' اور ''زنی کاری'' کے اڈوں پر پولیس کی نگرانی میں کھلے عام ہر طرح کے پروگرام پیش کرنے کی اجازت دی جاتی ہے تاکہ ملک کا ''خالی خزانہ'' بھرا جا سکے۔ بشرطیکہ ان اڈوں کے چلانے والے اپنی آمدنی کا 75 فیصد براہ راست ملک کے ''خالی خزانہ'' میں اپنے ہاتھوں سے جمع کرائیں۔ اگرچہ ملک کے اندر چیدہ چیدہ مقامات پر اب بھی یہ پروگرام جاری ہیں لیکن آمدن براہ راست حکومت کے خزانہ میں جمع نہ ہو سکنے کی بنا پر حکومت کے بہی خواہوں نے اس میں وسعت کی تجویزیں پیش کی ہیں جن پر حکومت مزید ہمدردانہ غور کر رہی ہے جن کا اعلان آئندہ گوادر، شندور، مری اور موہنجوداڑو میں منعقد ہونے والی سیاحت کی کانفرنسوں میں کیا جائے گا۔

ملک کے اندر ہر قسم کے قتل کرنے اور قتل میں لوٹی ہوئی رقومات اور مقتولوں کے جسموں سے نوچے ہوئے زیورات پر 50 فیصد حکومت کے خالی خزانہ میں جمع کرانے کی شرط پر اجازت عام دی جاتی ہے لیکن یہ ذہن نشین رہے کہ 50 فیصد آمدن کی چھوٹ اس صورت میں ہوگی اگر قتل کرنے والا پولیس کو پہلے مطلع کر دے گا ورنہ پولیس قاتل کو کسی قسم کے نقصان پہنچنے پر ذمہ دار نہ ہوگی۔

اس قسم کی لایعنی، بے ہودہ، غیر اخلاقی اور غیر قانونی تجاویز پیش کر کے ملک کا خالی خزانہ بھرنا کیا مناسب ہوگا؟ ملک کے خالی خزانہ کو بھرنے کا یہ مطلب نہیں کہ ملک کے اندر ہر قسم کی افراتفری اور غیر قانونیت کی برسر عام اجازت دے دی جائے۔

غیر ملکی سیاحوں کے میزبانوں کے پاس سیاحت کے فروغ کے لیے صرف اسی قسم کی منفی تجاویز موجود ہیں؟ کیا وہ مثبت تجاویز پیش کرنے سے قاصر ہیں؟

ملکی خزانہ شراب اور عیاشی کے سامان پہنچانے سے نہیں بھرا کرتا بلکہ وہ عملی طور پر صنعتی ادارے معرض وجود میں لانے اور چلانے سے بھرتا ہے...... ملک میں زرعی انقلاب لانے سے بھرتا ہے، سائنسی ترقی سے استفادہ کرنے سے بھرتا ہے...... سائنسی ایجادات

Marfat.com

استعمال میں لانے سے بھرتا ہے...... انجینئرنگ اور میڈیکل سائنس کے پرزے بنانے سے بھرتا ہے...... تعلیمی میدان میں ترقی کرنے سے بھرتا ہے...... ملک میں مستحکم نظام قائم ہونے سے بھرتا ہے...... ملک کے تمام اداروں میں توازن اور عدم مداخلت سے بھرتا ہے...... اور نظام عدل اور نظام اخلاق کے قائم ہونے سے بھرتا ہے۔

غیر ملکی سیاحوں کے "نام نہاد" میزبان انتہائی بھولے بھالے اور سیدھے سادے انداز میں صرف اور صرف شراب، وائن، بیئر وغیرہ ہی کو پینے کی اجازت کیوں طلب کرتے ہیں؟

کیونکہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ہر برائی کی جڑ اور "ام الخبائث (ہر گناہ کی جڑ) صرف اور صرف شراب ہے اگر ایک دفعہ انھیں شراب پینے کی اجازت دے دی گئی تو باقی برائیاں اور بداخلاقیاں، قباحتیں اور گناہ کے دیگر کام خود بخود ہوتے چلے جائیں گے۔

اس لیے آقائے دوجہاں حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو انتہائی واضح الفاظ میں بتادیا کہ

"اور تو شراب نہ پی، کیونکہ یہ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔"

شراب کے حرام ہونے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس کے پینے کے بعد انسان عقل و حواس کھو دیتا ہے، واہی تباہی بکنے لگتا ہے...... شراب کی مستی میں عریاں ہو کر ہر برائی کا ارتکاب کرتا ہے...... ہر جائز اور ناجائز اور حلال و حرام کام کے کرنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا...... نہ حقوق اللہ ادا کرتا ہے اور نہ حقوق العباد...... نہ ہمشیرہ ہمشیرہ نظر آتی ہے نہ ماں، ماں نظر آتی ہے...... نہ بیٹی، بیٹی نظر آتی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

"اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور فال کے تیر صرف شیطانی کام ہیں، اس لیے تم ان کاموں سے بچو تاکہ تم کامیاب ہو سکو، شیطان تو صرف یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعے تمھارے درمیان بغض اور عداوت پیدا کر دے اور تمھیں اللہ کو یاد کرنے اور نماز پڑھنے سے روک دے تو کیا تم ان کاموں سے رکنے والے نہیں ہو؟

اور حکومت اسلام کی تعلیم پر عمل پیرا کرنے کی بجائے شیطانی کاموں کے فروغ کی ترکیبیں سوچ رہی ہیں اور توقع کرتی ہے کہ خدا کی رحمتیں بھی نازل ہوں......

سیر و سیاحت ایک اعتبار سے عبرت کے پہلو کو بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہوتی

Marfat.com

ہے۔ لیکن زمانہ کے حالات کے تقاضوں کی تبدیلی کے باعث، عصر حاضر میں اس کے مقاصد اور انداز نیا رخ اختیار کر گئے ہیں جن میں چند ایک یہ ہیں۔ خالق کائنات کی عظیم قدرتوں کا مشاہدہ کرنا...... مالک ارض و سماء کی تخلیق کردہ مخلوقات میں حسین قدرتی مناظر سے نگاہوں کو لطف اندوز کرنا...... انسان کے ہاتھوں تیار شدہ محیر العقول مصنوعات کا جائزہ لینا...... حیرت انگیز پہاڑوں کی مانند ایستادہ عمارتوں کو دیکھنا...... ناقابل یقین حسین وادیوں، مرغزاروں اور اشجار و اجبال کے حسن سے آنکھوں کو خیرہ کرنا، صنعت و حرفت کے مراکز میں صنعت گری کے ناقابل یقین نمونے دیکھنا...... مراکز سیارگان سے آنکھوں سے اوجھل سیاروں کی تلاش کرنا...... عجائب گھروں میں تاریخی، قدیمی، تہذیبی و ثقافتی نوادرات کی ''زیارت'' کرنا...... اقوام عالم کے تاریخی ارتقاء و تنزل کا جائزہ...... سمندروں، جھیلوں، آبشاروں اور بل کھاتے ہوئے دریاؤں کی متحرک اور اٹھکیلیاں کرتی ہوئی لہروں سے لطف اندوز ہونا اور...... چودھویں رات کی چاندنی میں چمکتی دمکتی عمارتوں کی لطافتوں سے نگاہوں کو مسحور کرنا ہے...... ان چیزوں کی ''بصر نوازی'' میں اور اپنے آپ پہ شراب کی مدہوشی کو طاری کیے جانے میں دور کا تعلق بھی نظر نہیں آتا۔

لیکن اس کے باوجود ''نیشنل ٹورازم کانفرنس'' منعقدہ اسلام آباد میں ہوٹل شیرٹن کے جنرل مینیجر ''مسٹرنک'' کی جانب سے شراب نوشی کی اجازت طلب کرنا جس امر کی چغلی کھا رہی ہے، وہ قارئین کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے۔

جبکہ خود ''عیسائی مذہب'' میں شراب نوشی کو حرام قرار دیا گیا ہے اور یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ ''شراب'' ایک ایسی برائی ہے جس کی بندش میں اور استعمال نہ کرنے کے بارے میں ہر مذہب نے احکام جاری کیے ہیں اور دنیا کا کوئی ایسا صاحب علم و بصیرت شخص نہ ہوگا جو مقدس و متبرک الہامی کتب سے شراب کے حرام ہونے کو پیش نہ کر سکے۔

عیسائیوں اور یہودی ہر دو اہل کتاب کی مقدس الہامی کتابوں سے چند استشہاد پیش خدمت ہیں۔

بائبل مقدس کی آیت 23:23 میں ہے۔

''تو شرابیوں میں شامل نہ ہو جانا اور نہ حریص کبابیوں میں کیونکہ شرابی اور کبابی کنگال ہو جائیں گے...... کون افسوس کرتا ہے...... کون غمزدہ ہے وہی جو دیر تک مے نوشی

Marfat.com

کرتے ہیں۔"

بائبل افسیوں کے نام مکتوب آیت 5/18 میں ہے۔

"شراب میں متوالے نہ بنو کیونکہ اس سے بدچلنی واقع ہوتی ہے بلکہ روح سے محروم ہو جاتے ہیں۔

بائبل کرنتھیون کے نام مکتوب آیت 6/9 میں ہے۔

"حرام کار، لالچی اور شرابی خدا کی بادشاہی کے وارث نہیں ہوں گے۔"

اسی طرح بائبل کتاب آیت 27/7 میں ہے۔

"شراب پینے پر کوڑوں کی سزا اور شرابیوں کے ساتھ کھانے پینے کو سخت جرم قرار دیا ہے۔"

بائبل کتاب اسموئیل آیت 1694/1 میں ہے۔

ہر نشہ آور چیز کو استعمال کرنے والے کو خبیث کہا گیا ہے۔"

مندرجہ بالا بائبل کی آیات سے یہ امر واضح ہو رہا ہے کہ خود بائبل کی رو سے شراب قطعی حرام ہے اور شراب پینے والے کے انجام سے بھی آگاہ کیا جا رہا ہے۔

اسی طرح اسلام نے بھی شراب کو حرام قرار دیا ہے بلکہ شراب کے ساتھ ساتھ اس کے متعلقہ دیگر افراد پر بھی لعنت بھیجی گئی ہے۔

چنانچہ حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"اللہ کی لعنت ہے شراب پر، اس کے پینے اور پلانے والے پر، اس کے بیچنے والے پر اور خریدنے والے پر، اس کے نچوڑنے والے (بنانے والے پر) اور جس کے لیے نچوڑی گئی (بنائی گئی) اور اٹھانے والے پر اور جس کے لیے اٹھائی گئی۔

شراب کے نتائج اور فسادات کو مدنظر رکھتے ہوئے حضور اکرم محمد مصطفیٰ ﷺ نے حد (کوڑے) لگانے کا حکم دیا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

"جو شخص خمر پیئے اس کو کوڑے لگاؤ، اگر دوبارہ پیئے تو پھر کوڑے لگاؤ اور اگر سہ بار پیئے تو پھر کوڑے لگاؤ اور اگر پھر خمر پیئے تو اس کو قتل کر دو۔"

البتہ قتل کرنے کا حکم منسوخ ہو گیا اور کوڑے لگانے کا حکم باقی ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

Marfat.com

''مسلمان کا خون صرف تین وجوہ سے بہانا جائز ہے۔ قتل کے بدلہ میں قتل کیا جائے یا شادی شدہ زانی کو رجم کیا جائے یا جو شخص مرتد ہو جائے۔''

تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا اس بات پر اجماع ہے اور اسی اجماع صحابہ کرام کی بنا پر خمر (شراب) پینے والے پر اسی (80) کوڑے حد لگائی جاتی ہے۔

شراب کی خرمستیوں سے ہر ایک واقف ہے لیکن اس کے باوجود دنیا کی دولت کے متوالے (جن کا مقصد صرف چند روزہ دنیا کی دولت سے اپنے آپ کو مالا مال کرنا ہے) نہ صرف اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے درپے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی ہلاکت کے سپرد کرنے کے عزائم رکھتے ہیں۔ گویا۔

ہم تو ڈوبے ہیں، صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے

کے مصداق اہل پاکستان کو دوبارہ دور جاہلیت کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔

یہ مسلم لیگی حکومت کی اخلاقی ہی نہیں، بلکہ مذہبی ذمہ داری بھی ہے کہ وہ کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنے اور جب ''وہ'' ناراض ہو جاتا ہے تو مضبوط سے مضبوط اکثریت...... مضبوط سے مضبوط اقتدار...... مضبوط سے مضبوط دنیاوی سہارے اور متوالے خس و خاشاک کی طرح بہتے نظر آتے ہیں۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 25 اپریل 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

پاکستان ٹی وی پر ''دوپٹہ'' بھی غائب

معاشرہ خود بخود اپنی راہیں...... اپنی روایات...... اپنی ترجیحات...... اپنا اسلوب...... اپنے اطوار...... اور...... اپنا طریق کار متعین کرتا ہوا معرض وجود میں آتا ہے...... یا...... اس کو اپنے مخصوص مقاصد اور طریق کار کے مطابق ڈھالا جا سکتا ہے اس بارے میں اگر چہ دو رائے ہو سکتی ہیں لیکن بہر حال یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ چند ناگزیر مستثنیات کے علاوہ معاشرہ کو خاص انداز اور طریقے سے مخصوص مفادات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جدید وجود دیا جا سکتا ہے اور اس معاشرہ میں جن روایات، تعلیمات، اوصاف، خوبیوں اور عمدگیوں کو پیدا کیا جانا مقصود اور مطلوب ہو، پیدا کر لی جاتی ہیں۔ مغرب کا معاشرہ اپنی روایات کا آئینہ دار ہے جبکہ مشرق وسطیٰ، مشرق بعید اور افریقہ کے ملکوں میں بسنے والے افراد کا معاشرہ اپنی اپنی روایات کا حامل ہے۔

چونکہ اس وقت مغربی معاشرہ کو دنیاوی اعتبار سے کچھ برتری حاصل ہے، اس لیے ظاہر بین شخص سمجھتا ہے کہ اس معاشرے کی روایات کا اپنانا ہی ترقی کا ذریعہ ہے حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں ہے بلکہ اس ترقی کے اسباب مختلف ہیں جن کو اختیار کرنے کے لیے نہ حکمران تیار ہیں اور نہ عوام۔

معاشرے کی روایات کو بدلنے میں ایک اہم کردار مصلحین، صالحین، مفکرین، معلمین اور مبلغین ادا کرتے ہیں۔ دور جاہلیت کے بعد والا زمانہ، ایران و روم کی فتح یابی کے بعد والا دور مشرق بعید کے ممالک میں مسلمان تاجروں کی آمد کے بعد والا عرصہ اور برصغیر پاک و ہند میں مسلمان صوفیاء کرام کی آمد کے بعد والا زمانہ اس نکتہ نگاہ کے ناقابل تردید ثبوت ہیں۔

خود مملکت پاکستان میں اس امر کا اگر جائزہ لیں تو یہ بات صحیح نظر آتی ہے۔ 1970ء اور 1980ء کی دہائی کے درمیان ایک صاحب تشریف لائے، انھوں نے ''ہے جمالو'' کا نعرہ لگایا تو قوم کا بچہ بچہ ''ہے جمالو'' کرنے لگا بعد میں اس کی ذریت نے ''جیالا پن'' کے

Marfat.com

تصور کو ابھارا تو اس کے ہم نشینوں میں چہار اطراف ''جیالا پن'' کے مظاہرے ہوتے ہوئے نظر آئے۔ ایک اور صاحب تشریف لائے، وہ گیارہ سال تک قوم کو ''اسلام'' کے نام پر بہلاتے رہے اور قوم نہایت خوش دلی کے ساتھ بہلتی رہی۔ اس دوران انھوں نے کچھ اسلامی روایات کو زندہ کرنا چاہا جس کے نتیجے میں دفاتر تک میں نمازیوں کے لیے صفیں بچھتی ہوئی نظر آئیں۔ بعد میں ایک اور صاحب تشریف لائے تو انھوں نے شرافت کے دائرے میں رہتے ہوئے قوم کو صنعت و حرفت میں ترقی کا نعرہ دیا تو قوم کی توجہ اس طرف مبذول ہوگئی۔

اگر خلوص دل کے ساتھ کسی بھی نظریہ کی آبیاری کی جائے اور اس کی مسلسل دیکھ بھال کی جائے اور پیغام کو مثبت انداز میں مسلسل بغیر کسی کی علامت کی پروا کیے بغیر پیش کیا جائے تو بہر حال وہ اپنا اثر دکھاتا ہے۔ اگرچہ نتائج کے سامنے آنے میں تاخیر ہوسکتی ہے۔

گزشتہ دور حکومت میں خاص طور پر اور موجودہ دور حکومت میں ابھی بھی معاشرے کو اس انداز سے غیر شعوری طور پر اس راہ پر ڈالا جا رہا ہے جس کے نتیجے میں بے حیائی اور عریاں پن اپنی انتہا کو پہنچ جائے گا۔

قارئین نے خاص طور پر یہ بات نوٹ کی ہے کہ ٹی وی پر دکھائے جانے والے تمام ڈراموں میں مستورات کے سروں سے پردہ اور دوپٹہ غائب کر دیا گیا ہے اور حکومت اس سے انکار اس لیے بھی نہیں کر سکتی کہ یہ کوئی فائلوں میں بند کاغذی منصوبہ نہیں ہے بلکہ قارئین مستورات کے سروں پر دوپٹہ ہر روز اپنی جیتی جاگتی آنکھوں سے ان کرداروں کو دیکھ رہے ہیں ہونا چاہیے۔ کسی بھی رنگ کا کیوں نہ ہو قطع نظر اسلامی تعلیمات کے ہماری معاشرتی روایات میں سے ایک روایت کا حصہ ہے اور اب جس کو مغربیت کا رنگ دے کر پیش کیا جا رہا ہے چونکہ مغربی معاشرے میں دوپٹہ کا رواج نہیں ہے۔ اس لیے ان کے خیال میں اس رواج کو پاکستان میں فروغ دیا جانا انتہائی ضروری ہے تاکہ پسماندہ ملک ترقی کی منازل کو طے کر سکے۔

کیا مغربی معاشرے نے ترقی صرف اسی بناء پر کی ہے کہ ان کی مستورات کے سروں پر دوپٹہ نہیں ہے؟

اس ترقی کا حاصل ہونا صرف سروں پر دوپٹہ کے غائب ہونے ہی میں منحصر ہے؟ اگر ایسا نہیں کیا جائے گا تو ملک انتہائی پسماندہ رہے گا؟

کیا ڈرامہ میں حصہ لینے والا کوئی کردار ہدایت کار کی مرضی کے علاوہ کوئی لباس،

Marfat.com

کوئی جملہ، کوئی کلمہ، کوئی اشارہ، کوئی حرکت کرسکتا ہے؟

کیا ڈرامہ میں کوئی کردار اپنی مرضی کا لباس پہن سکتا ہے؟ جو ڈرامے کی حالات سے مطابقت نہ رکھتا ہو۔

کیا ڈرامہ میں کوئی کردار اپنی مرضی کی ''ہیئت'' اختیار کرسکتا ہے؟

کیا ڈرامہ میں کوئی کردار اپنی مرضی کی شکل بنا سکتا ہے؟ جو ڈرامے کی کہانی سے مطابقت نہ رکھتی ہو۔

کیا ڈرامہ میں کوئی مرد ساڑھی پہن کر مرد کا کردار ادا کرتا ہوا دیکھا گیا ہو؟

کیا ہندوستان اور بنگلہ دیش میں مرد ساڑھی پہنتے ہیں؟ تاکہ مرد اس کی نقالی کر کے حقیقت کا روپ دھار کر دکھا سکے۔

مزاحیہ ڈرامہ نگاری کے علاوہ

کیا کوئی ہدایت کار ٹی وی کی انتظامیہ کی اجازت اور مرضی کے بغیر اور اس کی دی گئی ہدایات کے بغیر مکمل طور پر غیر اسلامی ہدایت دے سکتا ہے؟

کیا ٹی وی کے کارندوں سے لے کر جنرل مینیجر تک کسی کو جرأت ہے کہ وہ حکومت کی مرضی کے بغیر کوئی پروگرام دکھا سکے؟

پاکستانی ٹی وی پر جو ڈرامے جس انداز سے پیش کر کے دکھائے جا رہے ہیں، حقیقت میں وہ ''مسلم لیگ'' کی حکومت کو بدنام کرنے کے لیے دکھائے جا رہے ہیں۔

کیا مسلم لیگی قیادت اپنے خلاف کی جانے والی سازش سے آگاہ ہے یا وہ خود اس میں حصہ دار ہے؟

اگر وہ خود حصہ دار ہے تو اس کے اسلامی نظام کے نافذ کرنے کے وعدے کہاں گئے؟

سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

''جن عورتوں میں یہ صفات ہوں گی، وہ جنت میں جائیں گی۔ پاک دامن...... اللہ تعالیٰ اور اپنے شوہر کی تابع دار...... بچے جننے والی...... صبر کرنے والی...... باحیا...... اگر شوہر گھر میں موجود ہو تو اس سے زبان درازی نہ کرنے والی...... اور...... وہ عورت کہ اس کا شوہر فوت ہو جائے اور اس کے چھوٹے بچے ہوں تو وہ ان کی پرورش کی خاطر ان کے پاس

Marfat.com

رہے...... ان پر احسان کرے...... اور بچوں کے ویران ہو جانے کے خوف سے اور نکاح نہ کرے اور جن عورتوں میں یہ صفات ہوں گی وہ جہنم میں جائیں گی۔

جو عورت پردے کو چھوڑ دے...... زیب و زینت اور بناؤ سنگھار کر کے گھر سے نکلے اور غیر مردوں پر اپنی نمائش کرتی پھرے...... لوگوں کو فتنے میں ڈالے...... اور...... اگر خود بچ بھی رہے تو لوگ اس سے نہ بچ سکیں'' (زواجر)

حکومت ''دین پسند'' طبقے کو اس حد تک نہ لے جائے کہ ان کے ذہنوں میں بھی ویسا ہی انقلاب انگڑائیاں لینے لگ پڑے جیسا ''انقلاب'' ''انتخاب'' کے موقع پر ظاہر ہو کر سامنے آیا۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 26 اپریل 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

پاکستان کے دشمنوں کا نیا روپ

بدقسمتی سے پاکستان دنیا میں وہ واحد ملک ہے جہاں اس ملک کے اپنے ہی باشندے اپنی سرزمین کے خلاف، چلنے والی اعلانیہ اور خفیہ تنظیموں اور اداروں سے نہ صرف وابستہ ہوتے ہیں بلکہ آنکھیں بند کر کے عقیدت کے جذبات کے بوجھ تلے ان سے ہر قسم کا تعاون کرنا اپنا مذہبی فریضہ تصور کرتے ہیں۔ ملک دشمن طاقتوں نے ''مسحور کن شخصیات'' کو مذہب کا لبادہ پہنا کر نہایت عیاری سے ان پروگراموں کی تکمیل کی طرف لگا رکھا ہے جو آہستہ آہستہ وطن سے لاتعلقی کا اظہار اولاً ذومعنی الفاظ کے ذریعے ذہنوں میں ڈالتے ہیں اور جب ذہن ان الفاظ سے مانوس ہو جاتے ہیں تو پھر ذرا کھل کر اپنے مقصد کو بیان کرنے لگتے ہیں۔ ہمارے عوام کی اکثریت چونکہ سچے صاف شفاف اذہان کی مالک ہے اس لیے وہ اپنے اوپر قیاس کر کے ان ملمع سازوں کی ملمع سازیوں کی حقیقتوں اور تہہ تک نہیں پہنچ پاتے۔

اسلام کو ایک عالمگیر مذہب کے عنوان سے پیش کرنے کی آڑ میں کہ اسلام کسی سرزمین کا محتاج نہیں ہے۔ اسے اپنی تعلیمات کے پیش کرنے کے لیے کسی خاص زمین کے ٹکڑے کی ضرورت نہیں، اس کے احکامات تمام جہان والوں کے لیے یکساں ہیں وہ سرحدوں کی حدود کا محتاج نہیں ہے جیسے الفاظ وکلمات سے بظاہر اسلام کی عالمگیریت کو اجاگر کیا جا رہا ہے لیکن اپنی نجی محفلوں میں جو ''تصفیہ قلوب'' ''طہارت قلوب'' اور ''تزکیہ قلوب'' کے نام سے بپا کی جاتی ہے ان میں خام بدہن یہ کہا جاتا ہے ''کہ ہم پاکستان کی سرحدوں میں اسلام کے نفوذ ہی کو اپنا مطمع نظر نہیں سمجھتے اور اسلام کے نفاذ کے لیے اگر ہمیں پاکستان کو قربان کرنے کی ضرورت بھی پیش آئے تو ہم یہ کر گزریں گے۔ ہمارے نزدیک پاکستان کی کوئی حیثیت نہیں ہے جس طرح ہم پاکستان میں نمازیں، روزے، زکوۃ اور حج کے ارکان ادا کر سکتے ہیں اس طرح یہ عبادات ہم دنیا کے کسی بھی حصے میں بخوبی ادا کر سکتے ہیں اس لیے ان فرائض کو ادا کرنے میں ہم پاکستان کی سرزمین کے محتاج نہیں ہیں'' اور اس طرح کے وہ کئی مفروضے قائم

Marfat.com

کر کے مذہب کے پرستاروں کے ذہنوں کو مسموم کر رہے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے یقیناً یہ عبادات اپنی اپنی جگہ فرض ہیں اور ان میں کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان عبادات کو نبی آخرالزمان ﷺ مکہ مکرمہ جیسی بابرکت اور مقدس جگہ پر ادا فرما سکتے تھے جہاں ایک رکعت کی ادائیگی کا ثواب ایک لاکھ رکعت کے برابر ہے تو پھر مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

انفرادی اصلاح اور ذاتی تزکیہ نفس سے انکار نہیں لیکن اگر انفرادی اصلاح ہی تبلیغی مقصد کا انتہائی مقصود تھا تو پھر یہ تبلیغی مشن تو مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے بھی آہستہ آہستہ کئی سالوں کے بعد بھی پورا کیا جا سکتا تھا؟

اگر صرف اپنے اور اپنے اہل خانہ پر ہی اسلام کا نفاذ مقصود تھا تو یہ مقصد تو بخوبی مکہ مکرمہ کی حیات مبارکہ میں حاصل ہو چکا تھا تو پھر مدینہ اور حبشہ کی جانب ہجرت کیوں کرائی گئی؟

اگر مسلمان صرف اپنے اور اپنے گھر والوں کے ہی اعمال پر جوابدہ ہے تو پھر جہاد کی فرضیت کا مقصد کیا رہ جاتا ہے؟

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عبادات کی ادائیگی کی فرضیت اسلامی تعلیمات کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے اور عبادات کی ادائیگی کسی سرزمین کی محتاج نہیں ہے یہ ہر مقام پر ادا کی جا سکتی ہیں (سوائے حج کے)

اسلام تو مکمل ضابطہ حیات کا نام ہے جس میں اسلامی ریاست کے قیام کے بغیر پورا اسلام نہ انفرادی اور نہ اجتماعی حیثیت سے نافذ کیا جا سکتا ہے چنانچہ اسلام کا اپنا قانون شہادت ہے، اپنا دیوانی و فوجداری قانون ہے، اپنے حدود اور تعزیرات کے قوانین ہیں، جرم و سزا کے اپنے قوانین ہیں، بیع و شرا، خرید و فروخت کے اپنے اصول اور قانون ہیں، خانگی زندگی نکاح و طلاق کے اپنے قوانین ہیں، ضمانت و کفالت کے اپنے قانون ہیں، تقسیم میراث، وراثت، ہبہ کے اپنے قوانین ہیں، لین دین، تجارت اور کاروباری معاملات کے لیے اس کے پاس اپنے قوانین موجود ہیں اور ان قوانین اور احکامات کے لیے اقتدار اعلیٰ اور حکومت کا ہونا ضروری ہے۔ اگر اسلامی ریاست نہ ہو تو شریعت کے ایک بڑے حصے پر عمل کرنے سے ہم محروم رہ جائیں گے اس لیے ایک مسلمان حکومت اور ریاست کا ہونا انتہائی ضروری ہے۔

Marfat.com

پرسنل لاء کے علاوہ ان قوانین مذکورہ کا اطلاق کیا ہم امریکہ، برطانیہ، چین، ہندوستان، روس میں کر سکتے ہیں۔ نمازیں تو ان ملکوں میں بھی ہم پڑھ سکتے ہیں، روزے بھی رکھ سکتے ہیں، زکوٰۃ بھی اپنے طور پر ادا کر سکتے ہیں لیکن اسلام کے جرم و سزا، دیوانی و فوجداری، قصاص و دیت، حدود وتعزیرات کے قوانین کا اطلاق ہم ان ملکوں میں نہیں کر سکتے کیونکہ اقتدار اعلیٰ حاصل نہیں ہے۔

کسی مذہب یا نظریہ کی اشاعت، تبلیغ اور تنقید کے لیے آزاد ریاست کا ہونا ضروری ہے اگر کوئی زمین کا ٹکڑا مسلمانوں کے زیر اقتدار نہ ہو تو آزادی کے ساتھ نہ دین کی تبلیغ ہو سکتی ہے اور نہ قرآنی احکام پر عمل کرایا جا سکتا ہے اور نہ کیا جا سکتا ہے۔

اسلامی ریاست (آبادی علاقہ، حکومت اور اقتدار اعلیٰ) کے بغیر مسلمانوں کے لیے اسلامی اقدار اور نظریات پر معاشرہ کا قیام ناممکن ہے۔

جب ہم حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ پر اور خاص طور پر مکہ مکرمہ کے دور مبارک پر نظر ڈالیں تو ریاست کی اہمیت خوب واضح ہو جاتی ہے۔ جب تک آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں تشریف فرما رہے تبلیغ کا دائرہ محدود رہا اور اسلام کی ترویج و اشاعت کی رفتار بہت سست رہی مگر جب مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا تو اسلام نہایت تیزی اور سرعت کے ساتھ پھیلتا چلا گیا اور صرف آٹھ سال کے قلیل عرصہ میں پورا عرب اسلام قبول کر چکا تھا۔ اسلام کے نفاذ اور قیام کے لیے اقتدار نہایت ضروری ہے۔ بہت واضح بات ہے کہ اگر نیکی کے پاس اقتدار نہ ہوگا تو بدی اور برائی کے ہاتھ میں ہوگا جس سے دنیا میں شیطانیت، فساد اور بگاڑ کے علاوہ کچھ نہ ہوگا۔ اگر دین حق کو غالب اور قائم کرنا مقصود ہے تو اقتدار حاصل کرنے کے جائز اور قانونی ذرائع جن میں ...... جیسا جذبہ موجود ہو اختیار کرنا ضروری ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے اس حقیقت کو اس طرح بیان فرما کر اسلامی ریاست کی اہمیت کو اجاگر کیا، ''جو چیزیں قرآن کی محض ہدایت و ارشاد سے نہیں رک سکتیں اللہ تعالیٰ انھیں سلطنت کی طاقت سے روک دیتا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں ریاست کی ضرورت اہمیت اور مقصد کو اس طرح بیان فرمایا۔

Marfat.com

"وہ لوگ کہ اگر ہم انھیں زمین پر اقتدار دیں تو وہ (نظام) صلوٰۃ قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔"

اسلامی مملکت پاکستان میں ان مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں وہ افراد اور جماعتیں رکاوٹ بن رہی ہیں جن کے دینی قائدین نے پاکستان کے قیام کی کھلم کھلا مخالفت کی تھی وہ تو تمام کوششوں کے باوجود پاکستان کو قائم کرنے سے نہ روک سکے لیکن ان کی معنوی اولاد ایک نئے روپ میں پاکستان کی محبت اور اہمیت کو پاکستان کے مسلمانوں کے ذہنوں سے ختم کرنے کی ناپاک کوششیں کر رہی ہے۔

حکومت کی خفیہ ایجنسیاں کیا کر رہی ہیں؟

(روزنامہ جنگ، لاہور 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

بسوں میں تفریح کی آڑ میں سمگلنگ

تفریح! تفریح! اور تفریح آج کل کا خوش کن نعرہ ہے۔ جسے دیکھیے ''تفریح'' پہنچانے کی جدوجہد میں مصروف ہے۔

حکمران! اس غم میں گھلے جا رہے ہیں کہ ان کی ناعاقبت اندیشانہ پالیسیوں کی بنا پر جو مایوسیاں پھیل رہی ہیں ان کی تلافی ''تفریح'' کے ذریعے کی جائے تاکہ عوام کی توجہ تھوڑی دیر ہی کے لیے سہی، کسی اور طرف ہو جائے اور......

وزیر ''ثقافت'' اور ان کا عملہ ان کوششوں میں سرگرداں ہے کہ ''ہندووانہ ثقافت'' کو کس طرح فروغ دیا جائے تاکہ پاکستان کے قائم ہونے کی صورت میں جو دو قومی نظریہ کو استحکام حاصل ہوا تھا اسے متزلزل کیا جا سکے۔ اس لیے وہ ''ثقافت و کثافت'' کا بہترین منصوبہ تیار کرنے میں ہر اس ادارے، سوسائٹی، انجمن اور فرد کی دامے اور درمے مدد کرنا اپنا اولین فرض سمجھتا ہے جو ثقافت کی آڑ میں ''کثافت'' کا ماحول پیدا کرنا چاہتا ہے۔

اب تو ''تفریح'' کی تعریف ہی کو بدل دیا گیا ہے! ''تفریح'' کے آداب و نشست ہی کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے! ''تفریح'' کے مقاصد ہی کو نگاہوں سے اوجھل کر دیا گیا ہے اور ''تفریح'' کے نام پر تفریح کی جنس ہی بدل دی گئی ہے!

دکھوں اور غموں میں ڈوبی ہوئی قوم کو ان سے نجات دلانے کے لیے حقیقی اور مستقل، پائیدار اور مستحکم پروگراموں اور منصوبوں کی بجائے ناپائیدار، وقتی، عارضی اور ''ٹرخالو'' تفریحی پروگراموں کے تحت بہلایا جاتا ہے تاکہ قوم ''تفریح'' کے نام پر خوش ہوتی رہے۔

چنانچہ اسی قسم کی تفریح کے نام پر لگژری بسوں، فلائنگ کوچوں اور ویگنوں میں ٹیلی ویژن اور وی سی آر حکومت نے لگانے کی اجازت دی تاکہ ''تھکے ماندے'' مسافروں کو تفریح کا سامان مہیا کیا جائے۔ (شنید ہے کہ حکومت نے یہ اجازت ''کاغذوں'' میں واپس لی ہوئی ہے)

تفریح کے نام پر انڈیا کی انتہائی فحاشی اور عریانی پر مبنی فلموں اور گانوں کے ''ٹوٹے'' جو ''بلیو پرنٹ'' کی سرحدوں کو چھو رہے ہوتے ہیں ''مسافروں'' کے ''پُرزور اصرار'' پر دکھائے

Marfat.com

جاتے ہیں اور چونکہ یہ پروگرام عوام کے پرُزور ''اصرار'' پر دکھائے جاتے ہیں اس لیے حکومت لاچار اور بے بس ہے......

بسوں میں عمر رسیدہ افراد، عزت مآب مستورات اور معصوم بچے اپنی خوشی سے بیٹھے ہوئے نہیں ہوتے بلکہ وہ کسی نہ کسی عذر کی بنا پر سفر کرنے پر مجبور ہوتے ہیں لیکن ان کی مجبوری اور شرافت کی پرواہ کیے بغیر بس میں لوفر آوارہ اور رنگین مزاج افراد چاہے وہ تعداد میں 5 ہی کیوں نہ ہوں بس میں بیٹھے ہوئے دیگر 50 شرفاء کے مقابلے میں بھاری ہوتے ہیں اور وہ انتہائی ڈھٹائی اور ترنگ میں کہتے ہوئے قطعاً شرم محسوس نہیں کرتے کہ ''اگر تم نے سفر کرنا ہے تو خاموشی سے سفر کرو وگرنہ کوئی اور ایسی بس تلاش کر لو جس میں وی سی آر نہ لگا ہو۔''

معاشرہ کا یہ انحطاط کس امر کی غمازی کر رہا ہے دینی سیاسی قائدین اور دیندار طبقہ کے لیے ''لمحہ فکریہ'' نہ رہا ہے اور نہ ہے اور شائد نہ ہوگا۔ انھیں ''امریکن سونڈیوں'' سے نبرد آزما ہونے سے فرصت ملے تو وہ معاشرے کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں!

معاشرہ میں اس سوچ اور فکر کو پھر غلط انداز سے پروان چڑھایا جا رہا ہے کہ ''تفریح'' صرف اور صرف ''محبت آمیز جملوں'' اور بے ہودہ مضامین پر مشتمل فلموں، ڈراموں اور نغموں میں ہی منحصر ہے جبکہ اور بھی بہت سے طریقے ہین جن سے تفریح حاصل کی جا سکتی ہے۔ سبق آموز جملوں، لطیفوں، مزاحیہ، چٹکلوں، وطن کی محبت سے معمور نغموں، رس بھرے صوفیانہ کلام اور مسحور کن قراء کی اصوات کے زیر و بم سے مضطرب دلوں کو سکون اور لرزیدہ اجسام کو راحت و فرحت کا سامان بھی مہیا کیا جا سکتا ہے۔

گزشتہ ہفتہ راولپنڈی سے بذریعہ لگژری کوچ سفر کرنے کا موقع ملا راستے میں جو ہوا سو ہوا وہ الگ داستان ہے اب اصل موضوع کی طرف آتے ہیں جس کے لیے عنوان باندھا گیا ہے وہ کچھ یوں ہے۔

''کہ راستے میں جا بجا چیکنگ پوسٹوں پر بس کو ٹھہرایا جانا کچھ مخصوص مسافر بس سے اترتے اور دمکتے چمکتے چہروں سے واپس اپنی سیٹوں پر براجمان ہو جاتے۔ البتہ کہیں کہیں کارروائی کے لیے بس میں کوئی پولیس والا داخل ہوتا مسافروں کے چہروں کا سرسری طور پر ''نفسیاتی'' جائزہ لیتے ہوئے واپس چلا جاتا اور یوں ''مک مکا'' کے سنہرے اصول پر عمل پیرا ہوتے ہوئے بس بحفاظت دریائے راوی عبور کر گئی۔ اس کے ساتھ ہی انہی مخصوص افراد میں سے ایک صاحب اٹھے اور ٹی وی کے اوپر اور کوچ کی چھت کے درمیان نہایت مہارت کے

Marfat.com

ساتھ چھپائے ہوئے کالے رنگ کے دو انتہائی قیمتی ریشمی منقش تھان تمام مسافروں کے سامنے اطمینان سے نکالے اور جیسے ہی شیرانوالہ گیٹ آیا انہی مخصوص چہروں والے افراد نے تقریباً 15 تھان اپنی اپنی نشستوں سے نکالے اور اطمینان سے اتر گئے۔

میں نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص سے پوچھا کہ آپ نے کچھ دیکھا؟ تو اس نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا کہ ٹی وی کا صرف یہی استعمال نہیں ہے بلکہ ٹی وی کے ڈبے کے اندر بھی سمگل شدہ ٹی وی اور وی سی آر بھی کم و بیش ہر پھیرے میں نیا سیٹ کر کے لایا جاتا ہے جو راستے میں غموں اور دکھوں سے معمور مسافروں کو تفریح کا سامان بھی مہیا کرتا ہے اور ملکی معیشت کو بھی ''مضبوط'' کرتا ہے۔

ایک خیال آیا کہ شاید سمگلنگ کا یہ سلسلہ صرف پشاور اور لاہور میں ہی میں جاری ہے اور ملتان اور ڈیرہ غازی خان اور بہاولپور وغیرہ کی طرف جو کوچیں چلتی ہیں ان میں تو ''اصلی'' وی سی آر سے تفریح پہنچائی جاتی ہوگی لیکن دوسرے ہی لمحہ یہ خیال بھی باطل ٹھہرا کہ کیا ان علاقوں میں سمگلنگ ''خلاف قانون'' ہے؟ ''غالباً'' یہ اصول حکومت ہی کا قائم کردہ ہے کہ ''موٹر سائیکل اور سکوٹر پر ڈبل سواری اس لیے خلاف قانون کی گئی ہے کہ ان پر دہشت گردی کی وارداتیں نہایت آسانی سے ہو جاتی ہیں چنانچہ اس قانون کے نتیجہ میں نہ ڈبل سواری ہوگی اور نہ دہشت گردی ہوگی تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری کا مقولہ برحق ثابت ہو۔

تو کیا اس مقولہ کا اطلاق لگژری بسوں اور فلائنگ کوچوں پر نہیں کیا جا سکتا کہ نہ ان میں ٹی ویز اور وی سی آر رہوں گے اور نہ سمگلنگ ہوگی۔

قوت نافذہ اور ارباب قانون اس بارے میں کیا قانون بناتے ہیں وہ اپنی جگہ پر سوالیہ نشان رہے گا۔

وگرنہ خالق کائنات کا ارشاد تو بالکل واضح ہے۔

''اور وہ لوگ جو چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں برائی پھیلے تو ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے اور (اس امر کو) اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (القرآن)

خلیفہ اول حضرت صدیق اکبرؓ کا فرمان ہمیں متنبہ کر رہا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ اس قوم پر ذلت و نکبت مسلط کر دیتا ہے جس قوم میں بے حیائی عام پھیل جائے۔''

(روزنامہ جنگ، لاہور 15 اکتوبر 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

صدر اور وزیراعظم ملک وقوم پر رحم کھائیں

غریب اور مقروض ملک کو معاشی و اقتصادی اعتبار سے مضبوط اور مستحکم کرنے کی ذمہ داری جہاں وطن عزیز کے دیگر اداروں پر عائد ہوتی ہے وہاں خاص طور پر دو اہم شخصیات پر بدرجہ اولیٰ عائد ہوتی ہے۔ بظاہر یہ صرف دو شخصیات نظر آتی ہیں لیکن حقیقت میں یہ شخصیات پورے ملک اور معاشرے کی اصلاح و مفاد میں اہم کردار ادا کرتی ہیں ان کا ایک ایک عمل براہ راست ملک میں بسنے والے افراد پر اثر انداز ہوتا ہے۔

وزیراعظم ہاؤس اور ایوان صدر صرف دو گھروں میں مقیم افراد کے محلات کا نام نہیں بلکہ یہ ایسے محلات ہیں جن پر غریب اور مقروض ملک کے باشندے جن کا رواں رواں بیرونی و اندرونی قرضوں میں جکڑا ہوا ہے اپنے مانگے تانگے کے بجٹ میں سے ایک ارب 74 کروڑ روپے (تقریباً) کی خطیر رقم خرچ کر رہے ہیں (گویا ساڑھے سینتالیس لاکھ روپے روزانہ) جبکہ چاروں صوبوں کے وزراء اعلیٰ اور گورنرز ہاؤس کے اخراجات ان کے علاوہ ہیں جو مجموعی طور پر اربوں اور کروڑوں پر مشتمل ہیں۔

یہ کہنا کہ وزیراعظم ہاؤس اور ایوان صدر صرف دو شخصیات کی رہائش گاہیں ہیں، ملک اور قوم کی توہین کے مترادف ہیں کیونکہ ہر دو شخصیات ملک وقوم کے نمائندوں کی حیثیت رکھتی ہیں، ان کی عظمت و منزلت ملک وقوم کی عظمت و منزلت ہے، ان کی بڑائی ہی میں ملک و قوم کی بڑائی ہے، ان کے محلات کی چمک دمک میں ملک وقوم کی ترقی کی راہیں پنہاں ہیں، ان محلات میں منور فانوس ملک وقوم کی ترقی کے مینارہ نور کے مشابہ ہیں۔ ان میں رکھے ہوئے قیمتی نوادرات ملک وقوم کی عظمتوں کی نشاندہی کرتے ہیں ان میں بچھے ہوئے قیمتی منقش قالین ملک وقوم کے باغات کی ہریالی کی بازگشت ہیں۔

یہ صرف دو گھروں کا نام نہیں بلکہ یہ بین الاقوامی اداروں کے سربراہوں اور غیر ملکی حکمرانوں کی شان و شوکت کے مطابق مہمان نوازی کے عظیم مقامات ہیں جہاں ان کے مقام و مرتبہ اور قدر و منزلت کے اعتبار سے گارڈ آف آنرز پیش کر کے میزبانی کا حسین فریضہ سرانجام

Marfat.com

دیا جاتا ہے۔ عظیم مہمانوں کو ان کی رفعتوں کا ادراک کیے بغیر کم تر مقامات پر ملاقات کا موقع فراہم کرنا ان کی توہین کے مترادف ہے۔ یہاں دنیا کے عظیم بادشاہوں اور حکمرانوں کو قوم کے لطیف مزاج سے آشنائی کا بلاواسطہ موقع فراہم ہوتا ہے، وہ قوم کے حسن انتخاب و حسن امتزاج سے براہ راست آگاہ و آشنا ہوتے ہیں، ان محلات اور اپنے محلات کا موازنہ کر کے پاکستانی قوم کی ہنرمندی و مہارت کے معترف ہوئے بغیر نہیں رہتے۔

بہر حال عظیم مقاصد کے حصول کے لیے ملک و قوم کو قربانیاں دینی ہی پڑتی ہیں چنانچہ نوکر شاہی، بیوروکریسی، ایگزیکٹو (انتظامیہ) کے چھوٹے بڑے سیکرٹری حضرات اس قسم کے دلائل کے پیش کرنے میں کبھی ''سستی و کاہلی'' کا مظاہرہ نہیں کرتے کیونکہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ جب ان دو گھروں پر اربوں روپے خرچ کرنے کے جوازات کو ثابت کرنے میں کامیاب و کامران رہیں گے تو پھر اپنے لیے بھی اپنے اپنے مقام و مرتبہ کے اعتبار سے ملکی خزانے کو ''حلوائی کی دکان دادا جی کی فاتحہ'' کی مانند خرچ کرنے اور ہاتھ رنگنے میں کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہوں گے اور اسی طرح بہتی گنگا سے بہت کچھ حاصل کر لیں گے۔

یقیناً یہ سب کچھ بجا سہی لیکن ذرا تصور کیجئے جب ان قیمتی محلات میں بیٹھ کر موروثی کنگلے ہاتھ پھیلا پھیلا کر بھیک مانگنے کے لیے مذاکرات کر رہے ہوتے ہوں گے تو ملک و قوم کی عظمتوں کی داستانیں کس کس امر پہ نوحہ کناں نہ ہوتی ہوں گی۔

وہ ان محلات کو دیکھ دیکھ کر اور ہماری قرض خواہی کی عرضیوں کو پڑھ پڑھ کر ہمارے بارے میں...... ہماری حب الوطنی کے بارے میں...... ہماری کفایت شعاری کے بارے میں...... ہماری دور اندیشی کے بارے میں...... ہمارے ترقیاتی اور غیر ترقیاتی اخراجات کے بارے میں...... چاند پر کمند ڈالنے کے حسین خوابوں اور سپنوں کے دیکھے جانے اور عملی زندگی کی حقیقتوں کی دورنگی کے بارے میں......

ہماری تصوراتی حساب دانی کی خام خیالیوں کے بارے میں...... غیر مفید منصوبوں کی تکمیل کے لیے لایعنی قسم کے دلائل اور جوازات کے بارے میں...... ماضی میں حاصل کردہ قرض کے حصول کے دعوؤں اور ان حاصل شدہ قرضوں کے اخراجات کی تصدیقات کی کذب بیانی کے بارے میں...... ماضی میں حکمرانوں کے حاصل کردہ کمیشن کی تفصیلات معلوم ہو جانے کے بعد بھی کیا ہمیں قابل اعتماد قوم سمجھتے ہوں گے؟ ہمارے فلک شگاف وسیع و عریض محلات

Marfat.com

دیکھ کر مرعوب ہوتے ہوں گے؟ وہ اس امر سے بھی بخوبی واقف ہیں کہ غریب اور مقروض قومیں پہلے عظیم عظیم محلات تعمیر نہیں کیا کرتیں بلکہ وہ چھوٹے چھوٹے جھونپڑوں میں بھی رہ کر پہلے اپنی مردہ زمینوں کو سیراب کرتی ہیں...... اپنے کھلیانوں کو سرسبز و شاداب کرتی ہیں۔ سیم زدہ اور ناکارہ زمینوں کو ہرے بھرے لہلہاتے باغات وگلستان میں تبدیل کرتی ہیں۔

اپنے کارخانوں کی چمنیوں کو دھوؤں سے ہر وقت مکدر رکھتی ہیں اور ان کی چمنیاں ہر وقت دھوئیں کے بادل بناتی رہتی ہیں۔ سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد کی بجائے لاکھوں افراد کو سرکاری کارخانوں، ملوں، فیکٹریوں اور اداروں میں ملازم رکھ کر قوم کا سرمایہ ہڑپ اور غتر بود کرنے کی مذموم کوششیں نہیں کیا کرتیں۔ ذرائع مواصلات اور رسل وحمل کے بغیر غیر ضروری صنعتی ادارے قائم نہیں کیا کرتیں...... اپنی سستی آبی بجلی پیدا کرنے کی بجائے غیروں سے مہنگی ترین بجلی خریدا نہیں کرتیں...... اپنے ملک میں موجود وافر خام مال کو سستے داموں فروخت کر کے مہنگے داموں خرید کر ملکی خزانہ خالی نہیں کیا کرتیں...... اپنی افرادی قوت کو ننگ و فقر کی غار میں دھکیلا نہیں کرتیں...... زیر زمین ملکی خزانوں کو اپنے دشمن کے حوالے نہیں کیا کرتیں...... اور اپنے مستحکم اداروں کو اپنوں کی بجائے غیر ملکی یہودی فکر کی حامل کمپنیوں کو ''نج کاری'' کے نام پر فروخت کر کے ملکی معیشت کی ''نکیل'' اور ''شہ رگ'' ان کے ہاتھوں میں تھمایا نہیں کرتیں...... اور اپنے ملک کے تعلیم یافتہ، ایجاد پرور اذہان، جفاکش اور کچھ ''کر جانے کے'' جذبات سے معمور ''لعل و جواہر'' کو غیروں کے سپرد نہیں کیا کرتیں کہ وہ ان کی صلاحیتوں سے خوب خوب فائدہ حاصل کریں اور وطن عزیز ان سے محروم رہے۔

حکمران یاد رکھیں؟ کہ ان کی عظمت اونچے اونچے اور وسیع وعریض محلات میں ''مقید'' رہنے میں نہیں...... غیروں کے خرچ پر شاہانہ زندگی گزارنے میں نہیں...... نمائشی شان وشوکت کے اظہار میں نہیں...... تاریخ اسلام کے عظیم حکمرانوں کی حیات مبارکہ کی روشن مثالیں ہماری رہنمائی کے لیے کیا کافی نہیں؟

حکمرانوں کے حکمراں، سلطانوں کے سلطان اعظم، سرور کائنات ﷺ دنیا و مافیا میں اختیار و تصرف رکھنے کے باوجود اپنے جان نثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان سادہ سے مکان میں تشریف فرما ہوتے تھے۔ خلفاء راشدین اور کئی عظیم المرتبت اسلامی خلفاء کی مثالیں کیا ہمارے لیے مشعل راہ نہیں؟

شاید انھیں قدیم ماضی کی مثالیں کہہ کر نظر انداز کر دیا جائے لیکن ابھی زیادہ عرصے کی

Marfat.com

بات نہیں ماؤزے تنگ، چواین لائی، قائداعظم جمال عبدالناصر، صدر معمر قذافی، ایران کے صدور اور وزیراعظم کیا سادہ اور عام عمارات میں نہیں رہا کرتے تھے اور رہتے ہیں۔ ابھی کل ہی کی بات ہے مدر ٹریسا کون سے محل میں رہتی تھی؟ لیکن حکمرانی لوگوں کے دلوں پر کرتی تھی۔

لیڈی ڈیانا اپنی تمام ضلالتوں، گمراہیوں کے باوجود اپنے مغربی ماحول کی سیاہ کاریوں میں سراپا ملوث ہوتے ہوئے بھی ظاہر بیں افراد کے لیے حکمرانی کا تاج اپنے سر پر سجائے ہوئی نظر آئی کیا کسی بڑے محل میں رہنے کی بنا پر؟ کیا شہنشاہ ایران دنیا کے چند خوبصورت ترین محلات میں سے ایک عظیم محل میں نہیں رہتے تھے؟

لیکن...... آج وہ محل حکمرانوں کے لیے عبرت کا نشان اور عوام کے لیے تفریح طبع کا سامان ہے۔ کیا مغلیہ بادشاہوں کے محلات قوم مسلم کے لیے عبرت کا سامان مہیا نہیں کر رہے جو قوم کے خزانوں سے تعمیر ہوئے؟

عوام سوچتے ہیں کہ جب کوئی شخص صدر یا وزیراعظم بن جاتا ہے تو یکا یک اس کے خورد و نوش، رہن سہن اور بود و باش میں غیر معمولی فرق کیوں آ جاتا ہے؟

ہر شخص جاننا چاہتا ہے کہ ہر دو اصحاب کے محلات کا حدود اربعہ، رقبہ، کمرہ جات کی تعداد وزیٹنگ اور میٹنگ ہالز کا حجم، کھیلوں کے میدان، سوئمنگ پولز، گارڈنز اور مساجد کی وسعتوں میں غیر معمولی امتیازی فرق کیوں ہے؟

یہ محلات اپنی وسعتوں، زیب و زینت، آرائش، حسن و جمال، نقش و نگار وغیرہ کی بنا پر کثیر اخراجات کی متقاضی ہوتی ہیں اور یہ اخراجات ان محلات میں رہنے والے کیا خود اپنی گرہ سے کرتے ہیں؟

مختلف محب وطن افراد کے نزدیک ملک کے کثیر سرمایہ سے تعمیر ہونے والے محلات کے معارف اور استعمالات کو مناسب شکل میں بدل دیا جائے تو ملک کے ایک ارب چوہتر کروڑ میں سے کم از کم ایک ارب پچاس کروڑ روپیہ سالانہ بچایا جا سکتا ہے۔

اسلام آباد میں نہایت اعلیٰ اور شاندار محل نما کوٹھیاں کئی افراد نے نجی طور پر کرایہ پر دینے کے لیے تیار کر رکھی ہیں۔ جن کا زیادہ سے زیادہ کرایہ ایک سے دو لاکھ روپے ماہانہ ہے صدر اور وزیراعظم کے خاندان کے افراد کے مطابق انھیں کرایہ پر حاصل کر لیا جائے۔ ان رہائش گاہوں کی زیب و زینت آرائش و برقیات پر اگر آٹھ لاکھ روپے ماہانہ بھی خرچ کرنا پڑے تو دونوں رہائش گاہوں پر سالانہ دو کروڑ چالیس لاکھ سے 4 کروڑ اسی لاکھ روپے خرچ ہوں گے

Marfat.com

جن میں سے کئی لاکھ دوبارہ مالک رہائش گاہ سے ٹیکسز کی شکل میں قومی خزانہ میں واپس کی جائیں گی۔ ان تعمیر شدہ محلات کو خالی رکھنے کی بجائے کسی ایک مناسب محل کو ہر دو کے دفتروں کے طور پر استعمال کیا جائے اور دوسرے محل کو بوقت ضرورت ملک میں آنے والے مہمانان ذی شان حکمرانوں اور مختلف سرکاری وفود کی رہائش گاہوں کی شکل میں زیر مصرف رکھا جائے تاکہ ان وفود کو جو مختلف فور اور فائیو اسٹارز ہوٹلز میں ٹھہرا کر ملک کا قیمتی خزانہ ان کے بل ادا کیے جانے میں صرف کیا جاتا ہے بچایا جا سکے۔ وسیع وعریض عمارت کے مسلسل 24 گھنٹے کے استعمال اور صرف دفتری اوقات کے استعمال میں اخراجات کے اعتبار سے زمین وآسمان کا فرق ہے۔ وسیع وطویل محلات کی سیکورٹی اور دیکھ بھال کے اخراجات میں واضح فرق ہے۔

نیز صدر اور وزیر اعظم کو اپنی آمد ورفت میں مناسب حد تک ایسی تبدیلیاں لانے کی ضرورت ہے جن کی بنا پر آمد ورفت کے اخراجات میں بھی کمی واقع ہو۔

جب ہر دو صاحبان سادہ طرز زندگی کی طرف عملی طور پر اقدامات زیر عمل لائیں گے تو اس کے براہ راست اثرات گورنر ہاؤسز، وزراء اعلیٰ کی رہائش گاہوں اور خاص طور پر بیوروکریسی ''نوکر شاہی'' کے طرز زندگی پر پڑے گا۔

جب ملک کا وزیر اعظم عام بنی ہوئی بڑی کوٹھی یا رہائش گاہ میں رہے گا تو چیف سیکرٹری سے لے کر سیکشن آفیسرز کی شاہانہ طرز رہائش بھی لازماً سادگی کی طرف پلٹے گی۔ سرکاری افسران کی دس، دس کنال کی وسیع وعریض کوٹھیاں لامحالہ اپنے مناسب حجم کی طرف پلٹے گی۔

قوم پنجاب کے ماضی اور حال کے وزیر اعلیٰ سے اس لیے خوش تھی اور ہے کہ انھوں نے ذاتی رہائش گاہوں میں قیام کر کے لاکھوں روپے کی بچت کی اور سرکاری رقم سے اپنی رہائش گاہوں کو تعمیر نہیں کیا۔

قوم آج کے حکمرانوں سے توقع رکھتی ہے کہ وہ غریب وطن کے باسیوں پر رحم کھاتے ہوئے حتی الامکان سرکاری خزانہ کو غیر ترقیاتی مقاصد میں خرچ نہ کر سکے ملک وقوم کی ترقی میں اپنا حقیقی کردار ادا کریں۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 19 اکتوبر 1997ء)

♥ ...... ♥ ...... ♥

Marfat.com

قرآن کریم میں شراب کا حکم

خالق کائنات نے اپنی آخری کتاب ''قرآن مجید'' میں قیامت تک کے لیے ان احکامات کو بیان فرما دیا ہے جو بالخصوص امت مسلمہ اور بالعموم نسل انسانی کی فلاح و کامرانی، حیات زندگانی اور نجات اخروی کے لیے انتہائی ضروری ہیں اور یہ احکامات اوامر اور نواہی کی صورت میں حسب ضرورت کہیں تفصیل اور کہیں اجمال کی صورت میں ذکر کیے گئے ہیں۔

قرآن کریم کے پیغام کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں بیان کردہ احکامات شان نزول کے اعتبار سے مخصوص زمانہ کے لیے محدود نہیں جنھیں صرف اس زمانہ کی روایات، عادات، اطوار، رسم و رواج کا آئینہ قرار دے کر صرف اسی زمانہ تک محدود کر دیا جائے۔

قرآن حکیم نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا اور جن کے حرام ہونے کے بارے میں کسی بھی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ''شراب'' بھی ان میں سے ایک ہے۔

اسلام کے اوامر اور نواہی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کے فوائد و مضمرات کی وضاحت عقل و نقل ہر طرح سے ممکن ہے اگر اسلام نے ایک چیز کو حلال قرار دیا ہے تو اس کے حلال ہونے میں فوائد ہی فوائد نظر آئیں گے اور اگر اسے حرام قرار دیا ہے تو اس کے حرام ہونے میں نقصانات ہی نقصانات نظر آئیں گے۔

دین اسلام کی یہ اہم خصوصیت ہے کہ وہ صاف ستھری چیزوں کے کھانے پینے اور استعمال کرنے کی اجازت دیتا ہے چنانچہ گوشت کھانے سے نہ منع کرتا ہے اور نہ ہی حوصلہ شکنی کرتا ہے لیکن مسلمانوں کو گوشت کھانے میں حلال و حرام کے درمیان تمیز کرنا سکھاتا ہے اور یہ انداز بنی نوع انسان کی فطری خلقت کو پیش نظر رکھنے اور اس میں غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

قرآن عظیم جب ان منع شدہ چیزوں کے نقصان پہنچانے کی وضاحت اور تشریح کرتا ہے تو اصل مقصد انسان کی صحت کے استمرار کے ساتھ ساتھ اس کی ذہنی نشو و نما اور اخلاقی اقدار کا استحکام بھی ہوتا ہے۔

Marfat.com

عرب میں جس وقت شراب کو حرام قرار دیا گیا تو چند افراد کے علاوہ باقی سب اس کے گرویدہ اور متوالے تھے جن کی بناء پر ان میں اَن گنت جسمانی، روحانی، اخلاقی، معاشی، تمدنی اور تہذیبی برائیاں پیدا ہو چکی تھیں چنانچہ دین متین اسلام کے مطہر و مصفی پاکیزہ نظام میں ''ام الخبائث'' کی گنجائش کیونکر ہو سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے حرام ہونے کا حکم تدریجاً آہستہ آہستہ نازل فرمایا تا کہ اسلام میں نئے داخل ہونے والے افراد پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔

مکہ مکرمہ میں شراب کی حرمت کا آغاز اس انداز میں ہوا جس میں خوف اور نفرت پیدا کرتے ہوئے اجتناب کا جذبہ پیدا کرنا مقصود تھا۔

چنانچہ ارشاد فرمایا۔

''اور کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں سے تم لوگ نشے کی چیز اور رزق حسن (سرکہ اور رب خرمہ اور مویز) حاصل کرتے ہو بے شک اس میں عقل مندوں کے لیے نشانی ہے۔''

(النحل:67)

جب صحابہ کرام ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو انھوں نے یہاں شراب کا عام رواج دیکھا تب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ حاضر ہو کر اس خواہش کا اظہار فرمایا۔

''یارسول اللہ! شراب اور جوئے کے بارے میں فیصلہ فرمایئے کیونکہ یہ دونوں عقل اور مال کو برباد کر دیتی ہیں۔''

چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد باری ہوا۔

''اے پیغمبر! لوگ آپ سے شراب اور جوئے کی بابت اس کا حکم پوچھتے ہیں تو آپ ان سے فرما دیں کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے کچھ دنیوی نفع بھی مگر ان دونوں چیزوں کا گناہ ان کے فائدے سے زیادہ ہیں۔'' (البقرہ:119)

کچھ احباب نے ''اثم کبیر'' کو پیش نظر رکھتے ہوئے فوراً اس کو ترک کر دیا اور کچھ نے ''منافع للناس'' کے ظاہری حکم کو دیکھتے ہوئے اس کو جاری رکھا۔

کچھ عرصہ کے بعد حکم نازل ہوا۔

''اے ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ۔''

اس طرح ان افراد کو جو ابھی تک صرف ظاہری فائدے کو پیش نظر رکھے ہوئے تھے

Marfat.com

ان کے لیے اس کے استعمال کے اوقات کو اور محدود کر دیا گیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر خدمت ہوئے اور اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ

''اے ہمارے رب شراب کے بارے میں اب واضح اور شافی حکم نازل فرما دے۔''

چنانچہ شراب کے بارے میں آخری حکم نازل ہونے سے پہلے نبی آخرالزماں محمد مصطفیٰ ﷺ نے ایک خطبہ میں متنبہ کرتے ہوئے فرمایا۔

''کہ اللہ تعالیٰ کو شراب سخت ناپسند ہے، بعید نہیں کہ اس کی قطعی حرمت کا حکم آ جائے لہٰذا جن کے پاس یہ موجود ہے وہ اسے (کافروں) کو فروخت کر دیں۔''

اس کے کچھ دنوں کے بعد 3 ہجری میں شراب جوئے وغیرہ کے قطعی حرام ہونے کے بارے میں واضح حکم نازل ہو گیا۔

ارشاد خداوندی ہے۔

''اے ایمان والو! بے شک شراب اور جواء اور بت اور جوئے کے تیر سب ناپاک ہیں، شیطان کی کارستانیاں ہیں، سو ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان تو چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمھارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمھیں خدا کے ذکر اور نماز سے روک دے پھر کیا تم ان چیزوں سے نہیں رکو گے؟'' (المائدہ: 91,90)

تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ جن حضرات نے ابھی تک رفعت پر عمل کرتے ہوئے شراب کا استعمال جاری رکھا ہوا تھا اس حکم کے سنتے ہی ہاتھوں میں پکڑے ہوئے جام پٹخ دیے، لبوں سے مس ہوتے ہوئے جام خود بخود الگ ہو گئے، مونہہ میں موجود شراب کے قطروں کو کلی کر کے نکال دیا گیا اور پڑے ہوئے مٹکوں کو توڑ دیا گیا۔

یہ قرآن کریم کا اعجاز تھا اور سرور کائنات علیہ التحیۃ والثناء کی اطاعت کا بے مثال نمونہ اور یہ نتیجہ تھا۔ اس اصلاحی انقلابی تحریک کا جو ہادی برحق کے مقدس ہاتھوں انجام پذیر ہوئی۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 10 اکتوبر 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

''احادیث مبارکہ میں شراب کا حکم''

محسن کائنات حضور اکرم محمد مصطفیٰ ﷺ نے بھی شراب کی حرمت اور اس کی نجاستوں کے بارے میں واضح احکامات صادر فرمائے ہیں۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ روایت فرماتے ہیں۔

کہ حضور اکرم ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی کہ شراب نہ پی وہ کل برائیوں کی جڑ ہے۔ (ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے'' بے شک رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دنیا میں شراب پیئے گا پھر نہ توبہ کرے تو وہ آخرت میں شراب سے محروم رہے گا۔'' (بخاری شریف)

یعنی جب وہ دنیا میں شراب پیئے گا تو آخرت میں شراب طہور سے محروم رہے گا۔

شراب سے فطری نفرت پیدا کرتے ہوئے اور انسان پر اس کے جو منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں اس کی ایک جھلک دکھاتے ہوئے حضور اکرم محمد مصطفیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے شراب پی اس کی چالیس روز کی نمازیں قبول نہیں کی جائیں گی، اگر اس نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرے گا اور اگر اس نے دوبارہ شراب پی تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس روز کی نمازیں قبول نہیں کرے گا اور اگر اس نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرے گا اور اگر اس نے پھر شراب پی تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس روز کی نمازیں قبول نہیں کرے گا اور اگر اس نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرے گا اور اگر اس نے چوتھی بار شراب پی تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس روز کی نمازیں قبول نہیں کرے گا اور اس نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہیں کرے گا اور اس کو نہر خبال سے پلائے گا'' کہا گیا کہ اے ابو عبدالرحمان نہر خبال کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ وہ جہنمیوں کی پیپ کی نہر ہے۔'' (جامع ترمذی)

Marfat.com

اور یہ کس قدر ایک مسلمان کی بد قسمتی ہے کہ وہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہونے کے باوجود صفت ایمان سے محروم ہو جائے اور ایمان کی جو برکات و رحمات اس پر نازل ہونی چاہئیں وہ اپنے آپ کو ان سے محروم کر لے چنانچہ اس کیفیت کو بیان کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے روایت کی کہ جب کوئی شخص زنا کرتا ہے تو عین زنا کرتے وقت وہ مومن نہیں رہتا جب کوئی شراب پیتا ہے تو شراب پیتے وقت وہ مومن نہیں رہتا اور جب چوری کرتا ہے تو حالت ایمان میں نہیں ہوتا یعنی نور ایمان سے محروم ہوتا ہے۔'' (بخاری شریف)

اس مختصر سی حدیث مبارکہ میں آپ نے تین ایسے افعال کا ذکر فرمایا ہے جن پر ''حدود'' جاری ہوتی ہیں اور یہ تینوں حدود اس قبیل سے تعلق رکھتی ہیں جنھیں نہ حکمران، نہ قاضی، نہ منصف اور نہ کوئی شخص معاف کر سکتا ہے۔ جب بھی کسی مرتکب سے ان افعال کا ارتکاب ثابت ہوگا حد ضرور نافذ کی جائے گی اور ان میں حد کی معافی کا اختیار کسی کو حاصل نہیں ہے۔

شراب پینے، پلانے کا ایسا مکروہ فعل ہے جس میں صرف ایک ہی ملوث شخص قابل نفرت اور لعنت نہیں بلکہ اس مکروہ فعل میں جتنے افراد بھی جس حیثیت اور جس طریق کار سے بھی حصہ لیں گے وہ سب اللہ تعالیٰ کی لعنت کے مستحق ہوں گے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب پر، شراب پینے والے پر، شراب پلانے والے پر، شراب فروخت کرنے والے پر، شراب خریدنے والے پر، شراب نچڑوانے والے پر، شراب نچوڑنے والے پر، شراب اٹھا کر لانے والے پر، شراب منگوانے والے پر، لعنت کی ہے۔'' (سنن ابی داؤد)

شراب کے بارے میں تو اسلامی احکامات بالکل واضح ہیں البتہ ہر وہ چیز جو نشہ پیدا کرے اس کے بارے میں بھی حضور اکرم ﷺ نے واضح احکامات صادر فرمائے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم ﷺ سے روایت فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ سے ''تبع'' کے بارے میں پوچھا گیا ''تو آپ نے فرمایا جو شراب نشہ کرے وہ حرام ہے۔'' (جامع ترمذی)

Marfat.com

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جو نشہ والی چیز ہے حرام ہے بے شک خدا کا اس پر عہد ہے کہ جو نشہ دار چیز پیئے گا اس کو فساد کی مٹی پلائے گا۔ اصحاب نے عرض کی یارسول اللہ فساد کی مٹی سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا دوزخیوں کا پسینہ یعنی ان کی پیپ۔ (مسلم شریف)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''جو چیز پینے کی نشہ دے اور مست کر دے وہ حرام ہے۔''

(مسلم و بخاری شریف)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ''کہ جب کوئی مست ہو جائے تو اس کو کوڑے مارو پھر اگر مست ہو جائے تو چوتھی بار اس کو قتل کر دو۔'' (نسائی شریف)

(روزنامہ جنگ، لاہور 12 اکتوبر 1997ء)

Marfat.com

انجیل مقدس میں شراب کا حکم اور اس کی سزا

ام الخبائث ''شراب'' کو صرف دین اسلام ہی نے حرام قرار نہیں دیا ہے بلکہ الہامی کتاب کے اندر کسی نہ کسی انداز سے اس کو حرام قرار دیا گیا ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کے لیے بھی الہامی کتاب ''انجیل مقدس'' پرانے اور نئے عہد نامے کے اندر مختلف مقامات پر شراب کی مذمت کی گئی ہے۔

انجیل مقدس کے اندر شراب سے اجتناب کرنے کی بابت لکھا ہے:

''شراب کے متوالے نہ بنو کیونکہ اس سے بدچلنی واقع ہوتی ہے بلکہ روح سے محروم ہو جاتے ہیں۔'' (بائبل، افسیوں:5/18 نیا عہد نامے)

ایک اور مقام پر شراب کے نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''تو شرابیوں میں شامل نہ ہو جانا اور نہ حریص کبابیوں میں کیونکہ شرابی اور کبابی کنگال ہو جائیں گے، کون افسوس کرتا ہے؟ کون غمزدہ ہے؟ وہی جو دیر تک مے نوشی کرتے ہیں۔'' (بائبل 23/20)

شراب پینے والوں پر کوڑوں کی سزا جاری کرنے کے بارے میں کہا گیا۔

''شراب پینے پر کوڑوں کی سزا اور شرابیوں کے ساتھ کھانے پینے کو سخت جرم قرار دیا۔'' (انجیل، متی 72/7)

شرابیوں کے انجام کار کا ذکر کرتے ہوئے کہا ''حرام کار، لالچی اور شرابی خدا کی بادشاہی کے وارث نہیں ہوں گے۔'' (بائبل، کرنتھیون 6/9)

حتیٰ کہ ہر نشہ آور چیز استعمال کرنے والے کی مذمت کرتے ہوئے لکھا۔

''ہر نشہ آور چیز کو استعمال کرنے والے کو خبیث کہا گیا ہے۔''

(بائبل، سموئیل 1/1694)

انجیل مقدس کی مندرجہ بالا آیات سے بھی یہ امر واضح ہے کہ عیسائیت کی اصل

Marfat.com

تعلیمات کے اعتبار سے بھی شراب حرام ہے۔

فقہاء اسلام نے نہایت تفصیل اور وضاحت سے شراب کے احکامات کے بارے میں گفتگو کی ہے مثلاً

1- خمر کی حقیقت

2- خمر کی تعریف

3- خمر بعینہ حرام کیوں ہے؟

خمر بعینہ کا حرام ہونا نشہ پر موقوف نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خمر کو (مطلقاً) رجس (نجس) قرار دیا ہے اور رجس بعینہ حرام ہوتا ہے اور شراب کی حرمت سنت متواترہ سے بھی ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خمر کو حرام قرار دیا ہے اور اس پر اجماع بھی منعقد ہو چکا ہے کہ خمر فی نفسہ حرام ہے، نشہ دے یا نہ دے اور باقی نشہ آور چیزوں کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خمر بعینہ حرام ہے اور باقی مشروبات بہ قدر نشہ حرام ہیں۔

4- خمر کی نجاست کے بارے میں حکم یہ ہے کہ یہ پیشاب کی مانند نجس ہے۔

5- خمر کو حلال سمجھنے والے کافر ہیں کیونکہ وہ دلائل قطعیہ کا انکار کر رہا ہے۔

6- مسلمان کے حق میں خمر مال منظوم نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے۔

''جس ذات نے خمر کے پینے کو حرام کیا ہے اسی نے اس کو فروخت کرنے اور اس کی قیمت کھانے کو حرام قرار دیا ہے۔''

7- خمر سے نفع حاصل کرنا حرام ہے کیونکہ خمر نجس ہے اور نجس چیز سے نفع حاصل کرنا حرام ہے اور نفع حاصل کرنے میں خمر سے اجتناب کرنا واجب ہے۔

خمر پینے والے پر حد لگائی جائے گی خواہ اس کو نشہ ہو یا نہ ہو کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''کہ جو شخص خمر پئے اس کو کوڑے لگاؤ اگر دوبارہ پئے تو پھر کوڑے لگاؤ اور پھر پئے تو پھر کوڑے لگاؤ۔'' (نسائی شریف)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس پر اجماع ہے اور اجماع صحابہ کرام سے خمر کی حد 80 کوڑے مقرر کی گئی ہے۔

Marfat.com

حضرت سوید بن طارق رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے شراب کے بارے میں پوچھا تو حضور اکرم ﷺ نے اس کو استعمال سے منع فرمایا۔ اس نے کہا کہ اس سے ہم علاج کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

''شراب دوائی نہیں ہے بلکہ یہ تو بیماری ہے۔''

حضور اکرم ﷺ سے شراب کی حرمت کے موقع پر بعض لوگوں نے پوچھا کہ ہم یہودیوں کو تحفتاً کیوں نہ دے دیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

''جس نے یہ چیز حرام کی ہے اس نے اسے تحفتاً دینے سے بھی منع فرمایا ہے۔''

ایک اور صحابی مکرم نے عرض کی یارسول اللہ! ہم ایسے علاقے میں رہتے ہیں جو نہایت سرد ہے اور ہمیں محنت بھی بہت کرنی پڑتی ہے، ہم لوگ شراب سے تھکن اور سردی کا مقابلہ کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا جو چیز تم پیتے ہو وہ نشہ کرتی ہے؟ انھوں نے عرض کی ہاں! فرمایا تو اس سے پرہیز کرو۔ انھوں نے عرض کی کہ مگر ہمارے علاقے کے لوگ تو نہیں مانیں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

''اگر نہ مانیں تو ان سے جنگ کرو۔''

ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں عذر پیش کیا کہ میں تو شراب کو دوائی کے واسطے بناتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

''شراب دوا نہیں بلکہ خود روگ ہے، وہ آدمی کی عقل کو کھو کر جانور بنا ڈالتی ہے۔'' (مشکوٰۃ)

(روزنامہ جنگ، لاہور 14 اکتوبر 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

طبی نکتہ نگاہ سے شراب کی سیاہ کاریاں

معصومانہ اور بھولے بھالے انداز سے، غیر محسوس طریقے سے، غیر شعوری طور پر انتہائی عیاری اور چالاکی سے عموی طور پر یہ بات ذہن میں ڈالی جاتی ہے کہ جو افراد تھوڑی مقدار میں شراب سے دل بہلاتے ہیں ان پر مستقل طور پر شراب کے ایسے اثرات مرتب نہیں ہوتے جو جان لیوا ثابت ہوں اور کچھ معمولی سے اثرات مرتب بھی ہوتے تو وہ عارضی اور وقتی ہوتے ہیں۔

لیکن جدید طبی تحقیقات نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ شراب میں ایک خاص سرکہ کی قسم کا تیزابی مادہ ہوتا ہے جسے ایسیٹک ایسڈ (Acetic Acid) کہتے ہیں اور اس میں اس قدر قوت تحلیلیہ ہوتی ہے کہ جیسے ہی کوئی شخص شراب کا ایک گھونٹ پیتا ہے اور گھونٹ اس کے حلق سے اترنے نہیں پاتا مگر یہ تیزابی مادہ اس کی زبان اور مسوڑھوں پر اثر انداز ہو جاتا ہے اور پھر یہ انسان کے خون میں براہ راست جذب ہوتا ہے۔

تجربات سے یہ بات بھی ثابت ہوئی ہے کہ جس قدر کوئی شخص شراب پیتا ہے اس میں سے تقریباً نوے فیصد مقدار اس کے خون کی گردش میں شامل ہو جاتی ہے اور یہ تمام عمل صرف ایک گھنٹہ کے قلیل وقت میں عمل پذیر ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جیسے یہ جسم میں حل ہوتی جاتی ہے اسی رفتار سے جسم کے ہر حصے پر اور خاص طور پر دماغ پر اثر انداز ہوتی ہوئی دماغ کے اوپر کے حصے یعنی مغز کی بیرونی تہہ پر خاص اثر ڈالتی ہے اورس کے نتیجہ میں شرابی اپنے پٹھوں (Muscles) کو قابو میں نہیں رکھ سکتا۔ ماہرین طب طویل تجربات کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ شرابی کے دماغ کے بہت سے خلیئے تباہ ہو جاتے ہیں۔ طب کا یہ مسلمہ امر ہے کہ ہمارا جسم اس قابل نہیں ہے کہ دماغ کے نت نئے خلیئے پیدا کر سکے۔ اس لیے شرابی دماغ کے بہت سے خلیوں سے محروم ہوتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ قوت فیصلہ کی صلاحیت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ یہ اثرات مسلسل شراب پینے والے پر ہی مرتب نہیں ہوتے بلکہ اعتدال

Marfat.com

سے پینے والوں پر بھی مرتب ہوتے ہیں جن کی بناء پر ضائع شدہ خلیوں کی دوبارہ بحالی ممکن نہیں ہوسکتی۔

جدید طب نے تجربات کے بعد یہ بھی ثابت کیا ہے کہ شرابی کے جگر (Liver) کی عروق شعریہ (Veins of counsciousness) ایک غیر شرابی کی بہ نسبت آٹھ گنا زیادہ برباد ہو جاتی ہیں جس سے جگر کی گوناں گو بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ شرابی کو ضرورت کے مطابق آکسیجن (Oxygen) بھی نہیں پہنچتی۔ جس کی وجہ سے جسم کے بہت سے خلیئے مر جاتے ہیں۔

جدید تحقیق سے یہ امر بھی واضح ہوا کہ کسی ایسے مریض کو جس کا دوران خون کا نظام متاثر ہو چکا ہے تو اس کو شراب بطور دوائی بھی استعمال نہیں کرواتے۔

آج سائنس اور علم طب شراب کے جن تباہ کن اثرات سے صدیوں کے تجربات کے بعد آگاہ ہو رہی ہے اسلام نے چودہ صدیاں گزرنے سے پہلے آگاہی حاصل کرتے ہوئے اس کے پینے اور استعمال کو قطعی طور پر حرام قرار دے دیا تھا۔ حتیٰ کہ شراب کے ان برتنوں کو استعمال کرنے سے بھی منع کر دیا تھا جن میں غذائی اشیاء رکھی جاتی تھیں۔

شراب پینے سے عمومی طور پر جو بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں ان کا احاطہ کرتے ہوئے جدید طب نے طویل تجربات کے بعد مندرجہ ذیل بیماریوں میں شراب نوشی کو اہم عنصر قرار دیا ہے۔

-1 دماغی پردوں کا ورم (Meningitis inflammation of the brain)

-2 ہذیان (Deuril)

-3 جنون (Insanity melanchoua)

-4 کنٹھ مالا (Scrofula, Struma)

-5 چنبل (Psoriasis)

-6 سکتہ (Apoplexy)

-7 کوریا (Chorea)

-8 سادہ لازمی بخار (Simple, continues fever)

-9 صفراوی پتھریاں (Bibary calculi hepatic colic biliar colic)

-10 قے الدم (خون کی قے)

Marfat.com

1- Haema temesis

2- Oyspepsia

3- Constipation

4- Piles hae morrhoids

11- سرطان معدہ (Cancer of stomach)

12- ورم معدہ (Castritis)

شراب کے زہریلے اثرات دیکھ کر یورپ اور امریکہ کے ڈاکٹر، دانشور ہیں اور اس مصیبت سے اپنی قوم کو چھٹکارا دلانے کے لیے بڑی بڑی مخلصانہ اور حکیمانہ کوششیں کی جارہی ہیں۔ حکومت امریکہ نے پورے چودہ سال تک شراب کے خلاف زور وشور سے جہاد جاری رکھا اور اس جہاد میں نشر واشاعت اور پروپیگنڈہ کے جدید ترین وسائل اختیار کیے۔ اخبارات، رسائل، لیکچرز، تصاویر اور فلمیں سبھی شراب سے نفرت دلانے کے لیے برسرپیکار رکھیں۔ اس عظیم مہم پر حکومت نے قریباً چھ کروڑ ڈالر خرچ کیا اور پچیس کروڑ پونڈ کا خسارہ برداشت کیا۔ تین سو افراد کو تختہ دار پر لٹکایا۔ پانچ لاکھ سے زیادہ اشخاص کو قید و بند کی سزائیں دیں بھاری جرمانے کیے۔ بڑی بڑی جائیدادیں ضبط کی گئیں لیکن یہ ساری چیزیں بیکار ثابت ہوئیں بالآخر 1933ء میں امریکی حکومت کو اپنی شکست فاش کا اعتراف کرنا پڑا (ضیاء القرآن: 1/508)

اس کے برعکس اسلام نے انتہائی کامیابی سے اس کا تدارک کیا۔

1- اپنا آخری فیصلہ صادر کرنے سے پہلے آہستہ آہستہ اس کے خلاف مسلمانوں کا ذہن تیار کیا۔

2- اس کے فوائد ونقصانات کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کے نقصانات کو نمایاں کرکے بیان کیا۔

3- اس کے شراب پینے کے افعال (عادات) کو محدود کردیا کہ ان اوقات میں کرسکتے ہو اور ان اوقات میں نہیں کرسکتے۔

4- اور جب وہ ذہنی طور پر ترک فعل پر آمادہ ہوگئے تو پھر کھل کر اس کی ممنوعیت کا حکم نافذ کردیا، اور شراب کی حرمت کے بارے میں اسی نفسیاتی طریق کار کو اختیار کیا گیا اور جب کسی حکم کو انسانی نفسیات کے مطابق نافذ کیا جائے تو اس کی کامیابی

Marfat.com

کے سو فیصد امکانات موجود ہوتے ہیں۔

چنانچہ سر ولیم میور یہ کہنے پر مجبور ہوا۔

''اسلام فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ترک مےنوشی کرانے میں جیسا کامیاب وہ ہوا ہے کوئی اور مذہب نہیں ہوا۔''

ایک ممتاز پادری نے انیسویں صدی کے آخر میں لندن میں ایک چرچ کانگریس کے اجلاس میں اعلانیہ کہا۔

''دنیا میں انسداد مےنوشی کی سب سے بڑی انجمن خود اسلام ہے۔ اس کے برعکس ہماری یورپین اقوام کے قدم جہاں جہاں پہنچتے جاتے ہیں۔ مےنوشی و بدکاری اور لوگوں میں اخلاقی پستی بڑھتی جاتی ہے۔''

اور اس دعویٰ کی سچائی کی عملی شکل ملاحظہ فرمائیں۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 15 اکتوبر 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

شراب سے اجتناب میں کردار سازی کا حصہ

اسلام ایک مسلمان میں جن خوبیوں اور اوصاف حمیدہ کو دیکھنا چاہتا ہے ان میں سے ایک کردار سازی بھی ہے اور یہ کردار سازی ہی کا نتیجہ ہے کہ وہ معاشرہ جس کی گھٹی میں شراب نوشی رچی اور بسی ہوئی تھی مذہب حقہ نے اپنی سچی تعلیمات کے ذریعے انسانی ذہن سے اس کو حرف غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیا۔

اس ممتاز پادری کا کہنا کس قدر برحق ہے۔ ''دنیا میں انسداد سے نوشی کی سب سے بڑی انجمن خود اسلام ہے۔''

اور اس دعویٰ کی سچائی کی ایک عملی شکل تاریخ کے اوراق میں یوں رقم ہے۔ ''خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ کا عہد خلافت ہے بادشاہ روم ہرقل سے جہاد کا سلسلہ جاری و ساری ہے ایک جنگ کے اندر حضرت عبداللہ بن حذافہؓ اپنے اسی اصحاب رسول مقبول ﷺ کے ساتھ قید ہو جاتے ہیں۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی لڑائی شام کے عیسائیوں سے ہوئی تو مسلمانوں کو حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کی گرفتاری کا سخت افسوس ہوا۔ خلیفہ وقت امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے شاہ ہرقل روم کو نامہ لکھا جس کے الفاظ یہ تھے۔

''بسم اللہ کے بعد سب تعریف اور خوبی اس ذات کے لیے ہے جو بیوی بچوں کے تعلق سے پاک ہے۔ یہ خط ایک اللہ کے بندے کی طرف سے ہے جس کا لقب امیر المومنین ہے۔ بادشاہ روم کے نام۔''

اے بادشاہ ہرقل! جس وقت میرا خط تیرے پاس پہنچے تو فوراً عبداللہ بن حذافہ کو چھوڑ دے۔ اگر تو ایسا کرے گا تو تیرے لیے بہتر ہوگا اور اگر تو ایسا نہ کرے گا تو میں بہت جلد ایک لشکر تیرے لیے بھیجتا ہوں جس لشکر کے سپاہیوں کا حال یہ ہوگا کہ وہ ایسے باخدا اور ذاکر بندے ہوں گے کہ کسی وقت گھر میں...... بازار میں...... تجارت کرتے...... سودا خریدتے...... کھیلتے کودتے...... ذکر الٰہی اور نماز سے غافل نہیں ہوتے۔

جب یہ نامہ شاہ ہرقل کے پاس پہنچا تب اس نے اپنے دربار میں ان اسی قیدیوں کو

Marfat.com

معہ عبداللہ بن حذافہ کے طلب کیا۔ اور پوچھا! اے حذافہ تمھارے نبی عربی ﷺ کا ان امیرالمومنین سے کیا رشتہ ہے؟

جواب دیا! کہ کوئی قریب کا رشتہ نہیں سوائے لا الہٰ الا اللہ محمد رسول اللہ کے۔

ہرقل یہ سن کر خاموش ہو رہا پھر ہرقل نے طرح دے کر کہا اے عبداللہ اگر تو ہمارا دین قبول کر لے اور عیسائی ہو جائے تو ہم نہ صرف اپنے کسی بڑے گھرانے کی لڑکی سے تیری شادی کر دیں گے بلکہ تجھے بڑا عہدہ بھی دیں گے۔

حضرت حذیفہؓ نے جواب دیا میں ہرگز دین محمدی کو نہ چھوڑوں گا کیونکہ جب ایمان کی لذت کا ذائقہ دل کی تہہ میں اتر جاتا ہے پھر کسی طرح وہ دور نہیں ہو سکتا۔

اور حضور اکرم ﷺ کی عام تعلیم یہ تھی اے مسلمانو!

تم ہرگز شرک نہ کرنا خواہ آگ میں جلائے جاؤ یا قتل کیے جاؤ! جب حضرت عبداللہ بن حذافہ نے شادی سے صاف انکار کر دیا۔

تب ہرقل نے ایک اور پینترا بدلتے ہوئے کہا کہ میں تجھے بہت مال اور غلام دوں گا چنانچہ جواہرات کا ایک بیش قیمت ہار منگوایا اور حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کے سامنے رکھتے ہوئے کہا اگر تو عیسائی مذہب قبول کر لے تو یہ سب کچھ تیرا ہے۔ حضرت ابن حذافہؓ نے جواب میں کہا کہ اے بادشاہ! اگر تو اپنا سارا ملک بھی دے ڈالے تو میں اسلام کو نہ چھوڑوں گا۔ جب ہرقل نے یہ دیکھا کہ لالچ سے کام نہیں چلتا تو کہا، اے عبداللہ! اگر تو نے ہمارا دین قبول نہ کیا تو میں تجھے بری طرح قتل کروں گا۔

تو حضرت عبداللہؓ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

اے ہرقل! جو کچھ تیرا جی چاہے کر لے۔ اگر تو میری بوٹی بوٹی بھی الگ الگ کر دے گا یا میرے جسم کا قیمہ قیمہ بھی کر دے گا تو بھی میں ہرگز ہرگز دوسرا مذہب اختیار نہ کروں گا۔ شاہ ہرقل نے کہا کہ اگر تو عیسائی مذہب قبول نہیں کرتا تو صرف صلیب کو سجدہ کر دے ہم تجھے رہا کر دیں گے۔

حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ میں ایسا بھی ہرگز نہ کروں گا، اور پھر حضرت عبداللہ بن حذافہ کس طرح صلیب کو سجدہ کر سکتے تھے جبکہ قرآن کریم کی آیات ان کے سامنے نازل ہوئی تھیں کہ "نہ سجدہ کرو سورج کو نہ چاند کو بلکہ سجدہ کرو اس اللہ کو جس نے سورج اور چاند کو پیدا کیا ہے اگر تم خالص اللہ کی عبادت کرنے والے ہو۔"

Marfat.com

اے ہرقل! غور سے دیکھو کہ نظام عالم میں سورج اور چاند کو کتنا بڑا دخل ہے؟ ان کے فیض سے جہان کا کام چل رہا ہے۔ پھولوں کی خوشبو! کی رنگت! غلہ کا شیریں ہو کر پختہ ہونا! سونے چاندی کا کانوں میں تیار ہونا! جواہرات کا پہاڑوں میں پیدا ہونا! یہ سب کچھ خدا کے حکم سے چاند سورج کا فیض ہے جب اتنے اتنے بڑے فیض پہنچانے والوں کو خدا کے ہوتے ہوئے سجدہ کرنا درست نہیں تو تیری صلیب کی کیا ہستی ہے۔ جس کو سجدہ کیا جائے؟ حق یہ ہے کہ خدا کے ہوتے ہوئے مخلوق کو سجدہ کرنا ایسے سورج کے سامنے دیا سلائی کی روشنی کو تلاش کرنا سمندر کے آگے قطرہ سے نہانا ہے اور یہ عقل کے خلاف ہے۔ ہرقل روم نے کہا کہ اگر تو صلیب کو سجدہ نہیں کرتا تو پھر تھوڑی سی شراب پی لے۔ میں ابھی تجھے چھوڑ دوں گا (کیونکہ وہ شراب کے اثرات سے واقف تھا کہ اس کے بعد وہ جو کچھ حضرت عبداللہ بن حذافہؓ سے کرانا چاہے گا با آسانی کرا لے گا)

حضرت عبداللہ بن حذافہؓ نے کہا کہ میں شراب پینے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

یہ سن کر ہرقل نے کہا کہ تجھے تو ضرور باضرور سور کا گوشت کھانا اور شراب کو پینا پڑے گا۔ پھر حکم دیا کہ اس شخص کو قید کر دو اور اسے تنہا قید کرنا اور اس کے پاس شراب اور سور کے کباب رکھ دو اس کے علاوہ اسے کچھ کھانے کو نہ دینا۔ بھوکا مرے گا تو خود بخود کھالے گا۔ چنانچہ ایک مکان میں تین روز تک حضرت عبداللہ کو قید رکھا گیا چوتھے دن پھر دوبارہ طلب کیا اور قید خانے کے محافظ سے پوچھا! اس نے کچھ کھایا؟ اس نے جواب دیا کہ وہ سب کچھ اسی طرح رکھا ہے اس نے تو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

ہرقل نے کہا کہ اے عبداللہ! تو نے انھیں استعمال کیوں نہیں کیا؟

تو فرمایا! محض اللہ کے خوف سے کہ شراب کی مذمت قرآن مجید میں نازل ہوئی ہے اس وقت سے ہم نے شراب کو ہاتھ نہ لگایا باوجود اس کے کہ ہم پشت در پشت شراب خور تھے۔ شراب کے حوض کے حوض مکانوں میں تیار رکھتے تھے۔

ہرقل نے کہا اے عبداللہ! تین روز کے بعد تو تمہارے مذہب میں حلال ہو جاتی ہیں تو فرمایا کہ کیا میں ایسا کام کروں جس سے کافر کو خوشی ہو اور خدا ناراض ہو جائے! ہرگز نہیں ہرگز نہیں!

یہ کردار سازی کا نمونہ ہمارے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اسلام آج بھی ہم سے اس طرح کی کردار سازی کا طالب ہے۔ (روزنامہ جنگ، لاہور 16 اکتوبر 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

اسلامی نظام عدل کا قیام

اس دعویٰ کی صداقت اور حقانیت میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اسلام میں عدل وانصاف انسانی زندگی کے تمام شعبہ ہائے حیات کا احاطہ کیے ہوئے ہے جب خالق کائنات انصاف اور عدل کرنے کا حکم دیتا ہے تو اس کا مدعا اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ قانونی، تمدنی، اخلاقی، سیاسی، سماجی، نسلی، معاشرتی، معاشی اور عدالتی زندگی میں ہر قسم کے حقوق و فرائض کو پوری دیانت اور امانت کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے ادا کرنا ہے تاکہ کسی کو کسی پر بے جا اور ناحق فوقیت نہ دی جا سکے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

"اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ، رضائے الٰہی کی خاطر انصاف کی گواہی دینے والے ہو جاؤ خواہ وہ (گواہی) تمہاری اپنی ذات کے خلاف ہو یا تمھارے والدین کے خلاف ہو یا عزیز رشتہ داروں کے خلاف ہو (فریق معاملہ) خواہ مالدار ہو یا غریب بہرحال اللہ تعالیٰ دونوں سے زیادہ مستحق ہے کہ تم اس کا لحاظ کرو لہٰذا اپنی خواہش کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو اور اگر تم ہیر پھیر کرو (لگی لپٹی بات کہو) یا (سچائی) سے مومنہ پھیرو تو جان لو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی (خوب) خبر ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں انتہائی اختصار کے ساتھ عدل وانصاف کے تمام امور کا ذکر کر دیا ہے، انصاف اور عدل کے معاملے میں تمام رشتے اور تعلقات (ذات، والدین، رشتہ دار، دوست احباب، جماعتی اور غیر جماعتی وابستگی) غرضیکہ ہر اعتبار سے عدل و انصاف پر قائم رہنے کی تلقین کی ہے، خالق کائنات سے بڑھ کر اس کا کوئی محافظ ونگران نہیں ہے اس لیے نہ کسی فریق کو گواہی دینے اور انصاف کرنے والے کی جانبداری کی امید رکھنی چاہیے اور اس کی طرفداری کی توقع رکھنی چاہیے بلکہ دونوں فریق مدعی (Plaintiff) ومدعا علیہ (Defendant) کا معاملہ اس ذات مقدسہ کے سپرد کر دینا چاہیے کیونکہ وہ ہی بہتر کارساز ہے۔

Marfat.com

آیت مقدسہ کے یہ الفاظ "بہر حال اللہ تعالیٰ دونوں سے زیادہ مستحق ہے کہ تم اس کا لحاظ کرو" نہایت خوبصورتی کے ساتھ عدل و انصاف کے فلسفہ اور حکمت کو بیان کر رہے ہیں کہ جن معاملات کے بارے میں افراد بظاہر اپنا ہی فائدہ سوچتے ہیں اور کذب بیانی اور سچائی میں تمیز نہیں کر پاتے تو وہ مستقبل کے نتائج سے قطعی طور بے بہرہ ہوتے ہیں کہ مستقبل میں ان پر کیا گزرے گی اور انھیں کن کن حوادثات سے دوچار ہونا پڑے گا۔

دوسرے مقام پر ارشاد خداوندی اس انداز میں ہو رہا ہے۔

"جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو بے شک اللہ تمھیں بہت اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے۔"

عدل میں کمال درجہ یہ ہے کہ انصاف کرنے والا دوست دشمن میں بھی تمیز نہ کرے چنانچہ اس بارے میں واضح ارشاد ہے۔

"کسی قوم کی دشمنی تمھیں عدل و انصاف کے خلاف آمادہ نہ کرے تم (ہر صورت میں) انصاف کرو۔"

فقہائے اسلام کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد حق کے ساتھ فیصلہ کرنا سب سے اہم فرض ہے اور یہ سب سے افضل عبادت ہے کیونکہ اس کی خاطر اللہ تعالیٰ نے ہر نبی اور رسول کو حق کے ساتھ فیصلے کرنے کا حکم دیا حتیٰ کہ خاتم الانبیاء حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"ہم نے تورات اور انجیل نازل کی جس میں ہدایت اور نور ہے جس کے ساتھ انبیاء کرام حکم (فیصلہ) دیتے ہیں۔"

رسالت مآب حضور اکرم ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے۔

"اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل کیے اس کے مطابق ان میں فیصلہ کیجئے اور ان کی خواہش کی پیروی نہ کیجئے۔"

حضور اکرم ﷺ کو یہ حکم اسی لیے دیا جا رہا ہے کہ حق کے ساتھ فیصلہ کرنے سے عدل ظاہر ہوتا ہے اور عدل ہی کی وجہ سے یہ آسمان و زمین قائم ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جلیل القدر صحابی اور فقیہہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط تحریر فرماتے ہوئے لکھا۔

"قضاء" فریضہ محکمہ اور سنت متبعہ ہے یعنی فیصلہ اور قضاء کا قائم ہونا فرض قطعی ہے اس میں نہ نسخ کی نہ تخصیص کی اور نہ تاویل کی گنجائش ہے اور احکام دینیہ پر عمل کرنے کا وہ ایسا

Marfat.com

طریقہ جس کی اتباع کرنا ہر حال میں واجب ہے۔

رسالت مآب ﷺ کے عہد مبارک میں تمام مقدمات کے فیصلے خود حضور اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے لیکن بعض اوقات آپ ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعلیم و تربیت کے لیے مجتہدانہ صفات کے حامل جلیل القدر صحابہ کرام کو بھی قضاء کے معاملات میں اپنا فیصلہ صادر کرنے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

''دو آدمیوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ کر اپنا مقدمہ پیش کیا، آپ ﷺ نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے کہا اے عمرو! ان کے درمیان فیصلہ کر دو، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! یہ فیصلہ کرنا تو میرے بجائے آپ ﷺ کا منصب ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! ہاں ہر چند اگرچہ ایسا ہی ہے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں ان کے درمیان فیصلہ کر دوں تو مجھے کیا اجر ملے گا؟

آپ ﷺ نے فرمایا!

اگر تم نے ان کے درمیان (اجتہاد سے) صحیح فیصلہ کیا تو تم کو دس نیکیاں ملیں گی اور اگر تم کو صحیح فیصلہ کرنے کی کوشش کے باوجود خطاء لاحق ہوئی تو تم کو ایک نیکی (کا اجر) ملے گا۔''

جب ایک طرف مملکت اسلامیہ کی حدود اور سرحدیں پھیل گئیں اور دوسری طرف حضور اکرم ﷺ کی مملکتی نظم و نسق کی مشغولیات میں اضافہ ہو گیا تو آپ ﷺ نے فہم و فراست کے حامل صحابہ کرام کو مملکت اسلامیہ کے مختلف حصوں میں حاکم (گورنر) مقرر کر کے روانہ کیا اس وقت محکمہ قضاء کا کوئی الگ شعبہ نہیں تھا بلکہ علاقہ کے حاکم (گورنر) ہی کے ذمہ قضاء کے فرائض بھی سرانجام دینا ہوتے تھے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالبؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو یمن میں، حضرت علاء بن خضرمیؓ کو بحرین میں، حضرت عتاب بن سیدؓ کو مکہ مکرمہ میں، حضرت وحید کلبیؓ کو یمن کے ایک علاقہ میں عہدہ قضاء پر مقرر فرمایا اور حضرت عمر بن الخطابؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کا شمار بھی حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قاضیوں میں ہوتا تھا۔ سرور کائنات علیہ التحیۃ والثناء کو اپنے مقرر کردہ قاضیوں کے فیصلوں میں ترمیم و تبدیل کرنے کا مکمل اختیار حاصل تھا۔

مشہور مورخ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں۔

Marfat.com

"آغاز اسلام میں خلفائے راشدین خود فیصلے کرتے تھے اور منصب قضاء کسی اور کے سپرد اور تفویض نہیں کرتے تھے۔ خلفائے راشدین میں سے سب سے پہلے خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ منصب دوسروں کے سپرد کیا۔ چنانچہ حضرت ابوالدرداءؓ کو مدینہ منورہ میں حضرت شریحؒ کو بصرہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو کوفہ میں قاضی مقرر کیا۔"

حضرت عمر فاروقؓ کا وہ خط جو حضرت ابوموسیٰ اشعری کو لکھا جس میں ان امور پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ فیصلہ کرتے وقت جن امور کو قاضی نے پیش نظر رکھنا ہوتا ہے وہ کون کون سے ہیں۔ فی الحقیقت یہ خط قضاء کے احکامات کو واضح کرنے میں بنیادی اہمیت اور اساسی دستور کی حیثیت رکھتا ہے۔

خلیفہ ثانی فاروق اعظمؓ لکھتے ہیں۔

"حمد وصلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ فیصلہ کرنا ایک اہم فرض ہے اور یہ وہ سنت ہے جس کی پیروی کرنا واجب ہے۔ جب تمھارے سامنے کوئی مقدمہ لایا جائے تو

1- اس کا ایسا فیصلہ کرنا بے سود ہے جس کو نافذ نہ کیا جا سکے۔

2- مجلس قضا میں لوگوں کے درمیان مساوات رکھو تا کہ امیر تمہاری بے جا حمایت کی امید نہ رکھے اور غریب تمھارے انصاف سے ناامید نہ ہو۔

3- مدعی کے ذمہ ثبوت پیش کرنا ہے (اور اگر مدعی گواہ یا ثبوت پیش نہ کر سکے تو پھر) مدعا علیہ پر قسم (کا اٹھانا) لازمی ہے۔

4- مسلمانوں کے درمیان صلح کرانا جائز ہے البتہ ایسی صلح جائز نہیں ہے جو حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دے۔

5- اگر کل تم کوئی فیصلہ کر چکے اور آج اس میں غور کے بعد تم پر حق واضح ہو گیا ہے تو کل کا کیا ہوا فیصلہ تمھیں حق کی طرف رجوع کرنے میں رکاوٹ نہ بنے۔ کیونکہ حق قدیم ہے اور باطل میں جمود ہے حق کو اختیار کرنا واجب ہے۔

6- جس چیز کی تمہیں نظیر قرآن و حدیث میں نہ ملے تو اس کی مثال اور نظائر پر غور کرو اور ان نظائر پر قیاس کر کے اس چیز کا فیصلہ کرو۔

7- اگر مدعی کسی غیر موجود حق کا یا کسی میعادی ثبوت کا دعویدار ہو تو مقدمہ کی تاریخ ڈال دو اور اگر وہ ثبوت لے آئے تو اس کا حق اس کے حوالے کر دو ورنہ اس کے

Marfat.com

خلاف فیصلہ کر دو کیونکہ شک اور ابہام کو دور کرنے کی اس سے بہتر اور کوئی صورت نہیں ہے۔

8- سب مسلمان آپس میں نیک اور عادل ہیں۔ ماسوا اس شخص کے جس پر حد جاری ہو چکی ہو یا جس کی جھوٹی شہادت ثابت ہو چکی ہو یا جو شخص نسب یا ولاء میں متہم ہو۔

9- سنو! مقدمات کا فیصلہ کرتے وقت پریشانی اور اکتاہٹ کو نہ آنے دینا اور مقدمے کرنے والوں پر اُف نہ کرنا کیونکہ حق پر عمل کرنے کی وجہ سے آخرت میں اجر عظیم ملتا ہے اور دنیا میں تحسین ہوتی ہے۔

اگرچہ لوگوں کے معاملات میں عہدہ قضاء پر فائز ہونے کے اعتبار سے فیصلہ کرنے کی ذمہ داری سنت رسول اکرم ﷺ کے مطابق خلفاء کے فرائض اور ذمہ داری میں شامل تھی لیکن چونکہ خلفاء راشدین بیک وقت مختلف فرائض سرانجام دیتے تھے مثلاً جہاد کی تیاری اور اس کا انتظام کرنا، جہاد کے وقت کا تعین کرنا، مفتوحہ علاقوں کی نگہداشت کرنا اور ان کے علاقوں کی حفاظت کرنا، سرحدوں کی حفاظت کرنا اور اس سلسلے میں مجاہدین اسلام کے سپہ سالاروں کی رہنمائی کرنا اور مجاہدین کو حتی المقدور سہولیات مہیا کرنا اور اس کے ساتھ ساتھ ملک کے اندرونی نظام میں امن قائم کرنا وغیرہ شامل تھے۔ ان میں سے کئی ایسے امور ہیں جن کو خلیفہ وقت دوسروں کے ذمہ سپرد نہیں کر سکتا۔ لیکن انصاف میں تاخیر ہونے کی بنا پر منصب قضاء دوسروں کے سپرد کرنا پڑا بہرحال قضاء کی شرائط اور احکامات کتب فقہ اسلامی و قانونی میں بالتفصیل مذکور ہیں۔

خوف الٰہی سے لرزاں افراد ہزار کوشش کرنے کے باوجود بھی قضاء کے منصب کو قبول کرنے سے گھبراتے تھے اور تاریخ اسلام میں ایسی درخشاں مثالیں بھی موجود ہیں کہ ہزاروں مشقتیں اور صعوبتیں برداشت کرتے لیکن عہدہ قضاء قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوتے۔

عہدہ قضاء کے قبول کرنے اور قبول نہ کرنے ہر دو کے بارے میں قرآن عظیم و احادیث مبارکہ میں احکامات موجود ہیں۔ چنانچہ جہاں ایک طرف عہدہ قضاء قبول کرنے کے بارے میں اس طرح کے احکامات موجود ہیں کہ ارشاد خداوندی ہے۔

''اور انصاف کرو بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کے ساتھ ہے'' ''اور جب تم کچھ کہو تو حق بات کہو خواہ تمہارا قریبی رشتہ دار ہو'' ''اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔''

''اے ایمان والو! انصاف پر اچھی طرح قائم رہنے والے ہو جاؤ۔''

Marfat.com

اسی طرح احادیث مبارکہ میں منصب قضاء کو قبول کرنے کی رہنمائی ملتی ہے۔

''حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

''انصاف کرنے والے امام کا ایک دن ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے اور زمین پر حد قائم کرنا چالیس سال کی بارش سے زیادہ پاکیزگی اور صفائی کرنے والا ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

''دنیا میں عدل و انصاف کرنے والے (قیامت کے دن) رحمان کے دائیں جانب نور کے منبروں پر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے دونوں دائیں ہاتھ ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حکم کرتے وقت انصاف کرتے ہیں اپنے اہل و عیال اور جو کام ان کے سپرد ہوں ان میں انصاف سے کام لیتے ہیں (یعنی کسی کی رورعایت نہیں کرتے)'' تو دوسری جانب خود حضور اکرم ﷺ کے فرامین عہدہ قضاء کی خواہش نہ کرنے کے بارے میں رہنمائی فرما رہے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جس شخص کو منصب قضاء سونپا گیا یا جس شخص کو لوگوں کا قاضی بنایا گیا تو (گویا) اس کو بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا'' ایک مقام پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''قاضیوں کی تین قسمیں ہیں، ایک جنت میں ہوگا اور دو جہنم میں ہوں گے، جنت میں وہ شخص ہوگا جس کو حق کا علم ہوگا اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرے گا اور جس شخص کو حق کا علم ہو اور پھر وہ فیصلہ کرنے میں ظلم کرے وہ جہنم میں ہوگا اور جو شخص بغیر علم کے لوگوں کے فیصلے کرے گا وہ بھی جہنم میں ہوگا'' خود قاضی بننے کی خواہش کے استحسان اور عدم استحسان میں مطابقت اور تطبیق اس طرح پیدا کی گئی ہے۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 22 اکتوبر 1997ء)

♥……♥……♥

Marfat.com

قضاء کے عہدے کا قبول کرنا

قضاء کے عہدے کے قبول کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں مرویہ احادیث میں مطابقت پیدا کرتے ہوئے فقہاء عظام فرماتے ہیں کہ قضاء کے عہدے کو قبول کرنا فرض کفایہ ہے اور قضاء کو قائم کرنا واجب ہے۔ اسی لیے اہل تقویٰ فقہاء نے اس فریضہ کو دوسرے قضاۃ کے سپرد کرتے ہوئے اپنے دامن کو بچانے کی کوشش کی جبکہ دوسری طرف دیگر اہل علم حضرات نے قضاۃ کے عہدے کو اس لیے قبول کرنا گوارا کیا تا کہ نااہل افراد ان عہدوں پر فائز ہو کر انصاف کے خون سے اپنے ہاتھوں کو نہ رنگ سکیں اور قضاء کے وجوب کو ترک کرنے میں مدد معاون نہ ٹھہرائے جائیں۔

امام خصاف فرماتے ہیں:

بعض صالح اور نیک حضرات نے اس منصب کو قبول کیا اور کچھ صالح و نیک حضرات ایسے بھی ہیں جنھوں نے اس سے اجتناب کیا۔ چنانچہ جب کسی شہر یا ملک میں بہت سے نیک اور صاحب علم حضرات موجود ہوں اور ان میں سے ایک یا چند افراد اس عہدے کو قبول نہ کریں تو وہ گناہگار نہ ہوں گے اور اگر کسی شہر میں صرف ایک ہی شخصیت اس منصب کے اہل ہے جو متقی، نیک اور صاحب علم بھی ہو اب اگر وہ اس منصب کو قبول نہ کرے گا تو اب وہ گنہگار ہوگا اور اگر کسی شہر میں بہت سے نیک اور صاحب علم لوگ ہوں اور وہ سب اس منصب کو قبول کرنے سے انکار کر دیں اور حاکم وقت بھی خود مقدمات کے فیصلے نہ کرتا ہو تو وہ سب لوگ گنہگار ہوں گے کیونکہ اس صورت میں احکام الٰہی کی تعمیل نہیں ہوگی اور اگر سب لوگ اس منصب سے کنارہ کشی کرتے ہوئے ایک جاہل آدمی کو یہ منصب تفویض کر دیں تو یہ سب لوگ گنہگار ہوں گے کیونکہ یہ جاہل شخص احکام الٰہی کی دھجیاں بکھیر دے گا۔

منصب قضاء کی تعظیم کرنا اس کے مقام و مرتبہ کو وہی اہمیت دینا ضروری ہے جو اس منصب کے متقاضی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے

Marfat.com

کہ مظلوم کی دادرسی کی جائے اور اس کا حق اس تک پہنچایا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ حدود کو نہ صرف بیان کیا جائے بلکہ قائم اور نافذ بھی کیا جائے اور عدل و انصاف کا بول بالا کیا جائے۔ اسے فروغ دیا جائے کیونکہ عدل و انصاف کی بناء پر ہی زمین و آسمان قائم ہے۔ قرآن و احادیث مبارکہ میں عدل و انصاف کی فضیلت کا بیان خود اس امر کی گواہی دے رہا ہے کہ اس سے روگردانی کرنا خالق کائنات کے غضب کو دعوت دینا ہے۔

حدیث مبارکہ میں جو ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ''جس شخص کو قاضی بنایا گیا ہے اس کو بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا'' اگرچہ بعض علماء کرام نے اس کو منصب قضاء کو قبول کرنے سے اجتناب اور احتراز کرنے کی ترغیب پر محمول کیا ہے جبکہ دیگر علماء کرام نے اس کو منصب قضاء کی عظمت اور فضیلت کی اہمیت کی دلیل بنایا ہے کیونکہ جو شخص منصب قضاء کو قبول کرتا ہے وہ اپنے نفس اور اپنی خواہشات سے جہاد کرتا ہے اور جو شخص حق اور انصاف کے مطابق فیصلہ صادر کرتا ہے وہ گویا راہ حق میں بغیر چھری کے ذبح کر دیا جاتا ہے کیونکہ دنیا میں عمومی طور پر یہ روایت رہی ہے کہ جو شخص حق اور انصاف کے مطابق فیصلہ کرتا ہے وہ دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے والے دوسروں کے حقوق کو ضبط کرنے والے، اپنی جھوٹی انا کی تسکین چاہنے والے، اپنے جھوٹے اقتدار کو طویل کرنے کے متمنی حضرات، اپنے خلاف فیصلوں کو ''زر کی چمک'' قرار دینے والے، اپنے اقتدار کے چھن جانے کے ''انجانے خوف'' میں مبتلا حضرات، ہوائے نفسانی کے غلام افراد اور جھوٹ، کذب اور باطل پرست حضرات اس انصاف کرنے والے کے دشمن ہو جاتے ہیں کبھی قاضی کا فیصلہ کسی غنی، مالدار اور اثر و رسوخ رکھنے والے افراد کے خلاف ہوتا ہے تو کبھی حکومت وقت کے خلاف بظاہر ان اوصاف مذمومہ کے حامل افراد کے خلاف فیصلہ کرنا اپنی عزت، اپنی جان اور اپنے وقار کو خطرہ میں ڈالنا ہے اس لیے قاضی حق اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کر کے راہ حق میں ذبح ہو کر شہداء کے ساتھ حق ہو جاتا ہے۔ اس لیے جو احادیث منصب قضاء سے بچنے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں وہ ظالمانہ فیصلے اور خواہش نفس کی پیروی کرنے والوں کے بارے میں ہیں۔

فقہاء کرام نے اس امر کی صراحت کی ہے کہ جو شخص حق اور انصاف کے مطابق فیصلہ کرنے کی کوشش کرے اور کوشش کے باوجود اس کو فیصلہ میں خطاء لاحق ہو جائے تو وہ مجرم نہیں ہے بلکہ اس کو بھی اپنی کوشش، حق کی تلاش اور حتی المقدور صحیح نتیجے پر پہنچنے کی سعی اور کوشش

Marfat.com

کا ایک اجر ضرور ملے گا اور اس کی دلیل حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

کہ جب حاکم (قاضی) اجتہاد کرے اور صحیح فیصلہ پر پہنچ جائے تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور اگر وہ غلط فیصلہ پر پہنچے تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔

کیونکہ وہ اپنی کوشش، جدوجہد اور تلاش حق میں صرف اور صرف رضائے الٰہی کے طالب ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے دو عظیم القدر پیغمبران حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہما السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

"اور (یاد کیجئے) داؤد و سلیمان کو جب وہ کھیت سے متعلق (ایک درپیش مقدمہ) کا فیصلہ کر رہے تھے، جبکہ (رات کو) اس میں (کچھ) لوگوں کی بکریاں چھوٹ گئیں اور ہم ان کے اس مقدمے کا مشاہدہ کر رہے تھے تو ہم نے اس مقدمہ کا (صحیح) حل سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے ان دونوں کو نبوت اور علم سے نوازا تھا۔

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ حق کی جستجو کرنے والوں کے بارے میں فرما رہا ہے۔

"وہ لوگ جو ہماری رضاجوئی میں جدوجہد کرتے ہیں ہم ضرور ان کو اپنے راستے دکھائیں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ ضرور نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

البتہ عہدہ و قضاء کے قبول نہ کرنے کی توجیح بیان کرتے ہوئے بعض آئمہ مذاہب لکھتے ہیں کہ وہ افراد جو قوت فیصلہ کے اعتبار سے کمزور ہوں یا ان میں قوت فیصلہ کا فقدان ہو۔ جواں مردی سے اپنی رائے کا اظہار نہ کر سکتے ہوں۔ ذاتی مفادات کے حصول کے لیے عہدہ قضاء کے طالب ہوں۔ مستقل مزاجی کے جوہر سے محروم ہوں۔ مصائب اور مشکلات کی برداشت کرنے کی قوت سے عاجز ہوں تو انھیں عہدہ قضاء کے قبول کر دینے سے انکار کرنا ہی مناسب ہے۔ اسی طرح وہ شخص بھی عہدہ قضاء کا اہل نہیں ہے خواہ لوگ اسے اس عہدہ کا اہل سمجھتے ہوں۔

چنانچہ فقہاء عظام نے عہدہ قضاء پر متمکن ہونے کے وجوب اور جواز کو مختلف جہات کا اعتبار کرتے ہوں مندرجہ ذیل اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

1- اگر عہدہ قضاء کی صلاحیت رکھنے والی صرف ایک صاحب علم شخصیت ہو اور ان کے علاوہ کوئی اور شخص نہ ہو تو اب اس شخصیت کے لیے قضاء کا عہدہ متعین ہے اور اس

Marfat.com

پر قضاء کا عہدہ قبول کرنا واجب ہے۔

2- اگر عہدہ قضاء کی صلاحیت رکھنے والے متعدد اہل علم حضرات ہوں لیکن ان میں صرف ایک شخصیت سب سے زیادہ صلاحیت کی حامل ہے تو ان پر عہدہ قضاء کو قبول کرنا مستحب ہے۔

3- اگر عہدہ قضاء کی صلاحیت و استعداد اور اس منصب کے لوازمات کو پورا کرنے میں سب برابر ہوں تو ان کے لیے قضاء کا عہدہ قبول کرنا مباح ہے۔ ان میں سے کوئی شخص قضاء کو قبول کرے یا نہ کرے کوئی حرج نہیں ہے۔

4- اگر ایک شخص قضاء کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن دوسرے اس سے زیادہ صلاحیت کے حامل ہیں تو اب ان کے مقابلہ میں اس شخص کو عہدہ قضاء قبول کرنا مکروہ ہے۔

5- ایک شخص کو بخوبی علم ہے کہ وہ منصب قضاء کو قائم کرنے سے عاجز ہے اور چونکہ وہ خواہش نفس کا پیروکار ہے اس لیے وہ انصاف کے تقاضے پورے نہیں کر سکتا اور لوگوں کو اس کا علم نہ ہو تو ایسے شخص کے لیے قضاء کو قبول کرنا حرام ہے۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 23 اکتوبر 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

قضاء کے عہدے پر فائز ہونے کی شرائط

اسلامی تعلیمات کے مطابق ہر کہ اور مہ کو منصب قضاء پر متمکن نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کے اندر ایسی صفات موجود ہونی چاہئیں جو قضاء کے لیے لازمی ہیں۔ فقہاء اسلام نے قاضی کے لیے مندرجہ ذیل شرائط کا ذکر کیا ہے۔

1- عاقل

2- بالغ

3- مسلمان (خاص طور پر دینی معاملات کے درمیان)

4- حر

5- صاحب بصیرت

6- اس پر حد قذف نہ لگی ہو یعنی جس شخص پر تہمت لگانے کی وجہ سے حد قذف لگ چکی ہو اس کو قاضی مقرر کرنا جائز نہیں۔ قاضی ایک عظیم ولی ''متصرف فی الامور'' ہے، (کیونکہ جو شخص کسی علاقہ کا قاضی ہوتا ہے وہ اس علاقہ میں متصرف ہوتا ہے اور اس کے احکام اس علاقہ میں نافذ ہوتے ہیں)

7- شہادت دینے کا اہل ہو (جس شخص میں کم از کم شہادت دینے کی اہلیت بھی نہ ہو تو وہ قضاء کا اہل نہیں ہو سکتا ہے)

8- مذکر ہو یا مونث عورت بھی فی الجملہ شہادت کی اہل ہے البتہ فقہاء اسلام صرف حدود و قصاص میں عورت کی اہلیت قضاء کے قائل نہیں کیونکہ حدود و قصاص میں عورت کی شہادت جائز نہیں ہے اور قاضی وہی ہو سکتا ہے جو شہادت دے سکتا ہو (البتہ استثنیات اپنی جگہ پر موجود رہیں گی)

9- فقہاء احناف کے نزدیک عہدہ قضا پر متمکن ہونے والی شخصیت کے لیے حلال، حرام اور باقی احکام شرعیہ کا علم ندب اور استحباب کے مرتبہ کی شرائط میں ہے۔

Marfat.com

-10 محدثین کے نزدیک احکام شرعیہ کا علم ہونا بلکہ غیر منصوص مسائل میں اجتہاد کی اہلیت کا ہونا بھی عہدہ قضاء کی تفویض کے جواز کی شرائط ہے جو شخص جاہل ہو گا وہ اصلاح کی بجائے فساد زیادہ کرے گا اور اکثر لاعلمی کی بنا پر غلط اور باطل فیصلے کرے گا حضور اکرم رہبر کائنات ﷺ کا واضح ارشاد ہے۔

''جو شخص صاحب علم ہو اور وہ اپنے علم کے مطابق فیصلے کرے وہ جنت میں جائے گا اور جو شخص علم کے باوجود علم کے خلاف فیصلے کرے وہ جہنم میں جائے گا اور جو شخص جاہل ہو اور جہالت سے فیصلے کرے وہ جہنم میں جائے گا۔

-11 فاسق فاجر کو عہدہ قضا پر متمکن کرنا قبیح لغیرہ ہے قضا بہت بڑی امانت ہے لوگوں کی اموال، عزتیں اور جانیں یہ سب قاضی کے پاس امانت ہوتی ہیں اس لیے ان امانتوں کے حقوق وہی شخص ادا کر سکتا ہے جو تقویٰ اور پرہیزگاری میں کامل ہو۔

-12 لوگوں کے عرف، تعامل، عادات اور معاملات کو جاننے والا ہو۔

-13 کسی قسم کا لالچ، طمع اور غرض نہ رکھتا ہو۔ لوگوں کے درمیان حق و انصاف کے ساتھ فیصلے کرنے کا نام قضا ہے اور جو شخص ان اوصاف کا حامل ہو گا وہ حق و انصاف کے ساتھ فیصلے نہیں کر سکے گا۔

-14 مستحب یہ ہے کہ ایسے شخص کو قاضی مقرر کیا جائے جو مجتہد ہو اور مجتہد وہ شخص ہوتا ہے جو کتاب اور سنت کی عبارت النص اشارۃ النص، دلالت النص، اقتضاء النص کا عالم ہو۔ کتاب اور سنت کے ناسخ اور منسوخ کو شرائط قیاس کو مسائل اجماعیہ اور اقوال صحابہ کو جاننے والا ہو تا کہ وہ اقوام صحابہ یا اجماع پر قیاس کو مقدم نہ کرے۔

(یہ اوصاف صرف دینی مسائل ہی میں کفایت نہیں کرتے بلکہ دنیاوی، معاشرتی، آئینی اور قانونی امور کے اندر ان اوصاف کا بھی ہونا ضروری ہے تا کہ وہ دیگر عدالتوں اور کورٹوں کے فیصل شدہ معاملات، نظائر اور مثالوں سے اصول اور ضوابط مرتب کرنے کی صلاحیت سے متصف ہو۔ اعلیٰ عدالتوں کے فیصل شدہ واقعات اور موجودہ درپیش معاملہ کے اندر متفقہ اور متعلقہ نکات میں تنقیحات قائم کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو اور اگر کوئی فریق سابقہ فیصلوں سے غلط نتائج اخذ کرنے کی کوشش کر رہا ہے یا غلط رنگ دینے کی کوشش کر رہا ہے تو ان میں امتیازات قائم

Marfat.com

کرنے کی صلاحیت کا حامل ہو۔

-15 قاضی فقیہ النفس ہو یعنی طباع اور ذہین ہو اور اس کو استدلال اور استنباط کا ملکہ ہو۔

-16 اگر قاضی دینی، اسلامی اور شریعت کے معاملات میں فیصلہ کرنے کے لیے مقرر اور منتخب کیا گیا ہے تو پھر اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ

(1) لغت عربیہ (2) علم صرف (3) علم نحو (4) علم معانی (5) علم بیان (6) وجوہ قیاس (7) کتاب اللہ کی احکام سے متعلق آیات (8) متن اور سند کی روشنی میں رسول مقبول ﷺ کی احکام سے متعلق احادیث مبارکہ کا علم بخوبی رکھتا ہو۔

فقہاء اسلام نے قاضی کے عہدہ پر فائز ہونے والے فرد کے لیے جو مذکورہ شرائط ذکر کی ہیں اس میں اس امر کی گنجائش رکھی ہے کہ اس میں یہ اہلیت اور قابلیت ہو کہ وہ بوقت ضرورت قرآن عظیم سے احادیث مبارکہ اور فقہ کے متعلق ابواب سے پیش آمدہ آیت اور احادیث کو تلاش کرنے کا ملکہ رکھتا ہو۔ اسی طرح حدیث کی سند کو کتب رجال سے تحقیق کر سکے یعنی مجتہد اور قاضی میں یہ صلاحیت ہو کہ وہ ان علوم کے مضامین کو متعلقہ کتب کے ابواب سے بوقت ضرورت تلاش کر کے حاصل کر سکے۔

عصر حاضر کے مشہور شارح حدیث علامہ غلام رسول سعید یہ کہتے ہیں کہ صحاح ستہ، مؤطا امام مالک، مسند امام اعظم، سنن کبری، بیہقی، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ اور مجمع الزوائد میں احکام سے متعلق تمام احادیث اور آثار موجود ہیں۔ اگر مجتہد (قاضی) کسی مسئلہ میں اجتہاد (اپنی رائے کے قائم کرنے) کے وقت ان مذکورہ کتابوں کے متعلقہ ابواب میں احادیث اور آثار کو تلاش کر لے تو اس کو تسلی اور اطمینان ہو جائے گا (اور اپنی رائے کو قائم کرنے میں اطمینان اور ایقان کی صفت سے موصوف ہوگا) کیونکہ ان کتب احادیث سے خارج حکم شرعی سے متعلق کوئی حدیث اور اثر نہیں ہے۔

1- مسائل عصریہ میں وہ خود اجتہاد کرنے اور دلائل شرعیہ کی روشنی میں جدید اور عصری مسائل کا حکم شرعی تلاش کرنے کی اہلیت رکھتا ہو جیسا کہ قاضی کے حکم سے قاتل کی نشاندہی کے لیے رہنمائی حاصل کرنا یا آلہ قتل کا تعین کرانا یا پیوند کاری کیے ہوئے اعضاء کے ضائع کرنے پر قصاص کا حکم جاری کرنا جبکہ اصل میں وہ عضو تو کسی اور کا ہے یا کسی ایسے شخص کا تھا جو انتقال کر گیا ہے یا مصنوعی طریقہ تولید کے ذریعے اصل باپ یا والدہ کا تعین اور ایسی

Marfat.com

ولادت پر وراثت کے احکامات کا جاری کرنا یا ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعے پیدا ہونے والے بچوں کے حسب ونسب کا تعین اور کلوننگ کے ذریعے پیدا ہونے والے جڑواں بچوں کی آپس میں شادی کا جواز اور ان کی میراث کا مسئلہ یا کلوننگ کے ذریعے پیدا ہونے والی دو یا تین شریک عورتوں میں ماں کے اعتبار سے بچہ کی نسبت کا تعین، والدہ کی نسبت بیضہ دینے والی عورت کی طرف ہوگی یا بیضہ کو رحم میں رکھنے والی عورت کی طرف ہوگی۔ یا مشترکہ بچوں میں حلالی یا حرامی ہونے کا شرعی حکم یا کلوننگ کے ذریعے پیدا ہونے والی بھیڑوں یا بکریوں کے ذبیحہ اور ان کے گوشت کے حلال یا حرام ہونے کے بارے میں عدالت کا شرعی فیصلہ وغیرہ وغیرہ......!

عدالت کے عہدہ قضاء پر فائز شخصیت کا ایسے جدید پیدا ہونے والے مسائل میں قرآن وسنت کی روشنی میں فیصلہ کرنے کی صلاحیت وقابلیت کا حامل ہونا بھی ضروری ہے۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 25 اکتوبر 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

عدالتوں کی تعداد اور قاضی القضاہ کے اختیارات

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں دیوانی مقدمات (Civil cases) اور فوجداری مقدمات (Criminal Cases) کی سماعت کے اختیارات ایک ہی قاضی کو حاصل ہوتے تھے مقدمات کی دونوں قسموں کے مطابق الگ الگ تقسیم اختیارات اور پھر ہر ایک قسم کے لیے الگ الگ قاضی کا تقرر وجود میں نہ آتا تھا بلکہ ہر قسم کے مقدمات کے لیے ایک ہی قاضی مقرر ہوتا تھا جس کے دائرہ اختیار میں دونوں اقسام کے مقدمات کی سماعت ہوتی تھی۔

خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ اور خلیفہ رابع حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور خلافت تک یہی طریقہ کار رہا۔

دور خلافت کے بعد بنوامیہ کے زمانہ تک قاضیوں کا تقرر خود خلیفہ وقت کرتا تھا یا مقامی طور پر علاقہ کا حاکم کرتا تھا اس وقت تک تمام قاضیوں کا مقام و مرتبہ اور حیثیت یکساں ہوتی تھی کسی ایک قاضی کو دوسرے پر فوقیت اور امتیاز حاصل نہ تھا۔

البتہ دور بنوعباس میں سب سے پہلے حضرت امام ابو یوسف کو قاضی القضاہ (چیف جسٹس) مقرر کیا گیا اور اس کے ساتھ انھیں ملک کے مختلف حصوں علاقوں اور صوبوں میں قاضی مقرر کرنے اور معزول کرنے کے اختیارات بھی حاصل ہوئے۔ انھیں دوسرے ماتحت قاضیوں کے فیصلوں کے خلاف مرافعہ (Appeal) ان کی جانچ (Trial) نظر ثانی (Review) نگرانی (Revision) اور استصواب (Reference) وغیرہ کے بھی اختیارات حاصل ہوتے تھے۔ تنازعات میں کثرت نہ ہونے کی بنا پر کسی حد تک اختیار عدل ایک ہی ہاتھ میں سمٹتا ہوا نظر آتا ہے۔

امام ابو یوسف کے بعد بھی قاضی القضاہ کا عہدہ قائم رہا ان کے بعد خلیفہ مامون نے یحییٰ کو قاضی القضاہ مقرر کیا۔

قاضی القضاہ کا مقام سماعت صرف مملکت کے صدر مقام یا دارالخلافہ (بغداد) ہوتا

Marfat.com

تھا بعد میں جوں جوں مملکت میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور عدالت کا دائرہ پھیلتا چلا گیا یوں یوں دائرہ کار میں تقسیم کار ہوتی چلی گئی۔

چنانچہ اسلامی نظام عدل میں عام قاضیوں کے علاوہ مختلف خاص خاص معاملات کے جھگڑوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے مخصوص عدالتوں کا قیام بھی ہوتا تھا مثلاً اسلامی لشکروں اور مجاہدین کے ساتھ ان کے باہمی تنازعات کے جھگڑوں اور معاملات کو طے کرنے کے لیے یا نئے مفتوحہ علاقوں میں عدالتی فرائض سرانجام دینے کے لیے ''قاضی العسکر'' کے نام سے عام قاضیوں کے علاوہ اور قاضی مقرر ہوتے تھے اور مفتوحہ علاقوں میں نئی عدالتیں قائم کرنا بھی ان کے فرائض میں داخل تھا۔

علاوہ ازیں اسلامی نظام عدل میں ایک عہدہ ''محتسب'' کا بھی ہوتا تھا۔ محتسب اصل میں قاضی ہی کا درجہ رکھتے تھے۔

ان کے دائرہ اختیار (Jurisdiction) میں ایسے امور تھے جو بلدیات کے احکامات کی خلاف ورزی سے متعلق ہوتے تھے نیز عوام الناس کے آداب و اخلاق کی نگرانی گراں فروشی کی روک تھام اور ذرائع آمد و رفت ٹریفک وغیرہ کا انتظام بھی محتسب سے متعلق ہوتا تھا ارباب اقتدار اور حکمرانوں کے جور و ظلم چیرہ دستیوں سے محفوظ رکھنے اور اختیارات سے تجاوز کرنے کے خلاف ایک حاکم کا تقرر بھی ہوتا تھا جس کو والئی المظالم (Guardian of tyranny) کہا جاتا تھا۔ ان کے سپرد ان احکام کا نفاذ کرانا بھی تھا جو قاضی یا محتسب کے دائرہ کار سے باہر تھے۔ عصر حاضر کی اصطلاح قانون میں والئی المظالم کو عدالت انتظامی (Administrative court) کہا جا سکتا ہے بعض اوقات مخصوص مقدمات کی سماعت کے لیے خاص عدالتیں بھی تشکیل دی جاتی تھیں چنانچہ الماوردی لکھتے ہیں۔

''بالعموم فوجیوں کے باہمی تنازعات کے تصفیہ کے لیے خصوصی جج مقرر کیے جاتے تھے مگر خاص عدالتوں کے اختیارات ہمیشہ محدود ہوتے تھے (البتہ) دیوانی فوجداری مقدمات کے لیے علیحدہ عدالتیں نہ تھیں بلکہ ہر قاضی اپنے اپنے علاقے میں بلا تخصیص مقدمات کی سماعت کرتا تھا۔''

اسلامی عدالتوں میں صرف ایک قاضی اجلاس (سماعت) کرتا تھا موجودہ نظام ہائے عدالتوں کی طرح متفقہ یا کاملہ (Fullbench) یا ڈبل بنچ (Double bench) ڈویژن بنچ (Division bench) وغیرہ کا دستور نہ تھا بلکہ قاضی القضاہ خود تنہا (Single

Marfat.com

(bench) کی حیثیت سے عدالت اپیل (Appelate court) کے اختیارات کو بروئے کار لاتے تھے اگر چہ بعض اوقات خلیفہ وقت خود بھی بعض مقدمات کی سماعت کرتا تھا۔

"معین الحکام" میں قضاہ کے تقرر اور تقسیم فرائض و اختیارات کے متعلق ایک جامع عبارت میں اس طرح تصریح کردی ہے۔

"ولایت قضاہ کا عموم و خصوصی یا جو اختیارات قاضی کو حاصل ہوتے ہیں ان کی بنیاد حالات و عرف پر ہے۔ اس کی شریعت میں کوئی حد مقرر نہیں ہے بعض حالات و مقامات و زمانے کے اعتبار سے قاضی کو جنگی انتظامات تک سپرد کیے جا سکتے ہیں اور بعض حالات میں محض احکام شرعیہ کے ذریعے مقدمات باہمی تک محدود کیا جا سکتا ہے خلاصہ ہے کہ ہر شہر و مملکت کے حالات کے پیش نظر اور عرف و عادت کا لحاظ کرتے ہوئے قضاء کے اختیارات تفویض کیے جاسکتے ہیں اس مسئلہ پر تحقیق قول یہی ہے۔ (معین الحکام)

اس تاریخی پس منظر سے یہ امر واضح ہو کر سامنے آتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق عدالتوں کے قیام کی تعداد، ان کے اختیارات سماعت و دائرہ کار قاضیوں کی تعداد حالات واقعات کو حوادث کی نوعیت کے سپرد کر دیا گیا ہے گویا سپریم کورٹ اور ہائیکورٹس کے علاوہ دیگر مخصوص کورٹس کا قیام کا تصور اسلامی تعلیمات کے خلاف نہیں ہے۔

البتہ حکومت وقت کا یہ فرض اولین ہیں کہ وہ مملکت میں بسنے والے افراد کو جلد از جلد انصاف پہنچانے کے لیے، عوام کے متنازعہ امور کو طے کرانے کے لیے جتنے بھی زیادہ سے زیادہ قاضی مقرر کیے جاسکتے ہیں مقرر کرے۔ ذاتی مفادات کو پیش نظر رکھتے ہوئے قاضیوں کی تعداد کا تعین کرنا، آئینی اور قانونی موشگافیوں کی آڑ میں قاضیوں کی تعداد میں حد بندی کرنا قابل تعریف امر نہیں ہے۔ "ڈاؤن سائزنگ" کا اطلاق عدالتوں کی بجائے اپنی عیاشیوں کے بے بجا مصارف اپنے "قدیمی آقاؤں" کی "خدمت اقدس" میں "غلامانہ ضیافتوں" پر پانی کی طرح قیمتی خزانہ کو لٹانے پر کرے۔ اپنے غیر ملکی دوروں کے بے جا اصراف پر کرے۔

عدالتوں سے محاذ آرائی کی بجائے عدالتوں کے احکامات پر عمل پذیر ہوا جائے۔

اگر خود برسر اقتدار حکومت کے ذمہ دار افراد قائدین، وزراء، مشیران اور عوام کو جواب دہ افراد عمل نہیں کریں گے تو محکوم عوام سے عدالتوں کے احکامات کو بجا لانے کی توقع کرنا عدل و انصاف سے مذاق کرنے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ (روزنامہ جنگ، لاہور 26 اکتوبر 1997ء)

♥ ..... ♥ ..... ♥

Marfat.com

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور معاشیات

مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہ عصر حاضر اور خاص طور پر اس صدی کی ہمہ گیر اور مختلف علوم وفنون کی جامع شخصیت ہیں۔ جس کا اظہار ان کی تصنیف وتالیف کردہ کتب سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ اس مقالہ میں اس عبقری نابغہ روزگار شخصیت کا تعارف ایک ماہر معاشیات کے عنوان سے پیش کیا جارہا ہے۔

اسلام دین و دنیا کی تفریق کا قائل نہیں ہے اور نہ ہی ہر ایک کو جداگانہ انداز سے زندگی گزارنے کی تعلیم دیتا ہے اور نہ ہی دین کو انسانی زندگی کا ذاتی اور پرائیویٹ مسئلہ قرار دے کر صرف نظر کرتا ہے بلکہ دنیا کے جملہ معاملات کو دینی تعلیمات کی روشنی میں حل کا حکم دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن وحدیث وآثار میں جابجا ان تعلیمات کی جلوہ آرائیاں نظر آتی ہیں۔

قائدانہ صلاحیتوں کے حامل مسلمان مفکرین ومدبرین کا ہمیشہ سے یہ طریق کار رہا ہے کہ وہ زمانہ کے تغیر پذیر معروضی حالات اور درپیش چیلنجوں کا جائزہ لیتے ہیں، تجزیہ کرتے ہیں اور اسلام کی بنیادی اور اصولی تعلیمات کی روشنی میں نئے پیدا ہونے والے امور میں رہنمائی کرتے ہیں چنانچہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے آج سے 85 سال قبل اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے مسلمانان ہند کی معاشی بدحالی اور پسماندگی کا جائزہ لیا پھر تجزیہ کیا اور بعد میں ان سے چھٹکارا پانے کی تدابیر کی رہنمائی کی اور ان راہوں کے نقوش آپ کی تالیفات وتصنیفات میں نظر آتے ہیں۔

پاک وہند کے مایہ ناز ماہر معاشیات جناب پروفیسر رفیع اللہ صدیقی رقم طراز ہیں۔ موجودصدی کا ربع اول وہ بلاخیز دور تھا کہ بڑے بڑے علماء اور لیڈر ثابت قدم نہ رہ سکے ایسے وقت میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے "تدبیر فلاح ونجات واصلاح" کے نام سے امت مسلمہ کی معاشی بہبود کی خاطر چار تجاویز پیش کی تھیں جو آج بھی اپنے اندر وزن رکھتی ہیں اور امام احمد رضا بریلوی کی نگاہی کی شاہد ہیں۔

Marfat.com

یہ رسالہ 1912ء/ 1331ھ کو کلکتہ سے شائع ہوا جس میں ان نکات کی تفصیل اس طرح ذکر کی گئی ہے۔

1- ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے مسلمان اپنے معاملات باہم فیصل کریں تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں خرچ ہو رہے ہیں، پس انداز ہو سکیں۔

2- بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدر آباد دکن کے تونگر (مالدار) مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولیں۔

3- مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔

4- علم دین کی ترویج واشاعت کریں۔

ظاہر میں یہ چار نکات انتہائی مختصر ہیں لیکن ان میں علم معاشیات کے معانی کا جو ذخیرہ پوشیدہ ہے وہ اس امر کی غمازی کر رہا ہے کہ آپ بخوبی جانتے ہیں قوموں کے زوال میں کون کون سی چیزیں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

1912ء میں جب یہ نکات شائع ہوئے تو برصغیر ہند میں علم اقتصادیات کا مطالعہ نہ ہونے کے برابر تھا اور دنیا کے دیگر ترقی یافتہ ممالک مثلاً انگلینڈ، فرانس، امریکہ اور جرمنی وغیرہ میں دانشوروں کا ایک مخصوص طبقہ اور حلقہ اس علم کے اکتساب کی طرف مائل تھا۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد اور خاص طور پر 30-1929ء کی عظیم عالمی سرد بازاری نے طاقتور حکومتوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا چنانچہ شدت سے اس کی ضرورت محسوس کی گئی کہ ایک ایسے نظریے کی ضرورت ہے جو اس کساد بازاری (Slump) یعنی General droping prices and trade activities پر قابو پانے میں مدد دے سکے۔ 1936ء میں ایک انگریز ماہر اقتصادیات جے ایم کینز نے اپنا مشہور عالمگیر نظریہ ''نظریہ روزگار و آمدنی'' پیش کیا جو اقتصادیات کے میدان میں جدید معاشی انقلاب کا سبب بنا اور اس نظریہ کی بدولت عالمی سرد بازاری پر کنٹرول کیا گیا جب کہ اسی نظریہ کی جھلک کو 1912ء میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے جدید اقتصادی تقاضوں کی روشنی میں پیش کر دیا تھا۔

جی ایم کینز کے نظریہ ''روزگار و آمدنی'' کی اہم ترین شق ''مساوات'' (Equation) میں بچت اور سرمایہ کاری سب سے اہم متغیرات (Variables) ہیں اس

Marfat.com

کے نزدیک معیشت میں اقتصادی توازن کے لیے یہ شرط ہے کہ:

بچت: سرمایہ کاری (Investment)

جب تک یہ شرط پوری ہوتی رہے گی سرمایہ دارانہ معیشت میں توازن برقرار رہے گا لیکن جہاں ان دونوں میں عدم مساوات پیدا ہوئی معیشت کا توازن بگڑ جائے گا یا تو معاشرہ کساد بازاری کا شکار ہو جائے گا یا افراط زر کا۔ دونوں ہی صورتیں سماجی، سیاسی، معاشرتی، اقتصادی اور معاشی نقطہ نظر سے خطرناک ہیں۔

اگر بچتیں زیادہ ہیں تو سرمایہ کاری بھی زیادہ ہوگی اور اگر بچتیں کم ہیں تو اقتصادی ترقی کی رفتار سست ہو جائے گی۔

اہل نظر و بصیرت ذرا اس ماحول کو ذہن میں رکھیں جب کہ 1912ء میں اعلیٰ حضرت نے مسلمانوں کو اس بات پر عمل کرنے کی تلقین کی تھی کہ وہ غیر ضروری اخراجات سے پرہیز کریں اور زیادہ سے زیادہ پس انداز کریں اور آج کے ماحول پر بھی ایک نگاہ ڈالیں کہ جب بین الاقوامی مالیاتی اداروں سے لے کر حکومتی اداروں تک ہر ایک اس بارے میں کوشاں ہیں کہ حکومتیں اور عوام زیادہ سے زیادہ بچت کریں۔

یعنی اعلیٰ حضرت نے فخر کائنات حضور اکرم ﷺ کے فضول خرچی کی مذمت کرنے والے احکامات کو دوبارہ امت مسلمہ کو اپنانے کی طرف متوجہ کیا۔

ایک امریکی ماہر اقتصادیات کولن کلارک نے پاکستان بھارت اور چین کے لیے یہ مشورہ دیا تھا کہ ان ممالک کے افراد کم از کم 12 فیصد پس انداز کریں اور اسے سرمایہ کاری میں لگائیں تو یہ ممالک ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتے ہیں۔

2- دوسرے نکتے میں آپ نے اہم بڑے شہروں میں مسلمانوں کو اپنے بینک قائم کرنے کی ترغیب دی کیونکہ 1912ء تک تمام بنک یا تو انگریزوں کی ملکیت تھے یا ہندوؤں کے حتیٰ کہ انشورنس کمپنیاں، باہمی امداد کی انجمنیں، صنعتی اور زرعی امداد کے ادارے کوآپریٹو ادارے اور فنانس کمپنیاں سب کی سب سودی نظام پر کام کر رہی تھیں۔ 1940ء تک برصغیر ہند میں مسلمانوں کا ایک بینک بھی نہ تھا لیکن اعلیٰ حضرت نے 1912ء ہی میں بنک اور بنکوں کی اہمیت کا اندازہ لگا لیا تھا جو آپ کی اقتصادی معاملات میں گہری نگاہ رکھنے کا آئینہ دار ہے

Marfat.com

اس لیے آپ نے مال دار مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اپنے بھائیوں کے لیے بنک قائم کریں۔

سود کے انتہائی نقصانات کو اور اس کے متعلقہ مسائل کو اپنے فتاویٰ رضویہ کی ساتویں جلد کے باب ''الربوا'' میں اور دیگر کتب میں تفصیل سے ذکر کیا ہے جس کو یہاں بیان کرنا چنداں ضرورت نہ ہے۔

پاکستان کے قیام سے قبل یہی بات قائداعظم علیہ الرحمتہ نے 1946ء میں کہی اور قائداعظم کے مسلسل اصرار پر 9 جولائی 1947ء کو کلکتہ میں سر آدم جی داؤد اور احمد اصفہانی نے مسلم کمرشل بنک قائم کیا۔

اگر 1912ء کے اردگرد مسلمانوں کے چند سرمایہ دار اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی ہدایت پر عمل کر لیتے تو مسلمانوں کا معاشی مستقبل اور اس کے اقتصادی نتائج قیام پاکستان کے ساتھ ہی آشکار ہو کر سامنے آجاتے۔

آپ نے اپنا تیسرا معاشی نکتہ یہ پیش کیا کہ ''مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔''

ذرا آپ آج کے عالمی اقتصادی ماحول کا جائزہ لیں تو اس نظریہ کی اہمیت خوب واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے دوسری جنگ عظیم کے بعد مغربی یورپ کے جنگ سے متاثرین ممالک نے اس نظریہ پر پورا پورا عمل کیا اور آج یہ ممالک اقتصادی طور پر مضبوط ترین ممالک شمار کیے جاتے ہیں۔

علم معاشیات میں معاشیات کے باوا آدم ''آدم سمتھ'' نے اپنی کتاب ''دولت اقوام'' اور امریکی سیاستدان الیگزینڈر ہملٹن نے آدم سمتھ کے نظریہ ''تامین'' (Protection) کی پرزور تائید کی اور یورپین مشترکہ منڈی کا قیام اس اصول پر عمل میں آیا کہ یہ چھ مغربی یورپی ممالک آپس میں تجارت کریں گے یاد رہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ عالمی سیاست میں امریکہ کا طوطی بول رہا تھا اور عالمی معیشت میں امریکی ڈالر کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا لیکن اس معاہدہ کے بعد عالمی اقتصادیات میں امریکن ڈالر کی حیثیت ثانوی ہو گئی اور جرمن مارک دنیا کی مضبوط کرنسی قرار پایا۔ اس منڈی کے قیام کے پس منظر میں وہی نظریہ کارفرما تھا جو اعلیٰ حضرت نے 1912ء میں پیش کیا تھا کہ مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ

Marfat.com

نہ خریدیں۔

اگر اس وقت کوئی مسلم ماہر معاشیات و اقتصادیات اس نکتہ کے دوررس نتائج اور اثرات پر غور کر کے اس کی توضیح وضاحت کر دیتا کہ مسلمان صرف اور صرف مسلمان ہی سے خرید و فروخت کریں تو کوئی وجہ نہ تھی کہ مسلمان ہندوستان میں معاشی اعتبار سے دوسری قوموں کے مقابلے میں کمزور نہ ہوتے۔

اعلیٰ حضرت نے اسلام کی معاشی تعلیمات پر کئی اور کتب بھی تصنیف کیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

احکام الاحکام فی التناول من ید من مال الحرام۔

اس میں مال حرام کے ساتھ معاملات اور ان کے نفقات کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

افصلح البیان فی حکم مزرع ہندوستان

کہ ہندوستانی زمین کی بیدار پر شرعی وظیفہ کیا ہے۔

کاغذی نوٹ سے متعلق مسائل کا بیان اور اس کے شرعی احکامات

خیر الآمال فی حکم الکسب والسوال

اس میں روزی کمانے، معاش کے حاصل کرنے اور سوال کرنے کے احکام ذکر کیے ہیں "سود ایک بدترین جرم" نامی کتاب کے اندر اعلیٰ حضرت کے افادات کو یکجا کر دیا گیا ہے جس میں تفصیل سے سود کی مختلف صورتوں کو جو جدید بینکاری نظام میں مروج ہیں سودی کاروبار کرنے والے افراد اداروں اور ان کے طور طریقوں کی نشاندہی کی ہے۔ (کنزالایمان سوسائٹی کے زیراہتمام 27 اکتوبر کو الحمرا ہال میں امام احمد رضا کانفرنس میں پڑھا گیا)

(روزنامہ جنگ، لاہور 29 اکتوبر 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

قانون سازی کے مقاصد

قانون سازی ایک ''مقدس فرض'' اور ''امانت'' ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور حضور اکرم علیہ التحیۃ والثناء کی سنت پر عمل پیرائی کو پیش نظر رکھ کر مخلوق خدا کو منضبط اصولوں اور قواعد وضوابط پر عمل کرنے کا پابند بنایا جاتا ہے۔ ملک میں بسنے والے افراد کی فلاح پیش نظر ہوتی ہے۔ ملک کی نظریاتی وجغرافیائی حدود کا تحفظ مدنظر ہوتا ہے اور ملک میں قائم اداروں کا باہمی نظم وضبط مضبوط و مستحکم کرنا مقصود ہوتا ہے تاکہ ہر ادارہ اپنے اپنے دائرہ کار میں اپنے فرائض سرانجام دے سکے۔ صرف حکمرانوں کے وقتی مفادات کو پیش نظر رکھ کر قانون سازی کرنا اسلامی تعلیمات کی روح کے منافی ہے حکمرانی کے ادوار بدلتے رہتے ہیں لیکن دینی وملی اقدار قائم ودائم رہتی ہیں۔ عوام کا قلبی تعلق اپنے وطن اور ملک کے ساتھ قائم رہتا ہے اور اس تعلق کو گہرا کرنے کی تدبیریں ہر محب وطن، جماعت، ادارے اور افراد اختیار کرتے ہیں کیونکہ وہ محب وطن افراد اور جماعت بخوبی جانتی ہے کہ ان کا وجود وطن کے ساتھ قائم ہے۔ وطن کی بقا ان کی منزل ہے اور وطن کے استحکام ہی میں ان کا استحکام مضمر ہے۔

اسلام میں مغربی جمہوریت اور بادشاہت کی مانند غیر محدود قانون سازی کا اختیار کسی ادارے کو حاصل نہیں ہے مغربی جمہوریت میں اکثریت کے بل بوتے پر جس طرح قانون سازی کرنا چاہیے کی جاسکتی ہے پارلیمنٹ اگر جنسیت پرستی (Homosexulity) کو قانونی جواز مہیا کرنا چاہے تو کرسکتی ہے جبکہ تعلیمات اسلامیہ میں ایسا ممکن نہیں ہے۔ مغربی جمہوریت میں یہ بھی روا ہے کہ حلف برداری کے وقت جس ''مقدس آئین'' کے تحفظ کی قسم کھائی جاتی ہے اسی ''محترم آئین'' کی آرٹیکلز کو دو تہائی اکثریت کے بل بوتے پر جب اور جس طرح بدلنا چاہیں تو بدلا جاسکتا ہے اور بعض اوقات اس خوبصورتی سے آئین کی متعلقہ آرٹیکلز کو بدلا جاتا ہے کہ آئین کے الفاظ تو قائم رہتے ہیں لیکن ان الفاظ کی روح کو ختم کردیا جاتا ہے۔ 1973ء سے لے کر اب تک آئین میں کی گئی 14 ترامیم اسی امر کی غمازی کررہی

Marfat.com

ہیں اگرچہ کی گئی ترامیم کے بارے میں مثبت و منفی اچھے اور برے دستوری اور غیر دستوری قانونی اور غیر قانونی آئینی اور غیر آئینی اخلاقی اور غیر اخلاقی، مذہبی اور غیر مذہبی مختلف نقطہ نگاہ اور مطمع نظر موجود ہیں ان ترامیم کی تائید و تنکیر میں ہر ایک کے تحفظات کے ساتھ ان کے نکتہ نظر کا حق تسلیم ہے ہر ترمیم کے بارے میں ہر ایک کا نکتہ نگاہ بجا۔ کسی کے نزدیک اگر ایک ترمیم برحق ہے تو دوسرے کے نزدیک ناحق اگر پہلی سات ترامیم درست ہیں تو اس کے نزدیک آٹھویں ترمیم غلط، کسی کے نزدیک نویں درست تو کسی کے نزدیک چودھویں غلط، آئین...... آئین نہ رہا بلکہ بازیچہ اطفال بن گیا۔ یقیناً ترمیم کرنے کا اختیار بھی آئین کی آرٹیکل 239 دے رہی ہے لیکن اس نے اس اختیار کو اقتدار کی کشمکش، اختیارات کے تفویض اور اعلیٰ و برتری کے احساسات کو اجاگر کرنے کے لیے تو نہیں دیا تھا بلکہ ہر ادارے کو اپنے اپنے مقام پر مستحکم کرنے کے لیے دیا تھا۔

اسلام کا آئین خداوندی "القرآن" اور اس کے فرستادہ رہبر کائنات نبی مکرم ﷺ کے اخبار متواترہ اور ان کی خصوصی قطعیہ ہر قسم کے تغیر و تبدل سے پاک و صاف ہیں تو ہم انھیں اپنے لیے مشعل راہ کیوں نہ بنالیں؟ ارشاد خداوندی ہے۔

"اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو (حکم مانو) اور ان کی جو تم میں اولی الامر ہیں پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حضور رجوع کرو۔ اگر تم اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔

مفسرین کرام اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اولیٰ الامر میں امام، امیر، سلطان، حاکم اور قاضی سب شامل ہیں اور ان میں جو حق پر ہو اس کا حکم مانو۔

مغربی جمہوریت کے علمبرداروں نے مغربی قوانین سے متاثر ہو کر 1973ء کے آئین میں آرٹیکل 239 کی شق نمبر 5 اور 6 میں پارلیمنٹ کو قانون سازی کا اس قدر اختیار دیا ہے کہ اسے کوئی چیلنج نہیں کر سکتا چنانچہ شق نمبر 5 کے مطابق:

"دستور میں کسی ترمیم پر کسی عدالت میں کسی بنا پر چاہے جو کچھ ہو کوئی اعتراض نہیں کیا جائے گا"

اور شق نمبر 6 میں سے اختیار یوں دیا گیا ہے:

"ازالہ شک کے لیے بذریعہ ہذا قرار دیا جاتا ہے کہ دستور کے احکام میں سے کسی

Marfat.com

میں ترمیم کرنے کے مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کے اختیار پر کسی بھی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہے۔"

زاہد حسین انجم ان شقوں کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس دفعہ کی شق 6 میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ شبہات رفع کرنے کے لیے اس شق کے ذریعے یہ قرار دیا جاتا ہے کہ اس دفعہ (آرٹیکل) کے تحت اس آئین کی توضیحات میں اضافہ تبدیلی یا تنسیخ کے طور پر ترمیم کرنے کا مجلس شوریٰ کا آئین سازی کا اختیار کسی بھی طرح محدود نہیں ہوتا ہے۔ بھارتی آئین کی دفعہ 368(5) میں بھی یہی الفاظ دہرائے گئے ہیں لیکن بیرونی دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں پارلیمنٹ کے فیصلے کو غیر موثر قرار دینے کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً برطانیہ کے لارڈ جسٹس کوک نے ڈاکٹر بونہام کے مشہور مقدمے میں اپنے فیصلے میں لکھا تھا۔

"جب پارلیمنٹ کا منظور کردہ کوئی قانون عام حق (Common Right) یا عقل سلیم (Reason) کے خلاف ہوگا یا اس پر عمل ناممکن ہوگا تو پھر معاملہ کا فیصلہ کامن لاء کی روشنی میں ہوگا اور ایسی وضعی قانون کو غیر موثر (Void) قرار دیا جائے گا۔

(77ER,647,652,(1610)

جسٹس کوک کے جانشین لارڈ چیف جسٹس ہوبرٹ نے بھی اسی نقطہ نظر کا اظہار کیا وہ کہتے ہیں:

"پارلیمنٹ کا بنایا ہوا ایک وضعی قانون بھی اگر وہ فطری انصاف کے خلاف ہے تو اسے غیر موثر قرار دیا جائے گا۔" (Day vs Savadge, 80 ER 235,237(1615)

امریکی جسٹس مارش کا یہ فیصلہ آج تک امریکی قانونی روایت کی بنیاد بنا ہوا ہے کہ دستور خود سب سے بڑا قانون ہے اور یہ ذمہ داری عدالتوں کی ہے نہ کہ مقننہ (Parliament) کی کہ کون سا قانون دستور کی حدود سے تجاوز کر گیا ہے اور کس بنا پر وہ غیر موثر ہے۔

(Martury v.s Madism)

گویا مندرجہ بالا مثالوں کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر دستور میں ترمیم کے لیے دیے گئے احکامات اور طریقہ کار سے انحراف کیا گیا ہو تو اس صورت میں عدالت عالیہ کو ایسے کسی اقدام کے خلاف اختیار سماعت حاصل ہے اور وہ ایسی کسی ترمیم کو خلاف قانون یا غیر

Marfat.com

موثر قرار دے سکتی ہے۔

بلکہ بھارت میں تو سپریم کورٹ عام قوانین ہی کو نہیں بلکہ دو تہائی اکثریت سے منظور شدہ دستوری ترمیم کو بھی غیر دستوری قرار دینے کی روایت قائم کر چکی ہے اور اس کے باوجود پارلیمنٹ کی بالادستی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

جمہوریت کی پیروی کرتے ہوئے جس قسم کے ''انگوٹھا چھاپ'' نمائندے قانون سازی کے لیے بھیجے جاتے ہیں ان سے ''نظام عدل و انصاف'' کی نزاکتوں کی توقع رکھنا عبث ہے۔ قانون حال کے ساتھ ساتھ مستقبل کے لیے بھی بنایا جاتا ہے اور مستقبل کے دگرگوں سیاسی حالات سے مکمل طور پر واقف ہونے کا دعویٰ کون کر سکتا ہے؟

عدالتوں کو مقننہ کے ذریعے ''عضو معطل'' بنانے کے نتائج سامنے آنے شروع ہو گئے ہیں کہ عدالتوں نے مقننہ کے ''گھوڑوں'' کو اپنی قیمتیں لگوانے کی عارضی اجازت دے کر ''ہارس ٹریڈنگ'' کی قانونی طور پر اجازت دے دی ہے۔ ''اور یہ دن ہیں کہ جنھیں ہم لوگوں کے درمیان بار بار پھیرتے رہتے ہیں۔'' (القرآن) (کبھی کسی کی باری ہے کبھی کسی کی)

(روزنامہ جنگ، لاہور 31 اکتوبر 1997ء)

♥……♥……♥

Marfat.com

فیصلہ کرتے وقت......

باہمی تنازعات کسی قسم کے بھی کیوں نہ ہوں چاہے وہ افراد کے درمیان ہوں یا جماعتوں کے یا عوام اور حکمرانوں کے درمیان ہوں...... یا برادریوں اور قبائل کے درمیان ہوں...... یا......اداروں اور گروہوں کے درمیان ہوں بہر حال انصاف اور عدل کے ذریعے ہر ایک کو درمیان ہوں بہر حال انصاف اور عدل کے ذریعے ہر ایک کو ان کا حق دلایا جاتا ہے اور اختلاف کی شکل میں ان کا حل تلاش کر لیا جاتا ہے۔

انصاف اور عدل کرنے والی شخصیت اپنے متعینہ دائرہ کار اور اختیار سماعت میں رہتے ہوئے انصاف مہیا کرتی ہے۔ بہر حال یہ مسلمہ امر ہے کہ عدالت کے اختیار میں قانون سازی کرنا نہیں ہے بلکہ قانون کی تشریح و تعبیر و توضیح Interpretation And Explanation یا قانون سازی کرنے کے بارے میں رہنمائی کرنا ہے۔ آئین کے آرٹیکلز کے اندر جو قانون سازی کی گئی ہوتی ہے اس سے مراد کیا ہے اور کون کون صورت احوال میں کون کون سے معانی لئے جا سکتے ہیں ان کی تعین کرنا ہے اختلاف رائے کی صورت میں ہر فریق اپنے اپنے مفادات کے پیش نظر قانون کے سیاق وسباق (Context) عبارت والفاظ سے اپنی آراء کا اظہار کرتے ہیں اور عدالت ان مختلف نکتہ ہائے افکار میں صحیح اور درست نکتہ نظر کی تعین کرتی ہے۔

فیصلہ کرنے والے کی فضیلت اور اہمیت کس قدر ہے اس بارے میں شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں۔

''اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد حق کے ساتھ فیصلہ کرنا سب سے اہم فرض ہے اور یہ سب سے افضل عبادت ہے کیونکہ اس کی خاطر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنایا''

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرماتے ہوئے فرمایا!

Marfat.com

''اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل کئے اس کے مطابق ان میں فیصلہ کیجئے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں''

اور یہ حکم اس لئے حق کے ساتھ فیصلہ کرنے کی وجہ سے عدل کا اظہار ہوتا ہے اور عدل کے ذریعے ہی سے آسمان وزمین قائم ہیں۔

اسلام کی فقہی اور قانونی تعلیمات کے مطابق فیصلہ کرتے وقت جن امور کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اسکا خلاصہ درج ذیل ہے۔

1- پیش آمدہ معاملات میں وہ حکم دیا جائے جو کتاب، سنت متواتر، سنت مشہور یا اجماع سے ثابت ہو۔

2- کتاب یا سنت سے (خواہ خبر واحد ہو) یا قیاس سے اس حکم پر ایسی دلیل قائم ہو گئی ہو جس سے غلبہ ظن حاصل ہو جائے اگر فیصلہ کرنے والے کے نزدیک دلیل قطعی سے ایک حکم ثابت ہو جائے اور پھر بھی وہ اس کے خلاف فیصلہ کرتا ہے تو یہ قضا (فیصلہ) باطل ہے۔

3- مسائل اجتہادیہ میں اگر اس نے ایسا فیصلہ کیا جو کسی امام کا بھی مذہب نہیں ہے تو یہ قضاء بھی باطل ہے کیونکہ حق آئمہ اربعہ کی آراء سے باہر نہیں ہے۔

4- اور اگر اس نے نص صریح کے خلاف اپنے اجتہاد سے فیصلہ کیا تو یہ قضاء بھی باطل ہے کیونکہ نص کے مقابلہ میں قیاس کرنا باطل اور فاسد ہے۔

5- جس مسئلہ میں نص نہ ہو تو جو قاضی مجتہد ہے وہ اپنی رائے سے فیصلہ کرے۔

6- اگر قاضی کسی فقیہ کا مقلد ہے تو امام اعظم کے نزدیک وہ پھر بھی اجتہاد کر سکتا ہے جبکہ صاحبن کے نزدیک اب وہ اجتہاد نہیں کر سکتا۔

7- جب کسی مسئلہ میں اشکال پیدا ہو جائے تو مجتہد قاضی اپنی رائے سے فیصلہ کرے البتہ بہتر ہے کہ دیگر قضاۃ اور فقہاء سے بھی مشہور کر لے اور مشورہ کے بعد تمام آراء کو مجتمع کرتے ہوئے اپنی رائے سے فیصلہ کرے۔

8- اگر قاضی اجتہاد کا اہل نہیں ہے تو اس کو صحابہ کے اقوال یاد ہوں تو جس قول پر اس کا دل مطمئن ہو اس کے مطابق فیصلہ کرے۔

9- اگر اس شہر یا ملک میں اکثریت کسی ایک امام کی مقلد اور اس مسئلہ میں اس فقہ کی

Marfat.com

اپنی مستقل رائے ہے اور اس صورت میں قاضی نے جان بوجھ کر دوسرے امام کے مذہب پر فیصلہ کیا تو یہ فیصلہ باطل ہے۔

ارشاد خداوندی ہے!

"جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو بے شک اللہ تمہیں بہت اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے۔"

"تم رضائے الٰہی کی خاطر انصاف کی گواہی دینے والے ہو جاؤ خواہ وہ تمہاری اپنی ذات کے خلاف ہو یا تمہارے والدین کے خلاف ہو یا عزیز رشتہ داروں کے خلاف ہو"

کسی قوم کی دشمنی تمہیں عدل وانصاف کے خلاف آمادہ کرے تم ہر (صورت میں) انصاف کرو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"جب دو اشخاص (بطور مدعی و مدعا علیہ) تمہارے سامنے مقدمہ پیش کریں تو جب تک دوسرے کی (مدعا علیہ کی) بات نہ سن لیں تم پہلے کا بیان سن کر فیصلہ نہ کرنا تاکہ اس طرح مقدمہ کی پوری کیفیت آشکار ہو جائے گی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

"کوئی فیصلہ کرنے والا دو شخص کے درمیان اس حال میں فیصلہ نہ کرے جبکہ وہ غصہ میں ہو۔"

اگرچہ بنیادی طور پر منصف اور عادل کے فرائض و اختیارات میں متنازعہ امور جھگڑوں میں فیصلہ کرنا قرار پاتا ہے لیکن تاریخ اسلام کے مختلف ادوار اور زمانوں میں قاضی، منصف کو بہت سے اختیارات دیئے جاتے رہے ہیں چنانچہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

"خلفاء (راشدین) اور سلاطین (بادشاہوں) نے خلافت کے کاموں میں مصروف رہنے کے باعث قاضیوں کو بتدریج دیگر عہدے بھی دیئے اور آخر میں تو قاضیوں کو مقدمات کے فیصلوں کے اختیارات کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے بعض عام حقوق کی حفاظت کے اختیارات بھی حاصل تھے۔

چنانچہ امام الماوردی اور ان کے علاوہ دیگر محققین اور مورخین نے فیصلہ کرنے والے قاضیوں کے اختیارات کی ایک فہرست پیش کی ہے جو مندرجہ ذیل ہے:

1- فریقین کے مابین اقرار یا شہادت کے ذریعے ثابت شدہ حقوق لوگوں کو دلوانا۔

Marfat.com

2- فریقین کے درمیان (لین دین معاملات اور تمام مالی امور کے درمیان) تنازعات اور جھگڑوں کا فیصلہ کرنا۔

3- ایسے افراد جو اپنے معاملات خود سرانجام نہ دے سکتے ہوں (ممنوع التصرف) مثلاً فاتر العقل، پاگل، بے وقوف، بچے، تہی دست، مفلس اور لاوارث وغیرہ افراد کے مالوں اور جائیدادوں کی حفاظت، دیکھ بھال اور ان پر تصرف کئے جانے والے افراد کی تعین اور سپردگی کرنا یا ان میں سے کسی پر قدغن اور پابندی عائد کرنا۔

4- اللہ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے لیے مال جائیداد وغیرہ کو وقف کر دینا یا وقف علی الاولاد کی دیکھ بھال اور انتظام و انصرام کی نگرانی کرنا

5- یتیموں کے مال اور جائیداد وغیرہ کی حفاظت کرنا۔

6- مرنے والے افراد کی وصیتوں کو ان کی ذکر کردہ شرائط کے مطابق ان پر عمل درآمد کرنا۔

7- شرعی حدود کا اجراء کروانا اور شرعی حدود کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دینا۔ (بدقسمتی سے شرعی حدود کے نفاذ کی رکاوٹوں میں سے ایک رکاوٹ خود وہ افراد بھی ہیں جن کے ذمے ان حدود کے اجراء کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جب خود اجراء کرنے والے شرابی، زانی اور فاسق ہوں گے تو وہ کیونکر ان حدود کے جاری کرنے میں اپنا کردار ادا کر سکیں گے)۔

8- ملزمان کے لیے قائم کردہ عارضی کیمپوں، تھانوں اور جیلوں میں روا رکھے گئے ظلم و جور، چیرہ دستیوں اور غیر قانونی و غیر اخلاقی حرکتوں کی نگرانی کرنا اور ان کی اصلاحات کی راہیں تلاش کرنا اور ان کی نگرانی و اصلاحات کے لیے قاضیوں کا تقرر کرنا۔

9- جھوٹے گواہوں کی جھوٹی گواہی دینے کا انسداد کرنا۔ جھوٹے گواہوں کو سزائیں دینا، حوصلہ شکنی کرنا اور باقاعدہ گواہوں، امینوں اور ان کے نائبین کے حالات کو جاننے کے لیے صیغہ سراغرسانی قائم کرنا۔

10- نوٹ اور سکے کے چھاپنے والے اداروں، (ٹیکسال، منٹ، پریس) وغیرہ کی

Marfat.com

نگرانی کرنا۔

11- بیوہ عورتوں کے ولی نہ ہوں تو ان کے نکاح کے سلسلے میں کفو وغیرہ تلاش کرنے کے انتظامات کرنا کیونکہ اسلام صنف نازک کو معاشرے کے بے رحم ہاتھوں کے سپرد کرنا نہیں چاہتا بلکہ معاشرے میں ان کو وقار عزت اور حفاظت کا احساس دلانا چاہتا ہے۔

12- اسلام کی اکثر عبادات کا دارومدار اور تعلق رویت ہلال پر ہے اس لیے رویت ہلال کو دیکھنے کے انتظام و انصرام کرنا بھی قضاۃ کے سپرد کیا گیا تھا۔

13- ذرائع آمدورفت، مواصلات کے فروغ کے سلسلے میں اکثر زمینوں کی ملکیت کے بارے میں جھگڑے و فسادات پیدا ہو جاتے تھے چنانچہ سلاطین نے راستوں اور مکانوں کی تعمیرات کے سلسلے میں اور ان کی جانے والی اصلاحات کی دیکھ بھال کی نگرانی کے امور بھی قاضیوں کے سپرد کر دیئے تاکہ معاشی ترقی کرنے میں رکاوٹیں پیدا نہ کی جائیں۔

14- قضا کے سلسلے میں فیصلہ کرنا صرف اور صرف خاص مقام (عدالت یا کچہری) میں محدود نہیں ہے بلکہ قاضی جہاں بھی مقیم یا مکین ہوگا وہ ہر آن اور ہر وقت عہدہ قضا پر متمکن ہوتا ہے اور فیصلہ کرنے کا حق رکھتا ہے اور یہ جرائم کے انسداد میں نہایت اہم کردار بھی ادا کرتا ہے اور مجرم و جرم کی بیخ کنی فوراً کر دی جاتی ہے۔

چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بازاروں میں گشت لگایا کرتے تھے اور اس دوران اگر کوئی مدعی اپنے حق کا دعویٰ کرتا تو آپ قضاء کے تمام لوازمات کو پورا کرتے ہوئے وہیں موقع پر فیصلہ کر دیا کرتے تھے۔

اسی طرح قاضی یحییٰ بھی گلیوں اور بازوں میں گشت کے وقت اگر دو فریق آپ سے فیصلہ کرانے کے لیے آجاتے تو آپ اپنی سواری کو روک کر کھڑے کھڑے فیصلہ کر دیتے کیونکہ اسلامی نظام حکومت میں انصاف رقم خرچ کئے بغیر اور فوری طور پر ملنا ضروری اور لازمی امر ہے۔

قضاۃ کے بارے میں اسلامی تعلیمات یہی ہیں کہ:

1- مقدمات کا فیصلہ تنہائی میں نہ کیا جائے بلکہ کھلے عام عدالت یا عوام کے سامنے کیا

Marfat.com

جائے (سوائے دفاعی معاملات کے)

2- عدالت اپنی عدالت میں دائر مقدمات کی ترتیب کے مطابق فیصلے کرے موخر کو مقدم نہ کرے اور مقدم کو موٴخر نہ کرے (سوائے چند مستثنیات کے۔

3- عدالت میں کوئی قاضی کو سلام نہ کرے اور نہ ہی قاضی کسی کو سلام کرے۔

4- قاضی ہدیئے اور تحفے اور ڈالیاں قبول کرنے سے مکمل طور پر اجتناب کرے ایسا کرنے والی کی حوصلہ شکنی کرے اور سزا بھی دے۔

5- مدعی اور مدعا علیہ ہر دو فریق کو سن کر فیصلہ کرے (لیکن اگر کوئی فریق عدالت میں آنے سے احتراز کرے یا پہلو تہی کرے یا عدالت کی حدود سے باہر جانے کی کوشش وغیرہ کرے تو ان صورتوں میں عدالت کو اپنے اختیارات استعمال کرنے کا اختیار کرے۔

6- ہر فریق مقدمہ سے مکمل طور پر یکساں رویہ اور برتاؤ کرے۔

7- جذباتی ماحول میں حالت اشتہاء (بھوک پیاس غیر موافق موسم) میں اور حالت منصب میں فیصلہ کرنے سے اجتناب کرے۔

بہر حال اسلامی قانون شریف بالکل جامد قانون بھی نہیں ہے (منصوص احکام کے مستثنیات کے ساتھ) جس میں تغیر و تبدل نہ کیا جا سکے۔ بلکہ فیصلے کے وقت قاضی کے فرائض میں عدل و انصاف کی فراہمی کے سلسلے میں فریقین کی مجبوریوں، ضرورتوں اور احوال واقعات کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

(روزنامہ جنگ، لاہور 4 نومبر 1997ء)

♥……♥……♥

Marfat.com

قانون کی حکمرانی اور توہین عدالت

قانون اسلام کے دو اہم بنیادی اصول ہیں جن پر اسلامی نظام عدل کی عمارت قائم ہے اور یہ دو ایسے اصول ہیں جو اسلامی قوانین کو اقوام عالم کے دیگر قوانین سے ممیز و ممتاز کرتے ہیں۔

(1) اسلام میں موروثی بادشاہت نہیں ہے۔

(2) اسلامی قانون کی نظر میں کوئی حکمران قانون سے بالاتر نہیں ہے۔

یہ صرف دو جملے، عبارات اور کلمات ہی نہیں بلکہ اسلامی قانون کے دو اہم بنیادی اصول بھی ہیں۔

اصول اپنے مقام پر اصول ہی رہتے ہیں چاہے ان پر عمل ہو رہا ہو نہ ہو رہا ہو اصولوں پر عمل پیرا نہ ہونے سے اصولوں کی صداقت پر حرف نہیں آتا ان کی حقانیت اور صداقت بہرحال اپنے مقام پر موجود رہتی ہے۔

اسلامی نظام عدل میں کوئی بھی شخص اور فرد انصاف و قانون سے عظیم تر نہیں اس لیے منصف اور قاضی کے اختیارات کا دائر کار مملکت میں بسنے والے تمام طبقات کے افراد اور حکومت کے ذمہ دار افسران سے لے کر ایک عام سرکاری نوکر تک حتیٰ کہ اقتدار پر فائز تمام شخصیات تک محیط ہے چنانچہ اہل قضاۃ کے فرائض میں یہ شامل ہے کہ وہ حکمرانوں کے افعال و اقوام کو شریعت کے معیار کے مطابق جانچیں اور پرکھیں اور ان کی نگرانی کرتے رہیں اور اگر کہیں انحراف کرتا ہوا محسوس کریں تو انہیں فوراً روکیں اس میں یہ امر بھی پوشیدہ ہے روک ٹوک وہی کر سکتا ہے جس کا اپنا عمل بھی قانون کے دائرے میں عمل پذیر ہو گویا اہل قضاۃ کی ذمہ داری دگنی ہو جاتی ہے کہ جہاں وہ دوسروں سے قانون پر عمل پیرائے کے طالب ہیں وہاں ان کا اپنا عمل بھی قانون کے دائرے میں ہونا چاہیے۔

اسلامی قانون کا ایک خاص وصف یہ بھی ہے کہ قانون نافذ کرنے والے ادارے

Marfat.com

بھی غیر قانونی سرگرمیوں اور غیر قانونی اقدامات کو اور خاص طور پر (اللہ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال کرنا اور حلال کردہ اشیاء کو حرام کرنے کے سوا) حکومت کے کسی غیر قانونی اقدام کو اپنے فیصلے کے ذریعے قانونی قرار دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔

کیونکہ قاضی کے لیے بھی اسلامی قوانین کی پیروی کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے قاضی اپنے تمام فیصلوں میں احکام الٰہی وفرامین رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا پابند ہے چنانچہ ایک مشہور فقیہ اسلام کا قول ہے۔

''خدا کے نازل کردہ قوانین کو چھوڑ کر اپنے خود ساختہ حکمرانوں کے تراشے ہوئے قوانین پر عمل کرنا اور ان کے مطابق فیصلے کرنا اور انہیں نافذ کرنا قرآن کریم کی رو سے ان انتہائی معاصی میں سے ہے جو عملاً کفر ہیں۔

''اور جو کوئی اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو یہی لوگ تو کافر ہیں'' (القرآن)

اگرچہ قانون کی حکمرانی (Rule of Law) کو مغربی اصلاح کے نام سے اجاگر کیا جاتا ہے اور اسے پروفیسر البرٹ ڈائسی کی کتاب **Law of the Constitution** کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ اس نے اپنی کتاب میں قانون کی حاکیت کے تین پہلو بیان کئے ہیں۔

(1) کسی بھی فرد کو قانون کی خلاف ورزی کرنے پر عدالت مجاز کے سوا اور کوئی سزا دینے کا مستحق نہیں ہے۔

(2) کوئی فرد خواہ کسی بھی اعلیٰ سے اعلیٰ حیثیت کا حامل ہو قانون سے بالاتر نہیں ہو سکتا۔

(3) فرد کے حقوق کا تحفظ دستاویز قانون سے نہیں بلکہ عدالت کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ لہٰذا عدالت کا فرض ہے کہ وہ ہر قسم کے خوف واثر سے بے نیاز ہو کر قانون کے نفاذ اور عدل کے استقرار کا کام سرانجام دے۔

لیکن حقیقت میں صرف ان تین تعلیمات ہی کو نہیں بلکہ اس سے کہیں زیادہ وسیع تر مفہوم میں تعلیمات اسلامیہ اور اسلام کے قائم کردہ عدالتی طریق کار اور معاشرے کے اسالیب میں قولاً ہی نہیں عملاً بھی مثالیں نظر آتی ہیں۔

اسلامی نظام عدل میں ایک جلیل القدر حکمران اور ایک معمولی فرد عدالت میں

Marfat.com

برابری کا حق رکھتے ہیں۔

انسانیت کو نئی روشن چمکتی دمکتی راہوں پر گامزن کرنے والی عظیم شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان رہتی دنیا تک قانون کی حکمرانی کے علم کو بلند کرنے کا پیغام دیتا رہے گا کہ "میری بیٹی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بھی اگر چوری کرے گی تو اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیا جائے گا۔"

گویا انصاف کی راہ میں رکاوٹ بننے والی شخصیات کی عظمتیں اپنی جگہ پر بجا ان کی رفعتوں کا اقرار ایمان کا حصہ لیکن عدل کے مقابلہ میں ترجیح شخصیات کو نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات کو دی جاتی ہے۔ اسلام میں جس قدر اہمیت عدل اور انصاف کو دی جاتی ہے اسی کے مطابق انصاف مہیا کرنے والی شخصیات کی عزت اور تکریم کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے اس امر کی غمازی مروجہ قوانین میں بھی موجود ہے۔

چنانچہ آئین پاکستان کے آرٹیکل 2004 میں توہین عدالت کو باقاعدہ قابل سزا جرم قرار دیا گیا ہے اور اس جرم کی وسعتوں کا احاطہ یوں کیا گیا کہ:

"کسی عدالت کو کسی ایسے شخص کو سزا دینے کا اختیار ہے جو:

(الف) عدالت کی قانونی کارروائی کی کسی طرح مذمت کرے اس میں مداخلت کرے یا مزاحمت کرے یا عدالت کے کسی حکم کی نافرمانی کرے۔

(ب) عدالت کو بدنام کرے یا بصورت دیگر کوئی ایسا فعل کرے جو اس عدالت یا عدالت کے جج کے بارے میں نفرت، تضحیک یا توہین کا باعث ہو۔

(ج) کوئی ایسا فعل کرے جس سے عدالت کے سامنے زیر سماعت کسی معاملے کا فیصلہ کرنے پر مضر اثر پڑنے کا احتمال ہو یا

(د) کوئی ایسا دوسرا فعل کرے جو ازروئے قانون توہین عدالت کا موجب ہو۔

مروجہ قانون میں توہین عدالت قابل سزا جرم ہے کیونکہ اگر قانون نافذ کرنے والے کا احترام لازم نہ کیا جائے اور اس کے احکام کی پیروی نہ کی جائے، اس کو لازم قرار نہ دینا جائے تو قانون کا احترام ختم ہو جائے گا۔ واضح بات ہے کہ قاضی ہر دو فریق میں سے کسی ایک فریق کے حق میں فیصلہ صادر کرے گا اور جس فریق کے حق میں فیصلہ صادر نہ ہو گا وہ ناانصافی کے نام پر فیصلہ کرنے والی شخصیت کو بدنام کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس پر مختلف قسم

Marfat.com

کی تہمتیں لگائے گا اور اس کو ایک نا قابل انصاف شخصیت قرار دے گا۔ اس کے مقام و مرتبہ کو مجروح کرے گا جس کے نتیجہ میں نقصان اس شخصیت سے زیادہ نظام عدل و انصاف کو پہنچے گا اس لیے قانون نے اس کی تلافی توہین کا قانون بنا کر کی ہے۔

فیصلہ سے اختلاف تو کیا جا سکتا ہے لیکن فیصلہ کرنے والی کی اہانت کرنا یہ دو مختلف چیزیں ہیں چنانچہ فیصلہ سے اختلاف کی بنا پر ہی تو اعلیٰ عدالت میں ادنیٰ عدالت کے خلاف اپیل دائر کی جاتی ہے اور خود فیصلہ کرنے والے بینچ کے ارکان فیصلہ کرنے میں مختلف آراء کا اظہار ''اختلافی نوٹ'' کی شکل میں کرتے ہیں لیکن فیصلہ سے اختلاف کرنا اور چیز ہے اور فیصلہ کی توہین کرنا مختلف چیز ہے۔

مختلف عدالتوں نے اپنے اپنے نقطہ ہائے نظر کے مطابق توہین عدالت کی تعریف کرتے ہوئے کہا

توہین عدالت سے مراد کوئی ایسا عمل یا شائع شدہ تحریر ہے جس سے کسی عدالت یا جج کی بحیثیت جج توہین کا پہلو نکلتا ہو یا اس کی وقعت کم ہوتی ہو یا دوران انصاف رسانی یا جائز کارروائی عدالت میں مزاحمت یا مداخلت کا باعث ہو تو وہ عمل یا تحریر باعث توہین عدالت ہے۔(1935 A 11. 117)

زاہد حسین انجم لکھتے ہیں۔

اصطلاح عدالت کی تعریف، قانون توہین عدالت بابت 1926 میں نہیں کی گئی لیکن قانون مذکور میں بہر کیف عدالت یا جج کے الفاظ موجود ہوں۔

دفعہ 2 مجموعہ تعزیزات 1860ء میں جج کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ جج وہ شخص ہے جس کو قانون نے عدالتی فرائض تفویض کیے ہوں (1954 NA 6, 71)

یہ ضروری نہیں کہ جج واقعی طور پر کرسی اجلاس پر موجود ہو (1952. CAL, 258)

عدالت عالیہ کو ان جرائم میں سزا دینے کا اختیار حاصل ہے جو عدالت کے باہر وقوع میں آتے ہوں جیسے کارروائی کے متعلق جو عدالت عالیہ کی زیر سماعت ہوں اخبارات میں تنقید کرنا (1945. LAH, 206)

توہین عدالت نہ تو ایسا جرم ہے جو دفعہ 5 تعزیرات کی تعریف میں آتا ہے اور نہ ضابطہ فوجداری میں ان کی تفتیش و تحقیق کا کوئی طریقہ مقرر بیان کیا گیا ہے جو اس کارروائی سے

Marfat.com

متعلق ہو جو مرتکب کے معاملے میں ہائیکورٹ میں کی جاتی ہے۔(1954 A11, 502)
ہائیکورٹ کو یہ اختیار (بھی حاصل) ہے کہ اپنی ماتحت عدالتوں میں سرزد شدہ توہین عدالت کے جرم کی سزا دے(1935. A11 117)
عدالت ماتحت کو توہین عدالت کی کارروائی کرنے کا اختیار نہیں اگر جرم کا ارتکاب اس کے روبرو نہ ہوا ہو(1943 NAG 324)
فریقین کے کردار پہ اخباری تنقید بمنزلہ توہین عدالت ہے(368 چانسری 1930)
کسی گواہ یا اجنبی شخص کی عدالت سے پرائیویٹ مراسلت کرنا کسی زیر سماعت مقدمہ میں اثر ڈالنے کے مترادف ہے اس لیے توہین عدالت فاش میں داخل ہے(1948 O.114)
کسی ایک فریق کے عرضی دعویٰ یا جواب دعویٰ کی اشاعت جو کسی مقدمہ میں داخل کی گئی ہو توہین عدالت ہے۔ اٹارنی جنرل پاکستان بنام عبدالحمید وغیرہ(PLD 1963, 170)
اخبارات پر یہ خصوصی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس امر کی پوری احتیاط کریں کہ اخبار کے کالموں میں کوئی ایسا حوالہ تو موجود نہیں ہے جو زیر سماعت مقدمہ سے متعلق ہو خواہ وہ (دیوانی ہو یا فوجداری) جس سے کسی گواہ یا عدالتی عہدیدار یا جیوری کے ذہن کے متاثر ہونے امکان ہو ورنہ ان پر توہین عدالت کی مواخذہ داری ہوگی (1946 AII 298) عدالت کو یہ احتیاط حاصل ہے کہ ایسے اشخاص کو جو عدالت کی توہین کے مرتکب ہوں یا اس کے جاری کردہ احکام یا قواعد کی خلاف ورزی کریں یا ہنگامہ آرائی کریں انہیں اس کی پاداش میں قید یا جرمانے یا دونوں سزائیں دیں، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اسٹیٹ بنام سرایڈورڈ سینیلسن (PLD 1961 LA 478) سرایڈورڈ سینیلسن بنام جج صاحبان عدالت عالیہ مغربی پاکستان (PLD 1961 SC 437) بحوالہ قانونی لغت از جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن۔

ہر معاشرہ میں مختلف اذہان و افکار کے حامل افراد موجود ہوتے ہیں کچھ ایسی عمدہ صفات سے متصف ہوتے ہیں جو چاہتے ہیں کہ معاشرہ میں عدل و انصاف کا بول بالا ہو، قانون کی حکمرانی ہو، کوئی شخص مواخذہ سے بالاتر نہ ہو اور ہر ایک اپنے اپنے دائرے میں رہتے ہوئے اپنے فرائض سرانجام دے جبکہ دوسری طرف ان خیالات کے حامل افراد بھی موجود ہوتے ہیں جو اپنے مفادات کی تکمیل میں انصاف کی راہ میں مسلسل رکاوٹیں پیدا کرنے میں مصروف عمل رہتے ہیں۔ عدل کے ایوانوں میں دربدر کی ٹھوکریں کھانے والوں کو انصاف

Marfat.com

سے مایوس کرنے میں کوشاں رہتے ہیں۔ انصاف کے حصول کی امیدوں کو نا امیدی میں بدلنے کی کوششوں میں برسر پیکار رہتے ہیں۔ انصاف کو ماحول و زر کی ترازو میں تولنے کی ترغیب دیتے ہیں اور مختلف قسم کے لایعنی سوالات قائم کر کے ذہنوں کو پراگندہ کرتے رہتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ قاضی کو یہ اختیار کس قانون نے دیا ہے کہ اگر اسے کسی فریق مقدمہ سے ذاتی طور پر عناد پیدا ہو جائے تو اس کے خلاف دائر ہونے والے مقدمات کی حوصلہ افزائی میں خود بھی ایک فریق بنا ہوا نظر آنے لگے؟ کبھی کہتے ہیں کہ عدالت کی کرسی پر متمکن شخصیت کو یہ حق کس طرح حاصل ہو گیا کہ عداوت اور اپنی رنجش کی آڑ میں توہین عدالت کے جرم میں گرفتار کئے جانے کے بعد بھی کچھ قواعد وضوابط ہیں یا صرف اور صرف قاضی کی مرضی اور منشاء ہی قانون ہے؟ کبھی کہتے ہیں کہ توہین عدالت کے کیسوں میں سب کو ایک ہی نگاہ سے دیکھنا چاہئے یہ کس قسم کا انصاف ہے کہ اگر کوئی عدالتوں کو ''کنگرو کورٹس'' قرار دے یا عدالت کے فیصلوں کو ''چمک'' کا نتیجہ قرار دے تو توہین عدالت نہیں؟ اور اس کے خلاف کسی قسم کی کارروائی قابل سماعت قرار نہ پائے اور اس کے گھناؤنے الزامات پر چشم پوشی کا رویہ اپنایا جائے لیکن اس کے برعکس اگر آئین میں پائے جانے والے ابہام کی بنا پر قانونی مشیروں کی رائے پر عمل کرنے کی وجہ سے فیصلہ کرنے میں تاخیر ہو جائے تو توہین عدالت قرار پائے؟ کبھی کہتے ہیں کہ قانون سازی میں مقننہ کو پابند کرنا جمہوریت کے روح کے منافی ہے، کبھی کہتے ہیں کہ ایک یا چند اشخاص کی رائے کو کس طرح یہ اختیار دیا جا سکتا ہے کہ وہ قوم کے منتخب افراد کی دو تہائی آراء کو معطل کر دے؟ کبھی کہتے ہیں کہ آئین کے مطابق کسی قاضی کو انتظامی معاملات میں تو کچھ فوقیت حاصل ہوتی ہے لیکن فیصلہ کرتے وقت اس کے فیصلہ اور رائے کی حیثیت اتنی ہی ہوتی ہے جس قدر اس بنچ کے دیگر فاضل ارکان کے فیصلوں کی ہوتی ہے کبھی کہتے ہیں کہ اکثریتی فیصلے میں کثرت رائے کو دیکھا جاتا ہے رائے قائم کرنے والی شخصیات کو نہیں، کبھی کہتے ہیں کہ انصاف کرنے والوں کے بارے میں خطاء کے تصور کو رد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ کائنات میں صرف خالق کائنات اور رہبر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مقام و مرتبہ اور عظمت حاصل ہے جن کے بارے میں غلطی کا گمان کرنا بھی کفر اور گناہ ہے جبکہ خطاء کے پتلے انسان کے بارے میں غلطی کے امکانات موجود ہیں اس لیے قاضی کے فیصلوں میں بھی اصلاح کے امکانات ختم نہیں ہو جاتے؟ کبھی کہتے ہیں کہ انصاف کرنے والے بھی تو اسی معاشرے کے ایک فرد ہوتے

Marfat.com

ہیں اس لیے وہ معاشرتی برائیوں سے مکمل طور پر مبراء کیونکر قرار دیئے جاسکتے ہیں؟ کبھی کہتے ہیں کہ کیا توہین عدالت کرنے والوں کے خلاف انصاف کرنے والوں کے احساسات و جذبات حقوق انسانی کے نام نہاد مجرموں کے خلاف اسی طرح ہوتے ہیں جس طرح توہین خداوندی وتوہین رسالت کرنے والوں کے خلاف ہوتے ہیں؟ غرضیکہ جس قدر منہ اتنی باتیں ہوتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

چنانچہ اس قسم کے بے سروپا خیالات وتصورات کے پیدا کئے جانے کی کوششوں کے خلاف فرمان خداوندی ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ

''اے ایمان والو! بدگمانیوں کی کثرت سے بچو! بے شک بعض بدگمانیاں گناہ ہوتی ہیں''

(کیونکہ ہر گمان صحیح نہیں ہوتا)

صدر الفاضل نعیم الدین مراد آبادی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ مومن صالح کے ساتھ برا گمان ممنوع ہے اور آپ لکھتے ہیں کہ گمان کی کئی قسمیں ہیں۔

1- واجب:......اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان رکھنا واجب ہے۔

2- مستحب:......مومن صالح کے ساتھ نیک گمان رکھنا مستحب ہے۔

3- حرام:......اللہ عزوجل کے ساتھ برا گمان کرنا حرام ہے۔

4- ممنوع:......مومن کے ساتھ برا گمان کرنا ممنوع ہے۔

5- جائز:...... فاسق کے ساتھ ایسا گمان کرنا جیسے افعال اس سے ظہور میں آتے ہو تو جائز ہے۔

کیونکہ اسلامی فقہی تعلیمات کے مطابق قاضی تقویٰ اور پرہیز گاری کا حامل اور احکام شرعیہ کا عالم ہوتا ہےاس لیے اس کے بارے میں بدگمانی کرنا ممنوعات میں شامل ہے۔

نیز آئین کے آرٹیکل 204 ''توہین عدالت'' کی تشریح کرتے ہوئے زاہد حسین انجم لکھتے ہیں۔

''کوئی ایسا اقدام کرنا جس سے عدالت یا جج سکینڈل کی زد میں آتے ہوں یا اس سے کسی جج یا عدالت کی تضحیک ہوتی ہو وہ بھی توہین عدالت کے زمرے میں آتی ہے۔ توہین عدالت کی کارروائی کا مقصد جج کی بجائے عدالت کی عزت کی بحالی ہوتا ہے۔

Marfat.com

چنانچہ سر ایڈورڈ سنیل سن کے مشور زمانہ کیس میں ویسٹ پاکستان ہائیکورٹ میں کہا گیا تھا کہ صرف جج پر تنقید سے توہین عدالت کی کارروائی شروع کرنا ضروری نہیں ہے لیکن جہاں پر کسی کی مداخلت سے عدلیہ پر عوام کا اعتماد مجروح ہوتا ہو تو ایسی صورت میں توہین عدالت کی کارروائی ضروری ہو جاتی ہے۔

آئین کے آرٹیکل 68 مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کو اس بات کا حق نہیں دیتی کہ وہ عدالت عالیہ یا عدالت عظمیٰ کے کسی جج کے کردار اور رویئے کے بارے میں بحث کرے کیونکہ اس طرح کرنے سے عدالتوں کو وقار مجروح ہوتا ہے۔

توہین عدالت ایکٹ 1976 کے تحت وزیراعظم کے خلاف بھی توہین عدالت کے الزام میں کارروائی ہوسکتی ہے اور وہ بھی عدالت کے بارے میں کسی قسم کے برے ریمارکس نہیں دے سکتے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی جج کسی کی طرف سے توہین عدالت کئے جانے کا نوٹس نہ لے تو ایسا فاضل جج خود بھی توہین عدالت کا مرتکب ہوسکتا ہے اور اُس کے خلاف کارروائی ہوسکتی ہے۔

البتہ 1976ء کے قانون میں پہلی بار بعض صورتوں کو توہین عدالت کے زمرے سے خارج کیا گیا جن میں بعض کی مثالیں درج ذیل ہیں۔

(الف) عدالتی کارروائی کے متعلق مفاد عامہ میں جائز تبصرہ جو شائستہ زبان میں کیا گیا ہو لیکن یہ تبصرہ حتمی فیصلے سے پہلے نہیں کیا جائے گا۔

(ب) اگر عدالت نے کارروائی کو شائع کرنے کی پابندی عائد نہ کی ہو تو پھر حتی المقدور صحیح طور پر عدالتی کارروائی شائع کی جاسکتی ہے اگر کسی کے علم میں نہ ہو کہ عدالت میں کارروائی جاری ہے تو پھر ایسا مواد شائع کرنا جو توہین عدالت کی تعریف میں اس لیے آتا ہو کہ زیر سماعت مقدمہ پر تبصرہ کی وجہ سے قابل گرفت ہوسکتا ہے شائع کرنے والا محض قابل مواخذہ نہ ہوگا۔

(ج) نیک نیتی سے اور شائستہ الفاظ میں سچی بات کرنا تاکہ الزام علیہ کے خلاف کارروائی کا آغاز ہو سکے توہین عدالت کے تحت قابل مواخذہ نہ ہوگا (حق کی تلاش میں علمی و تحقیقی انداز سے سوالات قائم کر کے ان کے صحیح جوابات تلاش کرنے کی جستجو کرنا توہین عدالت نہیں بلکہ عدالت کی عظمت وصداقت کو اجاگر

Marfat.com

کرنا مقصود ہوتا ہے اور وکلاء حق کی تلاش ہی میں سوالات قائم کرتے ہیں تاکہ انصاف کے حصول میں یہ سوالات ممد و معاون ثابت ہوں)

(روزنامہ جنگ، لاہور 9 نومبر 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

تعاون کا فرمان کس کے لیے......؟

معاشرے کو مضبوط اور درست بنیادوں پر استوار کرنے والے شعبہ جات میں سے کسی بھی شعبہ پر نگاہ ڈالی جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ظاہری طور پر تو ترقی کی جانب گامزن نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں پستی کی جانب بڑھ رہا ہے ظاہری چمک دمک نے خوشنما پردوں کے پیچھے اخلاقیات وروحانیات کی تڑپتی اور کراہتی ہوئی لاشوں کو چھپا کر رکھ دیا ہے اچھلتے کودتے رقص کرتے ہوئے سازو سنگ کے شوروشغب نے ذبح ہوتی ہوئی انسانیت کی جان سوز آہوں کو پست کر کے رکھ دیا ہے دوسروں کا تذکرہ ہی کیا اب تو مذہبی میدان میں بھی ایسی ہی صورتحال نظر آتی ہے وہ افراد، شخصیات اور جماعتیں جو مذہبی سیاست میں پوری طرح ملوث ہو چکی ہیں اور انکی پالیسیوں کے اندازوفکر میں بھی مروجہ سیاست کی جلوہ آرائیاں نظر آنے لگی ہیں تو ان کی ہر پالیسی اور قدم کو سودوزیاں کے دنیاوی پلڑوں میں تولا جانے لگا ہے حکومت پر تنقید کا حق بجا جس سے انکار ممکن نہیں لیکن اگر حکومت سے آبرومندانہ طریقہ سے تعاون کر کے برائیوں، فحاشیوں اور ظلمتوں کے سیلاب رواں کے خلاف بند باندھا جا سکے تو اس میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ ”خطرہ“ کہ اس ”عمل صالح“ کا فائدہ تو کسی نہ کسی انداز سے حکومت کو پہنچے گا اور حکومت کو فائدہ پہنچ جائے تو یہ ہمارے قائم کردہ ”مذعومہ پالیسیوں“ کے خلاف ہوگا چنانچہ ہمیں یہ امر اذیت نہیں پہنچا تا کہ ہمارے اس طریق کار اور عمل سے پاکستان یا اہل پاکستان یا اسلام کی تعلیمات کو کس قدر نقصان پہنچ رہا ہے اگر فکر ہے تو یہ کہ اقتدار کی الگ الگ راہوں کے مسافر کسی صاف شفاف پانی کے چشمے پر اکٹھے نہ ہو جائیں نیک ہی ہوتا ہے چاہے وہ کسی ایک صادر ہو جائے لیکن ہماری سوچ تو یہ بن چکی ہے کہ چونکہ وہ نیک عمل ہمارے ہاتھوں وقوع پذیر نہیں ہوا ہے اس لئے وہ قابل قبول نہیں ہوسکتا۔

دوسری طرف اقتدار پر متمکن حضرات اقتدار کے نشے میں اس حد تک مستغرق ہو جاتے ہیں کہ اگر کوئی نیک مقاصد میں تعاون کرنا چاہئے تو اسے تعاون کرنے والے کی

Marfat.com

کمزوری تصور کیا جاتا ہے یا تعاون کرنے والے کو شکوک و شبہات کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے یا تعاون پیش کرنے والے کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے اور اگر اقتدار متمکن شخص ایسا سوچتا تو اس مقتدر کے اردگرد احاطہ کئے ہوئے افراد اس کے کانوں میں تعاون پیش کرنے والی شخصیت کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے رہتے ہیں اور اس تعاون کی مخلصانہ پیش کش کو بھی ''سیاسی چال'' کا نام دے کر دور رکھنے کی ہمہ تن کوششیں کی جاتی ہیں جس کے نتیجے میں تعاون کرنے والے مایوس ہو جاتے ہیں یا مخلصانہ تعاون کے جذبات ماند پڑ جاتے ہیں اور ہر دو صورتوں میں نقصان ملک و ملت ہی کو پہنچتا ہے۔

فرمان خداوندی تو ہمیں ہدایت کی راہ دکھا رہا ہے اس کا فرمان تو حکمران اور غیر حکمران سب کو شامل ہے اس کی ہدایت کا پیغام تو سب کو حاوی ہے اگرچہ اس میں اصحاب علم اور غیر علم کی تفریق نہیں ہے لیکن اصحاب علم اپنے علم کی تاجداری کے اعتبار سے اور اصحاب اقتدار اپنی قوت نافذہ کے اعتبار سے سب سے زیادہ اس فرمان خداوندی پر عمل پیرا ہونے کے لحاظ سے مخاطب ہیں۔

ارشادی خداوندی ہے۔

''اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے سے تعاون (مدد) کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔''

علاقائی ثقافت کے نام پر جس ڈھٹائی کے ساتھ فحاشی، عریانی اور گناہوں سے آلودہ زندگی گزارنے کو فروغ دیا جا رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو وارد کرنے کے لیے کافی نہیں ہے؟ ہم نے زمانے کی ترقی کو ثقافتی سرگرمیوں میں محدود کر کے رکھ دیا ہے اور ہمیں یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ اگر تم ترقی کرنے کے خواہش مند ہو تو اس کا راستہ صرف یہ ہے کہ جس طرح شراب و کباب کی محفلیں ''مغرب'' میں بپا ہوتی ہیں تمہارے ہاں بھی بپا ہونی چاہئیں جس طرح وہاں ''نظر نوازی'' کے لیے عریاں لباس کی نمائش کی جاتی ہے اس کے ''نمونے'' تمہارے ہاں بھی نظر آنے چاہئیں وگرنہ تم حالات کے سیلاب رواں کو کس طرح روک لو گے؟ زمانہ اس طرح ترقی کرتا چلا جائے گا اور زمانہ کا ساتھ نہ دینے والے پیچھے رہ جائیں گے۔

درحقیقت ''ترقی'' کا تعلق نہ فحاشی سے ہے اور نہ عریانی سے بلکہ سائنس، ٹیکنالوجی، نیوکلیئر پاور اور دیگر علوم میں کمال حاصل کرنے میں ہے۔

Marfat.com

کیا کبھی ''ترقی زدہ'' افراد نے سوچا کہ اگر ''مغرب'' ہمارے ترقی کرنے کا اتنا ہی دلدادہ ہے تو اس نے "F.16" ابھی تک کیوں روک رکھا ہے؟

وہ ہماری نیوکلیئر پاور کے حصول میں رکاوٹیں کیوں پیدا کر رہا ہے؟

وہ اپنی سائنسی ترقی کے ''فارمولے'' ہمیں ''قیمتاً'' کیوں نہیں دے دیتا؟

وہ ٹیکنالوجی میں استعمال ہونے والے ''آلات'' کی فراہمی میں پابندیاں کیوں عائد کرتا ہے؟

کیونکہ وہ بخوبی جانتا ہے کہ اگر وہ اسطرح کی ''تجارت'' کرنے لگے گا تو ترقی کی راہوں کے دروازے یہاں بھی کھل جائیں گے اور وہ ایسی غلطی کبھی نہیں کرے گا البتہ ہم سے ایسی غلطیاں ضرور کرواتا رہے گا جن سے ہم خود ہی اپنے آپ پر ترقی کے دروازے بند کرتے چلے جائیں۔

کیونکہ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس نے ترقی کے لیے اپنے اپنے ممالک میں حالات کو تو ''پر امن'' رکھا جبکہ ترقی پذیر ممالک میں انتشار و فساد کے حالات پیدا کرنے کے لیے وہاں کے تقاضوں کے مطابق فتنہ و فساد کو جاری رکھنے کا سامان مہیا کیا اور اپنی ایجنسیوں کو ایسے حالات پیدا کرنے کی مکمل آزادی دی۔

لیکن صرف یہ کہہ دینے سے کہ حالات درست نہیں ہو جائیں گے ہمارے حالات غیر ملکیوں اور اسلام دشمن طاقتور ''را'' کے ایجنٹوں اور قادیانیوں کی ریشہ دانیوں کے پیدا کردہ ہیں۔

اصل سوال تو یہ ہے کہ کیا اپنے ملک میں قائم مذہبی فرقہ پرست گروہ کے عہدیداران بھی غیر ملکی ہیں؟

ان جماعتوں کی اپنے اپنے مسلک کے نام پر سرپرستی کرنے والے سیاسی و دینی رہنما بھی غیر ملکی ہیں؟

اپنی اپنی کارروائیوں کے بعد حکمرانوں اور اصحاب اقتدار سے سفارش کرنے والے ان کے مسلک کے دینی زعماء اور رہنما بھی غیر ملکی ہیں؟

ان جماعتوں کے قائدین، رہنماؤں اور عہدیداران کو اسلحہ کے پرمٹ بھی کیا غیر ملکی حکومتوں نے دیئے ہیں؟

کاش! دینی و سیاسی علماء کرام اپنے خلاف ہونے والی عالمی سازش کو سمجھ پائیں۔

اور اگر سمجھ چکے ہیں تو ان کے خلاف اپنے حقیقی کردار کے ادا کرنے کے فرض منصبی

Marfat.com

پر عمل پیرا ہو جائیں؟

حکومت کے عہدوں پر براجمان ''حکمران'' فرقہ پرستی کے خلاف ڈھنڈورا تو خوب پیٹتے ہیں اپنے زعم میں فرقہ واریت کے خلاف دہشت گردی کے نام پر قانون سازی بھی خوب کر لیتے ہیں لیکن فرقہ واریت کو جڑ سے ختم کرنے کی ناپائیدار کوششوں میں مصروف رہ کر اپنا اور قوم کا وقت بھی ضائع کرتے ہیں۔

''حکمرانوں'' کے مینڈیٹ کے غبارے سے ہوا کافی نکل چکی ہے باقی ہوا انصاف کرنے والے عوام نکال دیں گے اس لئے حکمرانوں کو اب آسمانوں سے اتر کر زمین پر آ جانا چاہئی اور زمینی حقائق کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

یہ عرف عام کا مسلمہ اصول ہے کہ ہمیشہ ''مریض'' ''شفا'' حاصل کرنے کے لیے ''حکماء'' کے ''مطب'' میں جاتے ہیں اور ''شفا'' حاصل کرنے کے ''اسباب'' تلاش کرتے ہیں۔

اگر صاحبان اقتدار واقعی فرقہ پرستی کے ماحول کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو اس کا مستقل حل یہی ہے کہ وہ تمام اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے تمام سیاسی و دینی رہنماؤں چاہے ان کا تعلق حزب مخالف سے ہو یا حواریانِ اقتدار سے چاہے ان کا تعلق سیاست میں حصہ لینے والے علماء کرام سے یا خاموشی سے دین کی خدمت کرنیوالے مدارس سے ہو ان سب سے بامقصد مذاکرات کرے اور ان کے تعاون سے امت مسلمہ کو اس عذاب سے نجات دلائے۔

خاص طور پر سیاست کے پلیٹ فارم پر کام کرنے والے علماء کرام سے بھی یہ دردمندانہ گزارش ہے کہ حکومت سے اختلاف اپنی جگہ بجا لیکن امت مسلمہ کو اس عذاب سے نجات دلانے کی ذمہ داریوں سے وہ بھی مبرا قرار نہیں دیئے جا سکتے اس لئے اگر حکومت سے تعاون کرنے کی ضرورت پیش آئے تو وہ اپنی سیاسی ترجیحات سے درگزر کرتے ہوئے صرف اور صرف پاکستان، اہل پاکستان اور اسلام کی خدمت کے جذبہ سے معمور ہو کر تعاون کرنے سے اعراض نہ فرمائیں۔

وگرنہ فرمان خداوندی تو ہمیں دعوت فکر دے رہا ہے۔

''بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے''

(روزنامہ جنگ لاہور 15 نومبر 1997ء)

♥ ...... ♥ ...... ♥

Marfat.com

وزرائے خارجہ کے ''بوسے''

کسی مہمان کا استقبال کرنا غیر اسلامی ہے؟ نہیں تو!

بلکہ اسلامی روایات تو یہ ہے کہ ''غیر تو غیر'' بلکہ ''اپنا'' بھی کبھی مہمان آئے تو نہایت گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا جانا چاہئے۔

تو کیا کسی ملک کے وزیر خارجہ کا استعمال کرنا غیر اسلامی ہے۔؟

یہ بھی نہیں!

تو پھر کسی غیر مسلم وزیر خارجہ کا استقبال کرنا قابل اعتراض ہے۔؟

ناں! ناں! ایسا بھی نہیں ہے۔

تو کسی ''آقا'' کے وزیر خارجہ کو خوش آمدید کہنا؟

''یہ بھی نہیں! بلکہ ''غلام'' میں کیا جرات ہے کہ وہ اپنے ''آقا'' کو وزیر کی آمد پر ''رقصاں'' نہ ہو تو پھر کسی غیر محرم کا استقبال کرنا غیر اسلامی ہے؟

اسلامی تعلیمات کے مطابق ہو تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں!

پریشانی نہیں! بلکہ زمانہ کی ترقی کے دعویداروں کی ''ست روی'' پر ہے چند دن پہلے اپنے ''قدیم آقا'' کی ''ملکہ'' تشریف لائی تھیں تو استقبال کرنے والوں نے صرف ہاتھوں کے ''لمس'' پر اکتفا کرتے ہوئے ''ہاتھ'' ملائے تھے اب ''جدید آقا'' کی وزیر خارجہ تشریف لائی ہیں تو ہماری ''اسلامی مملکت'' کے وزیر خارجہ صرف ''بوسوں'' پر اکتفا کیا بلکہ ''جدید'' اور ''قدیم'' میں تھوڑا سا فرق تو رکھنا چاہئے تھا۔؟ کیا مطلب..........

گھبرانے کی کوئی بات نہیں! چند ماہ بعد ''جدید آقا'' خود تشریف لا رہے ہیں ہو سکتا ہے کہ ان کے ہمراہ ''فرسٹ لیڈی'' یعنی ملکہ عالیہ بھی تشریف لائیں تو ہمارے استقبال کرنے والے سرِ عام ''معانقہ'' کر کے اس ''کوتاہی'' اور ''توہین استقبالیہ'' کے جرم کی تلافی کر دیں گے۔

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

Marfat.com

ویسے بھی جب دل صاف ہوں تو ''مصافحہ'' اور ''معانقہ'' میں برائی کیا ہے؟ اور خاص طور پر ''غلاموں'' کے ''وہم وگمان'' میں بھی اپنے ''آقا'' کی ''ملکہ معظمہ'' کے بارے میں ''گناہ'' کا تصور بھی پیدا نہیں ہوسکتا۔

یہ دیندار لوگ خواہ مخواہ ہر وقت اسلام! اسلام! اسلام! کی تعلیمات کی رٹ لگائے رکھتے ہیں نہ یہ دیکھتے ہیں کہ زمانہ کہاں تک ترقی کر گیا نہ یہ دیکھتے ہیں کہ مغربی معاشرہ میں یہ چیزیں برائی میں شمار نہیں ہوتی ہیں نہ یہ ''آقا'' اور ''غلام'' کے ''پاکیزہ جذبات'' اور ''ضروریات'' کا لحاظ رکھتے ہیں۔

آخر عرب ''روایات'' تو یہ بھی ہیں کہ جب وہ آپس میں ملتے ہیں تو اپنی عقیدت، محبت، وارفتگی اور وابستگی کا اظہار ملاقات کے وقت ''بوسے'' لے کر کرتے ہیں کیا آپ نے ٹی وی کی خبروں میں نہیں دیکھا کہ جب کوئی عرب بادشاہ یا وزیر پاکستان کے دورے پر آتے ہیں تو ایک دوسرے کے ''بوسے'' لے کر اپنی قلبی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں اور اس طرح جب عرب ''مستورات'' آپس میں ملتی ہیں تو وہ بھی آپس میں ملتے ہوئے ''بوسے'' لیتی ہیں آخر اس میں غیر اسلامی بات کہاں سے آ گئی؟

ایک بات تو یہ کہ یہ عربوں کی روایات میں کیا پاکستان ہندوستان افغانستان میں کبھی آپ نے دیکھا کہ ملاقات کے وقت مرد مرد کا بوسہ لے؟ بلکہ اگر بڑی عمر کا شخص چھوٹی عمر کے لڑکے کا بوسہ لے لے تو ''بدکرداری'' اور ''بداخلاقی'' میں شمار ہوتا ہے اور ایسا کرنے والے کے بارے میں بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں اس لئے عربوں کی اس روایت کو فی الحال عربوں تک محدود رکھیں۔

اور دوسری بات یہ کہ عربوں ہی کی یہ روایت ہے کہ ملاقات کے وقت مرد مرد کا بوسہ لیتے ہیں اور عورتیں عورتوں کا بوسہ لیتی ہیں ایسا نہیں ہوتا کہ مرد غیر محرم عورت کا بوسہ لے رہا ہو اور غیر محرم عورت مرد کا بوسہ لے رہی ہو یعنی آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر دونوں کی جنس ایک ہو مرد مرد کی اور عورت عورت کی جنس چونکہ ایک ہوتی ہے اس لئے جنس کی مشارکت کی بنا پر عربوں کے ہاں بھی روا جا درست ہے۔

افسوس آپ بھی کتنے ''احمق'' ہیں ابھی تو آپ نے کہا ہے کہ ''جنس خارجیت'' کو پیش نظر رکھا تھا انہوں نے مرد اور عورت کو مختلف جنسوں کا اعتبار ہی نہیں کیا بلکہ انہوں نے تو ''اسٹیٹس''

Marfat.com

مقام و مرتبہ اور ہم رتبہ ہونے کا اعتبار کیا تھا کہ "وہ" بھی وزیر خارجہ "میں" "بھی" وزیر خارجہ تو دونوں کا تعلق "وزارت خارجہ" کے ساتھ ہے اس لئے "ہم دونوں" کی جنس "جنس خارجیت" ایک ہے تو "استقبالیہ بوسوں" میں کوئی غیر شرعی حرکت واقع نہیں ہو رہی اور اسی "جدید اجتہاد" کے اصول کو مستقبل میں آنے والے "استقبالات" میں بخوبی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہم دنیا کی ترقی میں بہت پیچھے ہیں کیونکہ ہم نے اپنے اوپر "اجتہاد" کے دروازے بند کر رکھیں ہیں کاش کہ ہم اس قسم کے لایعنی "اجتہادات" کی بجائے خالق ارض و سما کے فرمان کو پیش نظر رکھیں تو یقیناً حکمران بھی اور عوام بھی اپنی اپنی مشکلات اور مصائب سے گلو خلاصی پا سکتے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے۔

"(اے میرے حبیب!) آپ مسلمان مردوں کو حکم دیں کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں (یعنی جس چیز کا دیکھنا جائز نہیں اس پر نظر بھی نہ ڈالیں چہ جائیکہ لمس اور بوسے لیں) اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کیلئے بہت ستھرا ہے بے شک اللہ کو ان کے کاموں کی خبر ہے اور مسلمان عورتوں کو حکم دیں کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں (غیر محرموں کو) مگر جتنا خود ہی ظاہر ہے اور دوپٹے اپنے گریبانوں، سروں پر ڈالیں رہیں اور اپنا سنگھار ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ، سسر یا اپنے بیٹے یا شوہروں کے بیٹے یا اپنے بھائی یا اپنے بھتیجے یا اپنے بھانجے یا اپنے دین کی عورتیں یا اپنی کنیزیں جو اپنے ہاتھ کی مالک ہوں یا نوکر بشرطیکہ شہوت والے مرد نہ ہوں یا وہ بچے جنہیں عورتوں کی شرم کی چیزوں کی خبر نہیں اور زمین پر زور سے پاؤں نہ رکھیں کہ جانا جائے ان کا چھپا ہوا سنگھار اور اللہ کی طرف پلٹو توبہ کرو اے مسلمانوں! اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ"

دوسرے مقام پر ارشاد خداوندی ہے۔

"اے نبی! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمان کی عورتوں کو یہ حکم دیں کہ وہ (گھر سے نکلتے وقت) اپنی چادروں کا کچھ حصہ (آنچل، پلو یا گھونگھٹ) اپنے چہرے پر لٹکائے رہیں یہ پردہ ان کی شناخت کیلئے بہت قریب ہے (کہ یہ پاک دامن آزاد عورتیں ہیں آوارہ گرد بانیاں نہیں) سو ان کو ایذا نہ دی جائے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

(روزنامہ جنگ لاہور 21 نومبر 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

توہین، توہین اور توہین

توہین کسی کی بھی ہو" توہین" تو "توہین" ہی ہے البتہ "توہین" کرنے والے اور جس کی توہین کی جارہی ہے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں "احکام" مختلف ہو سکتے ہیں "انصاف" کا تو اپنا طریق کار ہے وہ نہ توہین کرنے والے کے مرتبہ اور مقام کو دیکھتا ہے اور نہ جس کی توہین کی جارہی ہے اس کی بے بسی کا لحاظ کرتا ہے وہ تو صرف یہ دیکھتا ہے کہ کیا اس فعل میں، ارادے میں، نیت میں اور عمل میں "نفس توہین" پائی جارہی ہے یا نہیں؟ اور اگر توہین کا پہلو پایا جارہا ہے تو اس کی سزا اور جزا کا حکم صادر کر دیتا ہے اور اگر توہین کا پہلو نہیں نکلتا تو اس امر کو درگزر کر دیتا ہے۔

ہم اپنے معاشرے میں نگاہ ڈال کر دیکھیں تو بسا اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم تو ہمہ وقت "توہین" کرنے کی چکی میں چکی کے پاٹوں کے ساتھ ساتھ گردش کر رہے ہیں اور ہمیں چہار اطراف توہین کرنے اور توہین سہنے کا چسکا پڑ چکا ہے۔ کیا وطن عزیز پاکستان میں خود "پاکستانی" اپنے وطن کے قیام کے مقاصد کی توہین نہیں کر رہے ہیں؟

جن مقاصد اور آرزؤں کو پیش نظر رکھ کر پاکستان کا قیام وجود میں لایا گیا تھا اور خالق کائنات سے "مملکت" کو وجود میں لاتے ہوئے جو وعدے کئے تھے ان وعدوں کو پس پشت ڈال کر آنکھوں سے اوجھل کر کے ذہن وقلب سے محو کر کے اور "اس" سے کئے ہوئے وعدوں کی خلاف ورزی کر کے "اس ذات مقدسہ" کی توہین کے مرتکب نہیں ہوئے اور ابھی تک نہیں ہو رہے ہے؟

ارض پاک "پاکستان" میں "نظام مصطفیٰ" کے نفاذ سے اعراض کر کے "وجہ کائنات" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے "مقدس مشن" اور "پیغام" کی توہین نہیں کر رہے ہیں؟

قائداعظم کے "اصل پاکستان" کی سرحدوں کو "تہہ و بالا کر کے" ان میں "تغیر و تبدل" کر کے ان "شہداء" کی مقدس روحوں کی قربانیوں کے جذبات کو پامال کرتے ہوئے لاکھوں افراد کی توہین نہیں کی۔؟

پاکستان کے جغرافیہ میں تبدیلی کرنے والوں کو اپنا "قائد" اور رہنما بنا کر ان کے

Marfat.com

حواریوں کو اس سازش کے کرداروں کو ''سر کا تاج'' بنا کر ''تحفظ پاکستان'' میں جان کا نذرانہ پیش کرنے والوں کی ''توہین'' کا ارتکاب نہیں کر رہے؟

پاکستانی معیشت کے رواں دواں پہیئے کو ''جام'' کر کے پاکستان میں بسنے والے ''دانہ گندم'' کے متلاشیان کے معصوم اور بلکتے ہوئے بچوں کی معصومانہ آرزوں کی ''توہین'' کے مرتکب نہیں ہو رہے ہیں؟

فرقہ وارایت کے نام پر ''خانہ خدا'' میں سجدہ ریز افراد کو خون میں لت پت کر کے اس ذات مقدسہ کی جانب سے متبرک اور مقدس قرار دیئے جانے والے مقامات کی توہین نہیں کر رہے؟ مذہبی تشدد کی آڑ میں امن کے داعی مذہب و دین ''اسلام'' کی پرامن تعلیمات کا مذاق اڑاتے ہوئے ''دین حقہ'' کی توہین نہیں کر رہے؟

پاکستان کی ''روح افزا'' ہواؤں میں سانس لینے والے ''افراد'' کو بغیر کسی جرم کے بغیر کسی گناہ کے اور بغیر کسی سب وشتم کے گولیوں کا نشانہ بنا کر ''انسانیت'' کی ''توہین'' کا ارتکاب نہیں کر رہے؟

پاکستانیوں کو ایک نااہل، نامعقول، غیر ذمہ دار اور ناعاقبت اندیش قوم ثابت کر کے پاکستانی تشخص کی توہین کے مرتکب نہیں ہو رہے۔؟

پاکستان میں افراتفری، بے یقینی اور شش و پنج کی کیفیت پیدا کر کے پاکستان کے استحکام کے ''طالبان'' کی آرزوں کی توہین نہیں کر رہے۔

طبقاتی اور مصنوعی شان وشوکت کے متوالوں اور انکی اولاد کیلئے تعلیم کے میدان میں بھی مختلف ''طبقاتی نصابات'' جاری وساری کر کے عملاً ''اصحاب صفہ'' کی عظیم ترین ''درس گاہ'' کی فیض رساں تجلیوں سے اعرض کرتے ہوئے ''مرکز تجلیات'' کی توہین کے مرتکب نہیں ہو رہے۔''

انصاف کو ''سیم وزر'' کے پیانوں میں تول کر ''عدل و انصاف'' کی ''مطہر و مصفیٰ'' روح کی توہین کا ارتکاب نہیں کر رہے۔؟

پاکستان کی ماضی کی درخشاں اور قابل تقلید اخلاقی اقدار کا کیا ہم بہانگ دھل اور اعلانیہ ''مذاق'' اڑا کر ''پاکستانی اقدار'' کی توہین نہیں کر رہے؟ کیا پاکستان کے حکمران بھی اپنے نشریاتی اداروں سے اپنے ڈراموں اور تفریحی پروگراموں میں اسلام کی واضح اور روشن تعلیمات کو طاق نسیاں کے سپرد کرتے ہوئے ایسے ''مقدس رشتوں'' کو جو ''بہن بھائی'' کے بندھنوں میں بندھے ہوئے ہوتے ہیں اس انداز میں پیش نہیں کرتے جن سے بے راہ روی

Marfat.com

اور بدکاری کے دروازے کھولنے کی تعلیم دی جاتی ہو اور اس ''ناپاک تعلیم'' کے ذریعے اسلام کی
پاکیزہ تعلیمات کی توہین کے مرتکب نہیں ہوتے۔؟
''نکاح'' جیسے مقدس رشتہ اور تعلق کو نفسانی خواہشات اور انتقام کی آڑ میں چھپا کر
اور نام نہاد بہن بھائی کے روپ میں پیش کر کے تعلیمات اسلامیہ کی ''توہین'' کے ''نمونے''
پاکستان کے ٹی وی کے پروگراموں میں ''ڈھٹائی'' سے پیش نہیں کرتے۔؟
اپنی تعلیمی و تدریسی کتب سے ''کتاب ہدایت'' کو نکال کر'' صاحب کتاب'' اور
''مرسل کتاب'' کی توہین کے مرتکب نہیں ہو رہے۔؟
ہوسکتا ہے کہ ہم اپنے اپنے بارے میں کی جانے والی ''توہین'' کا انتقام تو لے لیں
لیکن جب رسالت مآب ﷺ کی توہین کرنے والوں سے وہ ''ذات مقدسہ'' بدلہ لینے پر آئے گی تو
نہ توہین کرنے والے بچیں گے نہ توہین کی کارروائیوں میں پیش پیش ہونے والے بچیں گے۔
خالق کائنات کا اپنے'' حبیب ﷺ'' کی توہین کرنے والوں پر جزا اور سزا کا تذکرہ
کرنے کا اندازہ بھی خوب ہے۔
''تباہ ہو جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ ہو ہی گیا اس کا مال اور جو اس
نے کمایا اس کے کچھ کام نہ آیا وہ اور اس کی بیوی دہکتی اور لپیٹ مارتی آگ میں دھنستا چلا جاتا
ہے لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھائے ہوئے''
معاشرہ کس نہج پر چل پڑا ہے کہ اس میں بسنے والوں کو اپنے انتقام کی توہین کرنے
والوں سے جوش و غضب کی توہین کرنے والوں سے اور اقتدار و انتظام کی توہین کرنے والوں
سے بدلہ لینے کی سوجھ رہی ہے جس کے نتیجے میں معاشرہ میں بسنے والے افراد اپنی اپنی توہینوں کا
بدلہ تو لے لیں گے لیکن ملک و وطن کی معیشت کی جو توہین ہو رہی ہے اس کا انتقام کون لے گا؟
حضور اکرم سرور کائنات ﷺ کا ارشاد مبارک ہمیں نئی راہ عطا کر رہا ہے کہ وہ اپنی تباہی و
بربادی کے بارے میں اس فرمان پر بھی غور کرتے رہیں۔
جو شخص یہ کہے کہ ساری دنیا تباہ و برباد ہوگئی (یعنی دوسروں پر اعتراض کر رہا ہے
کہ وہ بگڑ گئے ان کے اندر بے دینی آگئی انکے اندر بے راہ روی آگئی وہ بدعنوانیوں کا ارتکاب
کرنے لگے) تو سب سے زیادہ برباد وہ خود شخص ہے۔
(روزنامہ جنگ لاہور 24 نومبر 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

اسلام میں توہین عدالت کا تصور

جب کوئی مولف، مصنف، محقق، مدون، صاحب تحریر اور مقالہ نگار کسی کتاب یا مقالہ وغیرہ کو سپرد قرطاس کرتا ہے تو اس کے پیش نظر ایک خاص موضوع ہوتا ہے جس کے بارے میں وہ چاہتا ہے کہ اس موضوع یا عنوان کے تمام اس کی مکمل تفصیلات ایک ہی مقام پر جمع ہو جائیں تا کہ قاری کو اس موضوع یا عنوان کے تمام محتویات اور اس کی مکمل تفصیلات ایک ہی مقام پر جمع ہو جائیں تا کہ قاری کو اس موضوع اور اس کے متعلقہ مسائل اس کے ماعلیہ اور مالیہ کی تفصیلات سے استفادہ کرنے کا موقع حاصل ہو جائے کبھی صاحب تحریر کے نزدیک تفصیل پیش نظر ہوتی ہے اور کبھی اجمال، کبھی تشریح اور کبھی جامعیت، کبھی توضیح اور کبھی اختصار چنانچہ ان جیسے امور کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ متعلقہ موضوع پر موجود مواد اکٹھا کر کے پیش کرتا ہے اس کے ساتھ ساتھ اپنی رائے، اپنا تجزیہ، اپنا موقف، اپنا تبصرہ اور اپنی نفسیات کو بھی موقع محل کے مطابق پیش کرتا رہتا ہے نیز اس موضوع پر پائے جانے والے مواد اور ذخیرہ کا انتخاب اپنی صوابدید کے مطابق کرتا ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کتاب کا اکثر مواد تو اس کتاب کے نام کی مناسبت سے یا کتاب کے جلی عنوان کے مطابق ہی ہوتا ہے البتہ اس موضوع سے متعلقہ مسائل اور ابحاث کو ذیلی عنوانات، ابواب اور فصول میں ازراہ تذکرہ ذکر کر دیتا ہے اس صورت میں تمام اہم مواد تو یک جا ہو جاتا ہے لیکن کتاب کے جلی عنوان سے مکمل طور پر متعلق نہ ہونے یا نہ سمجھنے کی بنا پر قاری ان عبارات کو سرسری طور پر نگاہ ڈالتا ہوا پڑھتا چلا جاتا ہے کیونکہ اس کی مکمل توجہ جلی عنوانات پر مرتکز ہوتی ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کتاب میں متعلقہ موضوع پر تمام مواد موجود ہوتا ہے جو مختلف مقامات پر منتشر ہوتا ہے اور بعد میں قاری اپنی ضرورت اور درپیش مسئلہ اور احوال کی مناسبت سے اس ذخیرہ کتب سے استفادہ کرتا رہتا ہے چنانچہ اسلام میں توہین عدالت کے

Marfat.com

تصور کے بارے میں بھی اسی طرح کی صورت حال ہے کہ مواد مختلف کتب میں متفرق مقامات پر موجود ہے اور جب نئے حالات پیدا ہوتے ہیں نئے تقاضے متشکل ہو کر سامنے آتے ہوئے نئے نئے سوالات قائم ہوتے ہیں علم کی نئی جہات اور پہلو اجاگر ہوتے ہیں تو ان کے جوابات کی تلاش اور علم کی نئی راہوں سے آگہی کا تجسس کتابوں کے ذیلی عنوانات ہی جلی عنوانات میں تبدیل ہو کر نئی کتب، تصانیف، تالیف اور مقالوں کی تحریر کا سبب اور ذریعہ بن جاتے ہیں۔

اسی طرح کے پس منظر میں اہل علم کے سامنے نئے نئے سوالات پیدا ہوئے کہ کیا اسلام میں توہین عدالت کا وہی تصور موجود ہے جس کا مشاہدہ آئے روز ہم کر رہے ہیں اگر ہے تو اس کے مقتضیات کیا ہیں؟ اس کے ضوابط اور قواعد کیا ہیں؟ توہین عدالت کے اصولوں کی بنیاد کیا ہے؟ اسلام میں توہین عدالت کا تصور کن کن نصوص یا عبارات منصوصہ سے ثابت ہے اگر نص صریح نہیں ہے تو کیا عبارۃ النص یا اشارۃ النص یا دلدلت النص یا اقتضاء النص یا کنایات سے ثابت ہے تو ان کے احکامات کیا ہوں گے۔؟ کیا اسلامی نظام عدل میں کبھی کسی کو توہین عدالت کی بنا پر سزا دی گئی ہے؟ اگر دی گئی ہے تو کن اسباب و جوہات اور علل کی بنا پر؟ اس کا دائرہ کار کیا تھا؟ کیا توہین کا تصور توہین کرنے والے کے عمل و کردار پر مبنی ہوگا یا توہین کا تصور ہوگا جو قاضی کے ذہن وخیال میں پیدا ہوا؟ کیا توہین کے تصور میں اس قدر وسعت پیدا کر دی جائے گی کہ تم نے فلاں موقع پر فلاں تقریر میں جو گفتگو کی اور گفتگو کرنے کے بعد لوگوں کے مرجھائے ہوئے چہروں پر جو تبسم ظاہر ہوا تو کیوں نہ مرجھائے ہوئے چہروں پر تبسم کے اجاگر ہونے پر توہین عدالت کی سزا دی جائے؟ کیا لوگوں کا مسکرانا اور رونا مقرر کے اختیار میں ہوتا ہے یہ بات تو عقل تسلیم کر سکتی ہے کہ اس کا اپنا رونا اور مسکرانا تو اس کے اختیار میں ہوسکتا ہے لیکن کیا دوسرے کے اختیاری رویوں میں بھی کسی اور آدمی کو سزا دی جا سکتی ہے جسے ان کے رویوں پر کوئی اختیار نہیں ہے؟ کیا غیر ارادی اور غیر شعوری طور پر سرزد ہونے والے معمولی معمولی معصومانہ اداؤں پر بھی "توہین عدالت" کا حکم صادر ہوسکتا ہے؟ کسی شخص کے گفتگو کرتے وقت کے الفاظ میں تو کوئی جملہ اور لفظ تو ایسا نہیں ہے جس میں توہین کا پہلو پایا جا رہا ہو یا ان متوہمہ الفاظ کے ادا کرتے ہوئے اس کے وہم وگمان میں توہین کا پہلو نہیں پایا جا رہا تھا تو کیا قاضی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے ذہن کے مطابق اس میں توہین کا پہلو تلاش کر کے حکم صادر کر دے اور قائل کی بات کو حلفاً قبول نہ کرے؟ جبکہ ظاہراً الفاظ بھی ایسے نہ ہوں؟

کیا اسلام نے قاضی کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی ذات یا اپنے ادارے کے تحفظ

Marfat.com

کے نام پر خود ہی مدعی خود ہی گواہ اور خود ہی منصف بن جائے۔ یعنی خود ہی توہین کے وقوع کا دعویٰ کرے خود ہی توہین کا مواد تلاش کرے خود ہی ثبوت مہیا کرے اور خود ہی گواہوں کو تلاش کرے اور خود ہی منصف بن کر اپنے حق میں فیصلہ کر دے کیا اس طریق کار میں خود قاضی پر ہی تہمت لگنے کے اندیشوں کو ختم کیا جاسکتا ہے؟ اس طریق کار میں قاضی کے مقام و مرتبہ کی وہ عصمت پائی جاتی ہے جس عصمت اور پاکدامنی کا اسلام متمنی ہے؟

خالق کائنات اور سرور کائنات علیہ التحیۃ والثناء کی ذات مقدسہ کے علاوہ کیا اسلام نے کسی شخص کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ بیک وقت ایک ہی آن میں ایک ہی محل میں اور ہی جہت میں مدعی بھی ہو اور مدعا علیہ بھی ہو؟ یا یہ دو الگ الگ شخصیات کا متقاضی ہے کیا خلفاء راشدین میں کوئی ایسی مثال موجود ہے کہ کسی معاملہ میں وہ خود ہی مدعی ہوں اور خود ہی مدعا علیہ اور خود ہی منصف بھی ہوں؟

توہین عدالت کا ایک تصور تو وہ ہے جو انگریز آقاؤں کے قانون نے ہمیں دیا ہے جس کی جھلک آئین کے آرٹیکل 204 میں نظر آتی ہے جس میں قاضی کو توہین کے بارے میں تمام امور کو سونپ دیا گیا ہے اور توہین کے بارے میں جس قدر اختیارات دیئے جاسکتے ہیں وہ تمام کے تمام اختیارات دے دیئے گئے ہیں۔

جبکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق توہین کے ارتکاب کے سزا توہین کی گئی ذات کے مقام و مرتبہ کے مطابق ہوتی ہے چنانچہ الٰہی، توہین رسالت، توہین صحابہ کرام، توہین اہل بیت، توہین مقامات مقدسہ، توہین شعائر اسلام، توہین اولیا اکرام وغیرہ کے بارے میں سزا اور جزاء کا تصور مختلف ہے۔

ان میں بعض "توہینات" پر کفر وارتداد کے احکام جاری ہوتے ہوئے حدود کا اجرا ہوتا ہے چنانچہ توہین الٰہی اور توہین رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بلا اختلاف حد کا اجرا ہوتا ہے جبکہ توہین صحابہ کبار، توہین اہل بیت، توہین مقامات مقدسہ و شعائر اسلام پر ضلالت و گمراہی کے احکامات جاری ہوتے ہیں اور ان میں سے توہین اولیاء کرام وغیرہ پر جزا وسزا کے احکام جاری بھی نہیں ہوتے کیونکہ وہ معصوم عن الخطاء نہیں ہیں بلکہ ان کے بارے میں نیک گمان ہونا چاہئے جبکہ اہل تشیع کے نزدیک اہل بیت عظام معصوم عن الخطاء ہیں اس لئے ان کی توہین پر جزا وسزا کے احکامات جاری ہوتے ہیں۔

تو کیا قاضی کا شمار ان افراد میں کیا جاسکتا ہے جو معصوم عن الخطاء ہیں؟ جبکہ ہم

Marfat.com

دیکھتے ہیں کہ غیر اسلام طریق انصاف میں اعلیٰ عدالتیں اپنی ماتحت عدالتوں کے فیصلوں کو رد اور مسترد کرتی رہتی ہیں تو کیا خود بڑی عدالت چھوٹی عدالت کے فیصلے کو مسترد کر کے ''توہین عدالت'' کی مرتکب نہیں ہو رہی؟ اور ایک ہی درجہ کی عدالت کے سنگل بنچ کے فیصلے کو ڈبل بنچ اور ڈویژنل بنچ کے فیصلے کو فل بنچ مسترد کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ فل بنچ کے فاضل اراکین نظر ثانی میں اپنے ہی پہلے والے فیصلے کو رد نہیں کر دیتے بہر حال اس معاملہ میں جتنے چاہیں قانونی جوازات تلاش کر لیں لیکن اسلامی نظام عدل کے مطابق یہ طریق کار درست نہیں ہے۔

کیا اسلام اس امر کی اجازت دیتا ہے کہ ''نفس توہین عدالت'' میں قاضی جس کو چاہے مورد الزام ٹھہرائے اور جس کو چاہے چھوڑ دے؟ اگر کسی نے پہلے توہین عدالت کی تو اس کو چھوڑ دیا جائے اور اس کے کیس کو پہلے نہ سنا جائے اور نہ فیصلہ کیا جائے اور جس نے بعد میں توہین عدالت کی ہے تو اس کو مورد الزام ٹھہرایا جائے؟ کیا اسلامی نظام عدالت کے اعتبار سے یہ امر قاضی کی پسند اور ناپسند سے متعلق ہے؟ یا ''نفس توہین'' عدالت'' میں سب برابر ہیں۔

اگر کوئی کوئی شخص یہ کہے کہ سوال ایک ذات کی توہین کا نہیں بلکہ ایک مستقل ادارے کی توہین کا ہے اس لئے ادارے کی توہین ناقابل برداشت ہے تو کیا یہ حق اسلامی نقطہ نگاہ سے دوسرے اداروں مثلاً مقننہ، انتظامیہ وغیرہ کو بھی دیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی اپنی توہین کرنے والوں کے بارے میں احکامات صادر کرے؟

اسی طرح کے کئی علمی اور الزامی سوالات اہل علم کے ذہنوں میں پیدا ہو رہے ہیں اس لئے اس امر کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ ''اسلام میں توہین عدالت کے تصور'' کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تحقیقی انداز میں پیش کرنے کی جستجو کی جائے کیونکہ ابھی تک اس موضوع پر کوئی مستقل کتاب نگاہ سے نہیں گزری۔

اس تحقیق میں یہ امر بھی پیش نظر رہے اس میں نہ کسی کی حمایت مقصود ہو اور نہ کسی کی تردید بلکہ صرف یہ امر پیش نظر رہے کہ اس بارے میں اسلام کی تعلیمات کے مطابق فیصلہ کرنے کی پابندی ہے۔ جس طرح نہ کوئی قانون اسلام کے خلاف بن سکتا ہے اسی طرح اسلام کی تعلیمات کے خلاف کوئی فیصلہ بھی نہیں کیا جاسکتا جہاں اسلام اور آئین ٹکرائے گا وہاں فیصلہ آئین کے مطابق نہیں بلکہ اسلام کے مطابق عوام فیصلہ قبول کریں گے۔

''توہین عدالت'' کے بارے میں مروجہ آئین کی آرٹیکل 204 کی روشنی میں مغربی نکتہ نظر'' قانون کی حکمرانی اور توہین عدالت'' کے عنوان سے 6,5 اور 9 نومبر کے ''نشان راہ''

Marfat.com

میں پیش کیا جاچکا ہے جبکہ دوسرا نکتہ نظر ''اسلام میں توہین عدالت کا تصور'' عجمیوں اور انگریزوں کے قانون سے ''چرایا'' گیا ہے، ان کے نزدیک یہ انگریز ''آقاؤں'' کی ''یادگاروں'' میں سے ایک ''یادگار'' قانون ہے جو خود ''آزادی رائے'' کے ''متوالوں'' اور ''حقوق انسانیت'' کے ''دعویداروں'' کے ''دعووں'' کی نفی کرتا ہے۔ بہرحال اسلامی ''تاریخ عدل'' اس امر کی رہنمائی کرتی ہے کہ اس کے ہاں ''توہین عدالت'' کا وہ مبہم تصور نہیں ہے جو ''وہ'' پیش کرتے ہیں اور نہ ہی ''مبہم اختیارات'' عدالت کو سونپ دیئے گئے کہ وہ ''موم کی ناک'' کی طرف جس طرف موڑنا چاہئے، موڑ لے۔

یہ امر پیش نظر رہے کہ ''اسلامی نظام عدل'' میں اگر ''توہین عدالت'' کے بارے میں گفتگو کی جاتی ہے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ جو شخص جب چاہے اور جس قدر چاہے۔ اٹھ کر عدالت کی توہین کے درپے ہو جائے اور اس کی اسے کھلی چھٹی دے دی ہے بلکہ توہین کو ''تنقید'' کے پس منظر میں لیا جائے تو بات زیادہ واضح طور پر کھل کر سامنے آئے گی کہ عدالت کا ہر قدم ''تنقید'' سے بالاتر نہیں ہے نہ اس کے ''فیصلے'' اور نہ اس کے ''اقدامات''۔

کیا ''اختلاف رائے'' کو ''توہین'' کا نام دیا جاسکتا ہے؟ یقیناً ایسا نہیں ہے کیونکہ آئین بھی آزادی رائے کی ''آزادی'' دے رہا ہے تو اس آزادی سے ''عدالت'' کو مستثنیٰ قرار دینا خود ''انصاف'' کے تقاضوں کے خلاف ہے۔

خلفاء راشدین کے دور حکومت میں ''خلیفہ وقت'' دو حیثیت کے حامل ہوتے تھے۔ ایک مملکت کے نظم و نسق کے چلانے کے ذمہ دار بھی اور ان معاملات میں جواب دہ بھی اور دوسرے انصاف کے عہدہ پر فائز ہو کر ''انصاف'' پہنچانے کے فرض کو بھی ادا کیا کرتے تھے۔ نیز خلفاء راشدین کے دور حکومت میں اگرچہ ''قاضی القضاۃ'' کا کوئی الگ عہدہ نہیں تھا البتہ عدل و انصاف کے قیام کے لیے قاضیوں کا تقرر کیا جاتا تھا اور قاضیوں کے تقرر سے ''خلیفہ وقت'' کے عہدہ ''قضاۃ'' کی نفی نہیں ہو جاتی تھی بلکہ قاضیوں کے تقرر کے باوجود ''خلیفہ وقت'' کو فیصلہ کرنے کے اختیارات حاصل رہتے تھے۔ یعنی جس وقت وہ کسی امر متنازع میں فیصلہ کر رہے ہوتے تھے وہ ''قاضی القضاۃ'' کے عہدے پر متمکن ہونے کے اعتبار سے ہی فیصلہ صادر کیا کرتے تھے اور فیصلہ صادر کرتے وقت اگر کوئی شخص ''خلیفہ وقت'' یا دوسرے معنوں میں ''قاضی القضاۃ'' کے فیصلے کے خلاف اپنا موقف بیان کرتا تھا تو ''قاضی القضاۃ'' نے اسے

Marfat.com

اپنی ''توہین'' پر محمول نہیں کیا اور تاریخ اس امر کی گواہی دے رہی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے دور خلافت میں اس بارے میں طرز عمل کیا تھا۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''جب کبھی دو فریق اپنا کوئی مقدمہ لے کر امیر المومنین کی عدالت میں آتے تو وہ فوراً متفکرانہ انداز میں سر بہ زانو ہو جاتے اور فرماتے:

''خداوندا! چونکہ فریقین میں ہر ایک کی آرزو یہ ہے کہ میں خالص عادلانہ نقطہ نگاہ سے معاملہ کا فیصلہ کروں اس لئے تو مجھے توفیق بخش کہ میں معیار قضاء پر پورا اتروں''

ابو فراس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایک دل انگیز خطاب کی نشاندہی کی ہے اور اس خطابیہ کے موضوع کے مطابق صرف متعلقہ کلمات کو ذکر کرنے پر اختصار کروں گا چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

''یاد رکھو!

میں نے اپنے عمال حکومت کو اس لئے مملکت اسلام کے طول و عرض میں نہیں روانہ کیا کہ وہ تمہارے چہروں سے ان کی بشاشت اور تمہارے لبوں سے ان کا تبسم چھین لیں اور تم کو تمہاری دولت و ثروت سے محروم کریں۔ ان کے بھیجنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ وہ تمہیں تمہارا دین اور رسول اللہ کی سنتیں اور طرز ہائے فکر و عمل سکھائیں۔ میری حکومت کا کوئی رکن یا افسر اگر اس کے ماسوا عمل کرتا ہے تو رعیت کے ایک فرد کو حق حاصل ہے کہ وہ میرے پاس ایسے افسر کی شکایت لے آئے تا کہ امت کی جانب سے قصاص لوں اور اسے کیفر کردار تک پہنچاؤں''

تقریر فاروقی کے اس مرحلے پر حضر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بڑی برہمی اور شعلہ مزاجی کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا:

''امیر المومنین! یہ تو بڑے غضب کی بات ہوگی کہ اگر کوئی عامل تادیبی کارروائی ضروری سمجھے تو آپ اس سے بھی قصاص لیں''

حضرت امیر المومنین نے جواب دیا

''ہاں بے شک میں اسے سزا دوں گا'' یعنی اپنے افسر کو نہ کہ شکایت کرنے والے کو۔ مجھے تو وہ دور یاد ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اپنی ذات ستودہ صفات سے بھی عدل و انصاف کی خاطر قصاص لے لیا کرتے تھے۔ تم کو اس کی اجازت نہیں کہ تم مسلمانوں کو مار

Marfat.com

کر انہیں رسوا و ذلیل اور کم رتبہ بنا دو۔ تمہیں ان کے حقوق دینے ہوں گے ورنہ وہ مائل بہ کفر ہو جائیں گے، تم انہیں ایسی پستی میں نہیں دھکیل دو گے کہ وہ بالکلیہ برباد و تباہ ہو جائیں۔"

اس واقعہ جلیلہ کے ان الفاظ پر ذرا غور فرمائیں جس کی بنیاد پر کئی علمی سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

"قصاص لوں" اور اسے "کیفر دار تک پہنچاؤں"

"کیا انتظامیہ کے عہدے پر فائز کوئی شخص بذات خود "قصاص" لے سکتا ہے؟

یقیناً ایسا بھی نہیں ہے اور اگر ایسا کرے گا تو وہ اپنے اختیارات سے تجاویز کرتے ہوئے ظلم کا ارتکاب کرے گا وگرنہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ کو یہ اختیار "انتظامی سربراہ" ہونے کے اعتبار سے تھا کہ وہ "قصاص لیں" تو پھر اگر انتظامیہ کے سربراہ "وزیر اعظم" نے جب اپنے موجودہ دور کے آغاز میں "فیصل آباد" میں "افسروں" کو ہتھکڑیاں لگوائی تھیں وہ درست قرار پاتی ہیں اور وزیر اعظم کے اس عمل کو قانون اعتبار سے چیلنج نہیں کیا جانا چاہئے تھا؟ غالباً چیلنج اس بنیاد پر کیا گیا تھا کہ انتظامیہ کے سربراہ کو عدالتی اختیارات حاصل نہیں ہیں، اس لئے انتظامیہ کے سربراہ کو عدالتی اختیارات حاصل نہیں ہیں، اس لئے انتظامیہ کے سربراہ کا یہ عمل عدالتی کارروائی میں دخل اندازی کے مترادف تھا (موجود قانون کے پس منظر میں)

تو یہ امر واضح ہو کر سامنے آیا کہ اس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتظامی سربراہ کے اعتبار سے نہیں بلکہ "قاضی القضاۃ" کے عہدے پر فائز ہونے کے اعتبار سے "قصاص لوں" کے الفاظ ادا فرما رہے تھے۔

اور جب آپ "قاضی القضاۃ" کے عہدے پر فائز تھے تو عدالت کے مقام پر مرتبہ کا تقاضا یہ تھا کہ عدالت کے سامنے خاموشی اختیار کی جاتی لیکن حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا عمل اس کی نفی کر رہا ہے اور روایت کے یہ الفاظ خاص طور پر اس چیز کو واضح کر رہے ہیں کہ اس طرح کا رویہ کہ توہین عدالت قرار نہیں پایا، الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

"امیر المومنین! یہ تو بڑے غضب کی بات ہوگی کہ اگر کوئی عامل تادیبی کارروائی ضروری سمجھے تو آپ اس سے بھی قصاص لیں"

کیا حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جیسی علمی شخصیت نہیں جانتی تھی کہ آپ اس وقت "قاضی القضاۃ" ہونے کے اعتبار سے حکم صادر کر رہے ہیں اور قاضی کے

Marfat.com

سامنے برہمی اور شعلہ مزاجی کا اظہار کرنا ''توہین عدالت'' ہے تو آپ نے اس ''توہین'' کا ارتکاب کیوں کیا؟

اگر واقعی ''توہین'' کا ارتکاب کیا تو ''قاضی القضاۃ'' ہونے کے اعتبار سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی اس توہین کئے جانے پر کیا سزا دی؟

آپ پوری تاریخ اسلام کو اٹھا کر دیکھ لیں، (کم از کم میرے ناقص علم تک) کہیں یہ تفصیل نہیں ملتی کہ آپ نے اپنی توہین کرنے پر سزا دی ہو یا سزا دلوائی ہو۔

اور پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ کیا یہ واقعہ اور گفتگو تنہائی میں ہو رہی ہے؟ یا یہ صحابہ کرامؓ اور دیگر افراد کی موجودگی میں برسر عام۔ واقعہ سیاق و سباق یہی بتا رہا ہے کہ یہ گفتگو تنہائی کی نہیں ہے بلکہ برسر عام بہت سے افراد کے سامنے ہو رہی ہے۔ جب برسر عام اختلاف رائے کرنے یا اعلانیہ تنقید کرنے پر توہین نہیں تو پھر چار دیواری میں کی گئی گفتگو میں کیونکر ہو سکتی ہے؟

''مملکت'' نے قاضی کو اپنی ذات کے بارے میں انصاف کرنے کے لیے مقرر نہیں کیا ہوتا بلکہ اس کا تقرر اس پس منظر میں ہوتا ہے کہ اگر حکومت اور عوام کے کسی فرد کے درمیان ظلم و زیادتی کا بازار گرم ہے یا حکومت کے ادارے کسی معاملے میں اختلاف کر رہے ہیں یا عوام کے افراد آپس میں ایک دوسرے سے ناانصافی کا مظاہرہ کر رہے ہیں تو ان کے درمیان ''انصاف'' کو بروئے کار لاتے ہوئے ''معاملہ'' کو سلجھا دیں۔

فقہ اسلامی کے اعتبار سے قاضی اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

فتاویٰ عالمگیری کتاب ''ادب القاضی'' میں واضح الفاظ میں اس امر کو واضح کیا گیا ہے۔

''شیخ الاسلام ابوالحسن سے دریافت کیا گیا کہ اگر قاضی کی کسی شخص سے خصومت ہے اور اس کے فیصلہ کے واسطے خلیفہ کے سامنے پیش کیا اور اس نے حکم دیا تو جائز ہے؟ انہوں نے (شیخ الاسلام ابوالحسن) فرمایا کہ نہیں کیونکہ اس (خلیفہ) کا حکم قاضی (جو خلیفہ کا نائب ہے) کے حق میں ایسا ہے جیسے اپنے واسطے خود فیصلہ کر کے خود حکم دے رہا ہو''

اس قول سے یہ امر بالکل واضح ہو رہا ہے کہ کسی کا اپنی ذات کے بارے میں فیصلہ کرنا ''انصاف'' نہیں کہلاتا کیونکہ یہ ایک فطری امر ہے کہ صاحب انتقام جب اپنی انتقام کی آگ میں جل رہا ہوتا ہے تو وہ ''انصاف'' کے تقاضوں کی تکمیل سے قاصر رہتا ہے۔ اگر کبھی ایسا ہو جائے کہ قاضی کے خلاف ہی دعویٰ دائر کرنا پڑے تو پھر اسی قاضی کی عدالت میں دعویٰ

Marfat.com

دائر نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کے لیے دوسرے قاضی کی عدالت سے رجوع کیا جائے گا چنانچہ شیخ الاسلام ابوالحسن فرماتے ہیں کہ

"جو ایسی بلا میں مبتلا ہو تو چاہئے کہ سلطان سے درخواست کرے کہ کہ دوسرا قاضی مقرر کردے کہ اس سے اپنے مقدمہ کا فیصلہ کرادے یا کسی حاکم محکم کے پاس پیش کر کے دونوں راضی ہو جائیں، پھر وہ حکم دئے دے تا کہ نافذ ہو جائے۔

"اور بعض نتائج نے اس کو جائز رکھا ہے کہ خلیفہ کے واسطے یا اس کے اوپر فیصلہ کردے"

بعض مشائخ کے قول کی صورت میں بھی خلیفہ فیصلہ کر رہا ہے اور خلیفہ یقیناً قاضی کا غیر ہے عین نہیں۔ تو گویا غیر غیر کے بارے میں فیصلہ کر رہا ہے عین عین کے بارے میں فیصلہ نہیں کر رہا۔

اور نوازل (کتاب) میں بھی اس پر دلالت موجود ہے اور اس میں مذکور ہے۔

کسی نے سلطان پر قاضی کے سامنے نالش کی پھر قاضی مع سلطان کے ایک جگہ بیٹھے اور مدعی زمین پر بیٹھا تو شیخ نے فرمایا کہ چاہئے قاضی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور مدعی کو اپنی جگہ بٹھا دے اور خود زمین پر بیٹھے پھر دونوں میں فیصلہ کر دے اور یہ روایت صحت کو پہنچی کہ زمانہ امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ میں کسی یہودی نے خلیفہ ہارون الرشید پر نالش کی اور قاضی ابو یوسف نے اس کی نالش کی سماعت کی

اور حضات رحمتہ اللہ نے ذکر کیا کہ (خلیفہ وقت) حضرت علی کرم اللہ وجہ نے شریح کو قاضی کیا اور اپنی ایک نالش ان کے ہاں پیش کی۔

مذکورہ واقعات میں اس امر کی توضیح ہو رہی ہے۔ اسلامی نظام عدل میں ایک ہی شخص مدعی اور مدعا علیہ نہیں ہو سکتا اور نہ یہ قاضی کو مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان یکساں سلوک کرنا چاہئے حالانکہ "قاضی" جہاں بھی بیٹھا ہو۔ "قاضی" ہی ہوگا۔

قاضی کی حیثیت سے اس کے فیصلہ کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہو رہا لیکن آداب قضا کا تقاضا ہے کہ مدعی اور مدعا علیہ کو ایک ہی مقام پر بٹھایا جائے۔

پہلے والے واقعہ میں ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ قاضی وہاں خود بیٹھے رہتے اور سلطان سے کہتے کہ جاؤ اور مدعی کے ساتھ جا کر بیٹھ جاؤ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ مدعی کو عزت و

Marfat.com

احترام کا رتبہ دیتے ہوئے سلطان کے مقام پر جا بٹھایا اور مدعی کو وہی احترام و توقیر دی جو سلطان کو دی جاسکتی تھی اور دوسری جانب سلطان نے اپنے خلاف خود فیصلہ نہیں کیا بلکہ قاضی کو فیصلہ کرنے کا اختیار باقی رکھا۔ چونکہ اس معاملہ میں سلطان خود مدعا علیہ بن رہے تھے اس لئے وہ اپنے بارے میں فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔

دوسرے واقعہ میں بھی یہی صورت درپیش ہے کہ قاضی القصناۃ امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ خلیفہ وقت ہارون رشید کو مدعا علیہ قرار دے کر مدعا علیہ کا سارویہ برت رہے ہیں اور قاضی اور خلیفہ دونوں الگ الگ شخصیات ہیں۔ایک ہی شخصیت اپنے بارے میں خود فیصلہ نہیں دے رہی۔

اور تیسرے واقعہ میں خلیفہ وقت حضرت علی کرم اللہ وجہ نے تو اس امر پر مہر ثبت کردی ہے کہ مدعی اپنے بارے میں فیصلے نہیں کرسکتا کیونکہ آپ خلیفہ وقت ہونے کے اعتبار سے ''قاضی القصناۃ'' کے عہدے پر بھی فائز ہیں اور قاضی القصناۃ ہونے کے اعتبار سے آپ کو یہ حق حاصل تھا کہ آپ اس نالش کی خود سماعت کرتے لیکن آپ بخوبی جانتے تھے کہ اس مقدمہ میں آپ اس نالش کیس سماعت کرنے کا حق نہیں رکھتے کیونکہ اتفاق سے خود مدعا علیہ بھی بن رہے ہیں اور مدعا علیہ بھی خود اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں ہے۔اس لئے آپ نے اپنی نالش کی خود سماعت کرنے کی بجائے اپنے غیر (قاضی شریح) کے ہاں نالش دائر کر کے اس امر کو قیامت تک کے لیے واضح کردیا کہ اسلامی نظام عدل میں قاضی القصناۃ بھی اپنے خلاف کسی دعویٰ کی سماعت نہیں کرسکتا اور اگر ایسا ہوگا تو وہ نہ صرف اسلامی تعلیمات کے خلاف ہوگا بلکہ وہ خلفاء راشدین کے طرز عمل کے خلاف بھی ہوگا اور مستقبل کے قاضی خلفاء راشدین کی خاک پا کے برابر بھی نہیں ہوسکتے۔

''نظام عدل'' کی اسلامی روایات اور تعلیمات کے مطابق جب خلفاء راشدین اپنے یا کسی اور کے بارے میں انصاف کے طالب ہوتے تو باوجود ''قاضی القصناۃ'' کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہونے کے خود ''مصنف'' بن کر انصاف کرنے نہیں بیٹھتے تھے بلکہ مملکت اسلامیہ میں مقرر دیگر قاضیوں کے حضور مدعی یا مدعا علیہ بن کر انصاف حاصل کرنے کی عظیم روایات قائم کیا کرتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ لفظ ''میں'' .... اور اس جیسے دوسرے الفاظ ''میرا حکم تھا'' .... ''میں نے حکم دیا تھا'' .... ''میرے خلاف'' .... ''مجھ

Marfat.com

پر''..............''میری ذات'' ہمیں پر وغیرہ وغیرہ..........کا تصور جب ذہن میں آتا ہے تو اس کے مثبت و منفی اثرات کیا کیا مرتب ہوتے ہیں اور یہ ''الفاظ'' افراد سے کیا کچھ نہیں کرواتے وہ ان سے بخوبی واقف تھے۔

پاکستان کے ازلی دشمنوں نے مختلف مواقع پر مختلف اداروں خصوصاً انتہائی معزز اور محترم ادارے ''عدلیہ'' کو جب نشانہ بنایا گیا تو ''چھٹی حس'' کے ''حاملین'' اہل شعور کے ذہنوں میں اسی وقت یہ ''خیال'' سما گیا تھا کہ ہماری بربادیوں کی منصوبہ بندی کی جا چکی ہے اور ''خاکہ'' بن چکا ہے اگر چہ ''خاکہ'' انہوں نے ترتیب دیا تھا لیکن اس ''خاکہ'' میں ''رنگ'' تو ''ہم نے'' ہی بھرنے تھے اور اپنی اپنی طاقت کے مطابق خوب خوب ''رنگ'' بھرے اور اس مرتبہ اس ''خاکہ'' میں لفظ ''میں'' کو اس خوبصورتی سے سجایا گیا کہ ہر ایک ''میں'' ''میں'' ''میں'' ہی کے اندر غوطہ زن ہو کر اپنی اپنی کارروائیاں کرتا چلا گیا۔

صدارتی ایوانوں سے لفظ ''میں'' کی بازگشت نے اپنا رنگ جمایا۔ وزیر اعظم کے ایوانوں سے لفظ ''میں'' کی طاقت نے اپنی جلوہ آرائیوں کا مظاہرہ کیا۔ پارلیمینٹ یا مقننہ نے لفظ ''ہم'' کی عظمتوں کا اپنا سکہ بٹھایا اور عدلیہ کے ایوانوں سے لفظ ''میں اور ہم'' کی ہم آہنگی اور نا آہنگی ''توہین عدالت'' کی صورت میں اجاگر ہوئی۔

اسی لفظ ''میں'' کی تباہ کاریوں کے پیش نظر فقہ اسلامی میں توہین عدالت کا وہ تصور نہیں ہے جو موجود عدالتوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ جناب ڈاکٹر سید ریاض الحسن گیلانی سابق ڈپٹی اٹارنی جنرل لکھتے ہیں: ''حضرت عثمان امیر المومنین تھے اور قضاء کے اختیارات بھی رکھتے تھے کچھ بلوائی آپؓ پر سر عام خود ساختہ الزام لگاتے تھے اور آپؓ کے خلاف جلسے اور جلوس نکالتے تھے افریقہ سے لے افغانستان تک آپؓ کی حکمرانی تھی اور صحابہ کرام عرض کرتے تھے کہ ہم بلوائیوں کو پکڑ کر بدر واحد نقشہ برپا کر سکتے ہیں لیکن آپ نے اس کی اجازت نہ دی اور نہ کسی بلوائی کو قید کیا آپ نے فرمایا کہ جو لوگ مجھ پر الزام تراشی کرتے ہیں ان میں سے کچھ نیک نیت ہیں ان پر آہستہ آہستہ حقیقت آشکار ہو جائے گی اور جو کچھ لوگ بدنیتی سے ایسا کر رہے ہیں تھک کر چپ ہو جائیں گے جلسے جلوسوں کی اسلام میں سوائے رسولؐ کے ہر ایک کے خلاف اجازت ہے یہ بالکل درست نہیں ہے کہ آپؓ اعلانیہ بلوے کے نتیجے میں شہید ہوئے آپؓ کو خفیہ طور پر چھپ کر شہید کیا گیا تھا جس طرح حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ چھپ کر شہید

Marfat.com

کیے گئے تھے حضرت علیؓ امیر المومنین تھے اور قضا کے اختیارات بھی رکھتے تھے خارجی آپ کی شان میں گستاخیاں کرتے تھے آپ نے ان کے متعلق یہ اعلان کر رکھا تھا کہ مجھے جو جی چاہیں کہیں میرے خلاف جلسے کریں یا جلوس نکالیں انہیں اس کی آزادی ہے۔ البتہ جب وہ ہتھیار اٹھائیں گے تو پھر ان کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔

پاکستان میں رائج قانون توہین میں اس قدر ترمیم فوری طور پر ہونی چاہئے کہ ہر قسم کی تنقید کی اجازت ہو تنقید ایک بہت بڑی طاقت ہے جو ایک عہدیدار کو صحیح جانب چلاتی ہے اس وقت آپ دیکھیں کہ ہمارے معاشرے کے تمام اداروں میں سب سے اچھا ادارہ عدلیہ ہے اس کی وجہ صرف ایک ہے اور وہ بار روموں کی تنقید ہے یہ ایک بہت بڑا چیک اور بہت بڑی قوت ہے اگر یہی تنقید جو بار روم کی چار دیواری تک محدود ہے کمرہ عدالت تک چلی جائے تو وکلاء اور عدلیہ سے جو چند جائز یا ناجائز شکایات ہیں وہ بھی ختم ہو جائیں گی حاکم عدالت کے منہ پر کھلی تنقید قاضی اور وکیل کے مابین آمر و مامور کے بجائے بھائی بھائی کے تعلقات قائم کرے گی اور عدالت کا کام ایک برادرانہ ماحول میں سرانجام پائے گا دوسرے جج کی تقرری کے وقت بار روم کا ریزولیوشن ایک لازمی شرط ہونی چاہئے تاکہ وہ لوگ جو اچھی شہرت و قابلیت کے مالک نہیں ہیں وہ جج مقرر نہ ہو سکے تیسرے جج کی تقرری کے بعد جب کبھی بار جج کے خلاف ریزولیشن پاس کرے اور سبکدوشی کا مطالبہ کرے فوراً سپریم جوڈیشل کونسل کا اجلاس بیٹھ جائے اور انکوائری کرے صدر مملکت کو یہ اختیار نہیں ہونا چاہئے کہ بار کا ریزولیوشن پاس ہو جانے کے بعد چاہے تو سپریم جوڈیشل کونسل کا اجلاس منعقد کرے نہ کرے وہ اجلاس منعقد کروا کر انکوائری کا پابند ہو۔

مذکورہ بالا شکایات و تجاویز اپنی حقیقت و حیثیت کے اعتبار سے کسی طرح بھی معمولی نوعیت کی نہیں ہیں یہ اس قدر سنگین ہیں کہ ان سے غفلت و کوتاہی پورے ادارے کیلئے مہلک ہو سکتی ہے اس حالت کا زیادہ دیر تک جوں کا توں رہنا آج کل کے تیز رفتار دور میں ناممکن نظر آتا ہے اگر پورے سسٹم کو اسلامی سانچے میں نہ ڈھالا گیا تو یہاں کمیونسٹ استعمار آئے گا اور عدلیہ کا یہ عظیم ادارہ تباہ ہو جائے گا نہ یہ عدلیہ رہے گی اور نہ یہ وکلاء رہیں گے یہاں پر کمیونسٹ طرز کی عدلیہ کام کرے گی اور جب وہ خرابیوں میں مبتلا ہو جائے گا تو اس کا کوئی علاج ممکن نہیں اینڈرائی ساخاروس کا مشہور سائنس دان ہے اس کی زیر نگرانی روس کا ہائیڈروجن بم تیار

Marfat.com

ہوا تھا سا خانے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "مائی کنٹری اینڈ دی ورلڈ" ہے اس میں وہ لکھتا ہے کہ اس وقت روس میں پندرہ لاکھ قیدی وہ ہیں جو کرپٹ روسی عدلیہ کا شکار ہیں جو صرف اس لئے قید ہیں کہ صحیح افسر کو صحیح وقت پر رشوت نہ دے سکے۔

مندرجہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ قانون توہین عدلیہ کا ایک کافرانہ وملحدانہ قانون ہے پاکستان کی سرزمین فی الفوراس سے پاک ہونی چاہئے۔

"غلام" قوموں کے وہ افراد جنہیں کبھی "اقتدار" نصیب ہو جاتا ہے یا وہ اقتدار پر قبضہ کر لیتے ہیں یا آقا اپنے مفادات کے لیے انہیں استعمال کرنا چاہتے ہیں تو وہ اپنے دور تسلط میں ایسا انتظام بھی کرتے ہیں کہ محکوم قوم کا کوئی فرد بھی ان کیخلاف سر نہ اٹھا سکے اور جب اقتدار کے جراثیم ان اداروں میں بھی پہنچ جائیں جنہیں قیام انصاف کے لیے بنایا گیا ہے وہ کشمکش اپنے عروج پر اسی طرح جلوہ گر ہوتی ہے جس کا مشاہدہ ہم آج کل کر رہے ہیں۔ جب انصاف کے قیام کے داعی آپس میں اصولوں کے نام پر برسر پیکار ہو جائیں تو پھر انصاف کا خدا ہی حافظ ہوتا ہے۔

پیارے وطن پاکستان سے اگرچہ "قدیم آقاؤں" کو رخصت ہوئے نصف صدی گزر چکی ہے لیکن ان کی روایات کو ہم نے ابھی تک سینے سے اس طرح چمٹایا ہوا ہے جس طرح "ممتا اپنے بلکتے ہوتے ہوئے بچے کو اپنے سینے میں چمٹا کر رکھتی ہے کہ کہیں بادسموما سے نہ لگ جائے"

مشہور قانون دان ڈاکٹر سید ریاض الحسن گیلانی سابق ڈپٹی اٹارنی جنرل وایڈووکیٹ سپریم کورٹ وہائی کورٹ اپنے مطبوعہ مقالہ "اسلام میں توہین عدالت کا تصور" میں لکھتے ہیں جسے لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن نے 1975ء میں شائع کیا تھا۔

دنیا میں جہاں جہاں برطانوی اثر نفوذ گیا ہے قانون توہین (عدالت) کو بھی کسی نہ کسی صورت میں اپنے ساتھ لے گیا ہے ورنہ جرمنی میں اس کا وجود نہیں ہے جس شکل میں یہ پاکستان میں نافذ ہے وہ اپنی روح وحقیقت کے اعتبار سے برطانوی استبداد کا ورثہ ہے اور حق گوئی بھی مستثنیٰ نہیں۔

پاکستان کے قانون توہین (عدالت) کا خلاصہ مندرجہ ذیل میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

(۱) جج، عدالت اور انصاف تینوں لازم وملزم ہیں بلکہ تینوں ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں۔

(۲) جج کی کو ذاتی اور سرکاری حیثیتوں میں تقسیم نہیں کر سکتا اس کی صرف ایک ہی حیثیت ہے اور وہ پوری زندگی میں جج ہوتا ہے جب وہ عدالت نہ کر رہا اور بظاہر کوئی ذاتی کام کر رہا ہو تو اس حالت میں بھی اس کے کردار پر کسی قسم کا الزام عدالت اور جج کی توہین ہے اگر کسی قاضی کا کسی قسم کا الزام عدالت اور جج کی توہین ہے اگر کسی قاضی کا کرایہ دار اپنے مالک مکان پر تنقید کرے تو یہ بھی توہین عدالت ہے۔

غلطی کے صدرور کا امکان اور حرص و ہوا(Motive) کا الزام بھی اسے نہیں دیا جاسکتا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ذاتی عناد کی وجہ سے مجھے آپ سے انصاف کی توقع نہیں اور میرا مقدمہ تبدیل کر دیا جائے تو یہ بھی جرم ہے یعنی جج کو بالفصل بالقوہ معصوم تصور کرنا ضروری ہے۔

(۳) توہین عدالت کا مقدمہ سنتے وقت جج خود ہی مدعی، خود ہی گواہ اور خود ہی عدالت ہوسکتا ہے۔ یہ مافوق الفطرت (Un Natural justice) حیثیت جج کو اس لئے حاصل ہے کہ وہ معصوم تصور کیا جاتا ہے جس سے بے انصافی کا صدور محال ہے۔ لہٰذا جس مقدمہ میں وہ مدعی ہو اگر اس میں سے اسے گواہ اور عدالت کی حیثیت بھی مل جائے تب بھی اس سے صرف انصاف ہی متوقع ہوسکتا ہے۔

(۴) جو معاملہ عدالت کے زیر غور ہو کر اس پر کسی قسم کی رائے زنی کرنا توہین عدالت ہے اور عدالت کے فیصلوں پر تنقید میں بھی مطلق آزادی نہیں اس کے بھی کچھ حدود قیود ہیں۔

(۵) عدالت کے کسی قانونی حکم کی نافرمانی توہین عدالت ہے یہ شق دراصل قانون کی خلاف ورزی ہے توہین عدالت نہیں۔

پانچویں نمبر کو چھوڑ کر باقی چاروں شقیں خلاف اسلام ہیں پہلے تین نکات کا خلاصہ تو عقیدہ عصمت کا اعادہ ہے جو صرف پیغمبروں کے ساتھ خاص ہے یہ صرف پیغمبر کی شان ہے کہ اس کی ذاتی اور سرکاری حیثیت ایک ہوتی ہے .... کوئی غلطی کے الزام کو منسوب کرنا توہین رسالت ہے۔ اس صفت میں اور کوئی انسان شریک نہیں ہوسکتا۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے لکھا ہے کہ جس طرح دعویٰ وحی شرک فی الرسالت ہے اسی طرح دعویٰ معصومیت بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے اس طرح قانون توہین عدالت انکار ختم نبوت پر مبنی ہے اور وہ لوگوں

Marfat.com

کو زبردستی ختم نبوت سے برگشتہ کرواتا ہے۔ برطانیہ میں چونکہ بادشاہ کو معصوم سمجھا جاتا ہے اور جج کو بھی بادشاہ کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے معصوم عن الخطاء تصور کیا جاتا ہے اس طرح یہ عقیدہ برطانیہ سے پاکستان میں سرائیت کر آیا۔

رسول پاکؐ کے بعد کسی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ حرص و ہوا (Motive) سے پاک ہونے کا دعویٰ کرے اور یہ کہے کہ جج اور عدالت ایک چیز ہے جج کی توہین اور تنقید عدالت کی توہین ہے یہ بات عقل سلیم کے سراسر خلاف ہے۔ ایک مسلمان کے لیے سب سے مقدس مقام مسجد ہے لیکن مسجد اور امام ایک چیز نہیں اور اگر امام کا کردار مسجد کی امامت کے لائق نہیں تو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ذریعے نصیحت اور اس کی اصلاح ضروری ہے اور وہ اگر ناقابل حال ہو تو سے باہر نکال دینا مسجد کی توہین نہیں بلکہ اس کی تعظیم ہے۔

جہاں تک چوتھی شق کا تعلق ہے کہ جو معاملہ عدالت میں زیر غور ہو یا رہ چکا ہو اس پر علمی طبع آزمائی پر قدغن ایک عالمانہ دماغ کی عکاسی نہیں کرتا بلکہ شاہانہ ذہن کی غمازی کرتا ہے اس سے بعض دفعہ کسی مشکل مسئلہ پر کوئی مفید رائے دستیاب ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید میں عدالت کے زیر غور معاملہ سے متعلق ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے ایک مقدمہ پیش تھا اور آپؑ اسے سن رہے تھے حضرت سلیمانؑ بھی غور فرما رہے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک فیصلہ سنایا تو حضرت سلیمانؑ نے اس سے مختلف دوسرا فیصلہ تجویز فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد پر وحی نازل فرمائی کہ حضرت سلیمانؑ کا فیصلہ اختیار کیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔

ایک سوال اکثر اٹھایا جاتا ہے کہ جج پر اس کی عدم موجودگی میں ریزولیشن یا دوسرے طریقوں سے تنقید نہیں ہونی چاہیے۔ یہ بات انصاف کے بنیادی اصول کے خلاف ہے کہ کسی کو شنوائی کا موقع دیئے بغیر اس کے خلاف کچھ کیا جائے اس کا جواب یہ ہے کہ انفرادی شکایت کی بجائے یہ بہتر ہے کہ پوری بحث و تمحیص کے بعد ریزولیشن کی صورت میں اجتماعی شکایت کی جائے۔ بار روم وکلاء کی پارلیمنٹ ہے کسی حاکم عدالت کے خلاف شکایت سے پہلے اگر اس کے حسن و قبح کو تمام وکلاء مل کر ملاحظہ کرلیں تو نہایت اچھا ہے تاکہ وہ شکایت ذاتی اور جذباتی آلائشوں سے پاک ہو جائے۔ نیز پبلک اپنے ملازموں (Public Servents) کے رویئے اور کارکردگی کو ان کی موجودگی اور عدم موجودگی دونوں حالتوں میں

Marfat.com

زیر بحث لا سکتی ہے۔

پبلک کے عہدے پر تنقید غیبت کے اصول سے مستثنٰی ہے تاریخ اور سوانح عمریوں میں ہم حکام اور دیگر عہدیداروں پر ان کی زندگی اور موت دونوں حالتوں میں تنقید کرتے ہیں۔

پاکستان کے آئین میں سپریم جوڈیشل کونسل کا تصور موجود ہے اگر صدر مملکت چاہے تو ایک جج کے کردار کی انکوائری سپریم جوڈیشل کونسل سے کروا کر اسے سبکدوش کر سکتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ایک جج کو سبکدوش کرنے کا ایک ضابطہ موجود ہے تو اس پر کھلے بندوں تنقید کیوں روا رکھی جائے؟ یہ سوال بھی سراسر غلط فہمی پر مبنی ہے۔ تنقید یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا مقصد صرف عہدیدار کی سبکدوشی نہیں ہوتا اس سے عہدیدار کی اصلاح اور پبلک کے افراد کی اپنے ملازموں کی کارکردگی کے بارے میں ذاتی تشفی ہوتی ہے اور اس کے لیے جیسا کہ امام غزالیؒ نے فرمایا ہے کو کوئی ضابطہ نہیں بنایا جا سکتا۔ البتہ سبکدوشی کے لئے ضابطہ بنایا جائے گا اور اس سے پہلے شنوائی کا موقع دیا جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ امیر المومنین تھے اور قضاء کے اختیارات بھی رکھتے تھے آپؓ پر ایک شخص نے سرعام ایک بے بنیاد الزام عائد کیا کہ آپؓ کے حصے میں ایک چادر آئی تھی اور آپؓ کا کرتہ دو چادروں سے بنتا ہے آپؓ نے دوسری چادر خود دبرد کی ہے آپؓ نے اپنے بیٹے کو جواب کا حکم دیا جنہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے حصے کی چادر بھی اپنے ابا کو دے دی تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ہرگز اس شخص کی سرزنش نہیں کہ تم نے سرعام مجھ پر ایک بے جا الزام لگا کر میری توہین کی ہے اور یہ کہ آئندہ اگر ایسی شکایت ہو تو خفیہ طور پر صندوقچی میں ڈالی جائے بلکہ آپؓ نے حوصلہ افزائی فرمائی تا کہ ہر شخص اپنے عہدیداروں سے متعلق فوراً اپنی اور دیگر افراد کی تشفی کر سکے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ خلفائے راشدین قاضی القضاۃ اور منتظم اعلیٰ کی حیثیات رکھتے تھے۔

اگر چہ وقتی طور پر ''توہین عدالت'' کا ''بخار'' اترتا ہوا نظر آ رہا ہے اور ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ''توہین عدالت'' کا مسئلہ اختتام پذیر ہو گیا ہے۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے جب تک سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس اس بارے میں اپنا حتمی فیصلہ صادر نہیں کر دیتیں اس وقت تک یہ عدالتی طور پر زندہ رہے گا۔ اس لئے اس غیر اسلامی قانون کو ختم کرنے کی کوششیں جاری رہنی چاہئیں۔ اس غیر اسلامی قانون کے ختم کرنے کی ذمہ داری جہاں اہل علم پر عائد ہوتی ہے

Marfat.com

وہاں اس سے کہیں بڑھ کر ''دینی سیاسی جماعتوں'' پر بھی عائد ہوتی ہے جن کا'' اوڑھنا بچھونا''''صبح وشام کا نعرہ'' اور بقول ان کے ان کی ساری کوششیں اسلام کے نفاذ کے لئے ہوتی ہیں۔ اس لئے ان جماعتوں کے قائدین اور عہدیداروں پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی جماعتوں کو گروپ بندیوں کے ''جھمیلوں'' سے نکال کر تھوڑا سا وقت اسلام کے نفاذ کی ''مشترکہ عملی کوششوں'' کے لیے بھی نکال لیا کریں۔ اور ''اسلام کے نفاذ'' کو صرف اپنی جماعت کے اقتدار پر قبضہ کرنے اور حاصل کرنے سے مشروط نہ کریں۔ اور جب تک ''اقتدار نصیب'' نہیں ہوتا اس وقت تک اسلام کو صرف سیاسی نعرے کے طور پر پیش کرنے کا طریقہ قابل تحسین نہیں ہوسکتا۔ گزشتہ تین ماہ کے دور میں ملک اور عوام جن ''کربناک'' حالات سے گزرے ہیں ان میں ''اقتدار ہمارے سپرد کردو'' کے نعرے کے علاوہ کیا کوئی ''مثبت'' کوششیں بھی سامنے آئی ہیں جن سے یہ امر واضح ہوتا ہو کہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ''توہین عدالت'' کے قانون کو ختم کرنے کی آواز کسی ''جماعت'' نے بلندی کی ہو؟ بلکہ ''اہل فکر'' تو یہ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ یہ ''جماعتیں'' اس قدر خوش کیوں ہیں؟ اور یہ خوش کیوں نہ ہوتیں کیونکہ وہ بخوبی جانتی تھیں کہ اسی ''توہین عدالت'' کے قانون کے وجود کی بناء پر ہی مملکت کے کلیدی ''اداروں'' کے مابین ''کشمکش''''دھینگا مشتی'' اور ''جنگ و جدال'' کے حالات رونما ہوئے اور ان حالات ہی کے طفیل اقتدار پر قبضہ کرنے کی امیدیں پیدا ہوئی تھیں اور جو قوانین اگرچہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں لیکن اقتدار پر قبضہ کرنے یا اقتدار کو حاصل کرنے کے اسباب پیدا کریں انہیں ختم کرنا یا ختم کرنے کی خواہش کرنا یا ختم کرنے کی جدوجہد کرنا ''سیاسی آداب'' کے خلاف تصور کیا جاتا ہے۔ اس لئے انہوں نے اس ''کار خیر'' میں حصہ نہ لے کر اپنے ''سیاسی فرائض'' کی ادائیگی میں ذرہ بھر ''کوتاہی'' کا مظاہرہ نہیں کیا۔ باقی رہا اسلام کے نفاذ کے نعرے کا تعلق تو اس میں بھی کسی قسم کو کوتاہی نہیں ہوگی اور وہ ''نعرے'' کے طور پر اسی طرح پوری طاقت اور جوش و جذبہ سے لگایا جاتا رہے گا۔

اسلام اور کلمہ طیبہ کے مقدس و متبرک ناموں پا قائم ہونے والی مملکت ''پاکستان'' میں بسنے والے افرا کو یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہئے۔ کہ جب تک ہم غیر اسلامی افعال کا ارتکاب کرتے رہیں گے اور غیر اسلامی قوانین کا اجراء برقرار رکھیں گے اس وقت تک مالک ارض و سماء ہمیں مختلف قسم کی کڑی آزمائشوں میں ڈالتا رہے گا ب۔ اگرچہ بعض امتحانات

Marfat.com

اور آزمائش ایمان والوں کے لیے "ایمان بالغیب" پر اضافہ کا موجب ہوتی ہیں اور ماضی میں ان گنت ایسی مثالیں موجود ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں امتحان کی خاطر مختلف آزمائشوں میں مبتلا کیا اور وہ اپنے اندر پائی جانے والی صفات حمیدہ کی بناء پر ان آزمائشوں میں کامیاب و کامران ہوئے۔

اور بعض اوقات یہ آزمائشیں اسی دنیا میں تباہی و بربادی کا ذریعہ بن جاتی ہیں اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب آزمائشوں اور امتحانات کے دوران بھی "اس کی" نافرمانی جاری و ساری رہتی ہے۔ نافرمانی کا پہلو فزوں تر ہوتا رہتا ہے۔ اسلام کے احکامات میں حکم عدولی کا تصور پایا جاتا ہے۔ احکامات الٰہیہ کا تمسخر اڑایا جاتا ہے۔ اور تعلیمات الٰہیہ کو پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں دی جاتی۔ اور جب اس طرح کی آزمائشوں میں ڈالا جاتا ہے تو ذلت و رسوائی کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اور جس کا مشاہدہ ہم کم و پیش آئے دن کرتے رہتے ہیں عقل مند افراد، جہاں دیدہ حکمران اور گرم و سرد کے جان گزیں لمحات سے دوچار ہونے والی اقوام ماضی سے سبق حاصل کر کے مستقبل کے لیے بہتر لائحہ عمل تیار کرتی ہیں اس لئے اب بھی اس امر کی ضرورت ہے کہ موجودہ قانون "توہین عدالت" میں اس طرح تبدیلی لائی جائے جس سے قانون کی فرماں روائی تو قائم و دائم رہے، حکمرانوں کی "انا" عدالتوں کا مذاق نہ اڑا سکے اور عدالتیں بھی خود ہی قاتل، خود ہی شاہد اور خود ہی منصف بھی قرار نہ پائیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس "قانون" کو کون ختم کرے؟ مقننہ یا عدلیہ۔ اگر مقننہ اس قانون کو ختم کرنے کا ارادہ کرتی ہے تو "سیاسی گدھیں" اپنے اپنے مفادات کے پس منظر میں کیا کچھ نہیں کہیں گی جن کے "شور" سے ڈر کر "حکمران" اس "نیک کام" کو کرنے سے رک جائیں گے۔ ویسے بھی ان کا اب خیال ہوگا کہ فی الحال مصیبت تو ٹل ہی گئی ہے۔ اس لئے اس مشکل کام کو کرنے کا فائدہ کیا؟

ہمارے مروجہ "فریم آف ورک" کے مطابق عدالتوں کے دائرہ اختیار میں بھی "قانون سازی" کے جملہ اختیارات نہیں آتے اور ویسے بھی یہ فطری امر ہے کہ جس کو ذرا سا اختیار بھی حاصل ہو جائے وہ اس کو بخوشی قربان کرنے کے لیے مشکل ہی سے آمادہ ہوتا ہے البتہ حالات مجبور کر دیں تو الگ بات ہے اور ان اختیارات کے لامحدود استعمال کے مظاہرہ

Marfat.com

کرنے والوں نے اپنے ''مملوکہ اختیارات'' کا جس قوت سے ''مظاہرہ'' کیا اور بے بس ''مشاہدہ'' کرنے والوں نے جس ''بے بسی'' سے مشاہدہ کیا وہ کوئی ماضی بعید کی بات نہیں۔ اصولوں کی فرمانروائی کی بجائے ذلت کا تقدس جب پیش نظر ہو جائے تو اس کے نتائج اس سے کہیں زیادہ بھیانک صورت میں نکلا کرتے ہیں جو برآمد ہوئے۔

''موضوعہ قانون'' پر عمل درآمد کرنا اور کروانا یقیناً قابل تعریف امر ہے ''موضوعہ قانون'' کے قانونی جوازات، قانونی موشگافیوں، قانون تاویلات کے سہارے، قانونی حیلہ سازیوں اور مبہم قانون کی دفعات کے حوالوں سے فیصلہ کرنا اور چیز ہے اور ''قانون اخلاق'' کے حوالے سے فیصلہ کرنا اور چیز ہے ان دونوں کے ذریعہ فیصلہ کرنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

سابقہ چیف جسٹس نے ''موضوعہ قانون'' کا سہارا دے کر فیصلہ کرنا چاہا اور فیصلے بھی کئے لیکن وہ دلوں پر اثر انداز نہ ہو سکے کیونکہ ان فیصلوں میں ''قانون اخلاق'' کی آمیزش نہ تھی۔ اپنے ہی قائم کردہ ''سنیارٹی'' کے اصول کی خود ہی خلاف ورزی کرنے سے ممکن ہے ''موضوعہ قانون'' کی خلاف ورزی قرار نہ پائے لیکن اس میں ''قانون اخلاق'' کی خلاف ورزی ضرور ہوئی۔ سابقہ چیف جسٹس کا موقف قانون جوازات پر مشتمل تھا لیکن ان قانونی جوازات، قانونی موشگافیوں نے ان کے مقام و مرتبہ میں کوئی اضافہ کیا؟ کیا یہ قانونی حیلے اور تاویلات ان کے عہدے کے لئے امرت دھارا بن سکیں؟

کیا خود سپریم کورٹ کے رفقاء نے ان کے قانونی سہاروں کو اور دلائل کو تسلیم کیا؟ یقیناً نہیں کیونکہ اس کے پیچھے ''قانون اخلاق'' کی پشت پناہی نہیں تھی۔

''قانون اخلاق'' کا تقاضا تھا کہ جس اصول کو ''سنیارٹی'' کی اساس تسلیم کیا اور اس اساس پر انتہائی تحکمانہ اور غیر لچکدار موقف اختیار اور اپنے موقف کے سلسلے میں حکومت وقت کو ناکوں چنے چبوانے کا مصمم ارادہ کر لیا گیا اور حکومت وقت کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ ''چیف جسٹس'' کے موقف کو تسلیم کرے اور اس نے ''طوعاً و کرہاً'' اس کو تسلیم بھی کر لیا تو ''قانون اخلاق'' کا تقاضا تھا اسی اصول کو اپنے اوپر بھی لاگو کرتے ''اہل حقائق'' کی ہمدردیوں کے مستحق قرار پاتے لیکن اسی اقتدار کی ہوس نے ایسا نہ کرنے دیا جس کی بناء پر قانونی جوازات کے حامل ہونے کے باوجود جنگ ہار گئے۔

Marfat.com

جبکہ اس کے برعکس اس وقت کے اس جسٹس نے ''قانون اخلاق'' کے حوالے سے اس مقدمہ کو خود سنانے سے انکار کر دیا کہ چونکہ میں خود بھی اس مقدمہ میں کسی نہ کسی حیثیت سے فریق قرار پاتا ہوں۔ اس لئے میں اس کی سماعت کرنے سے قاضر ہوں اور میری بجائے ایس بنچ مقرر کیا جائے جس میں، میں خود شامل نہ ہوں۔ اس بنچ نے فیصلہ جو بھی کرتا تھا وہ اس کی صوابدید پر مشتمل تھا لیکن اس ''کردار'' کے مظاہرہ کرنے کے اہل درد دل کی ہمدریاں حاصل کرلیں کیونکہ اس میں ''قانون موضوعہ'' کے ساتھ ساتھ ''قانون اخلاق'' پر عمل پیرائی بھی تھی۔

عدلیہ کے معاملات میں کشمکش اور رسہ کشی کے آغاز کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی رہی کہ کہیں عدالتی امور کی سرانجام دہی میں...... کہیں آئین کی آرٹیکلز کی عبارات اور الفاظ میں...... اور کہیں قوانین میں ابہام پایا گیا تو ان امور کی بنا پر ایسی صورتحال سامنے آئی کہ ہر ایک کو اپنی مرضی...... اپنی ضرورت...... اپنی خواہش...... اپنی اپنی پسند اور ناپسند...... اپنے مفادات...... اپنے فوائد...... اپنے رجحانات...... اپنے نظریات...... اپنے تصورات...... اپنے تعلقات اور اپنے نظریات کی بنا پر قانون یک تشریح وتعبیر کرنے اور قانون کو نافذ کرنے اور کرانے کا میدان ہاتھ میں آ گیا۔ اس صورت حال میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ جو فریق بھی قانون کی جو تشریح وتعبیر کرے گا دوسرا فریق اس سے اختلاف کرے گا...... اس کو ظلم قرار دے گا...... اس کو ناانصافی کا مظہر کہے گا...... اور اس کے قانون کی غلط تعبیر کرنا کہے گا جس کا مشاہدہ ہم ہر روز سیاست دانوں، قوم کے بہی خواہوں، قانون دانوں، تجزیہ وتبصرہ نگاروں، کالم نگاروں اور سابق ججوں کی آراء وتحریرات میں دیکھ کر رہے ہیں۔ حزب اختلاف کا کوئی قائد یا کارکن اگر صحیح بات بھی کہہ رہا ہے تو وہ اس لئے غلط ہے کہ اس کے پیچھے ضرور کوئی نہ کوئی مفاد یا سازش پوشیدہ ہوگی اور اگر حسب اقتدار کا کوئی فرد غلط بات بھی کہہ رہا ہے تو وہ اس لئے صحیح ہے کہ اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی سربستہ راز ضرور پنہاں ہوگا۔

منصب عدالت کے عہدہ پر فائز ہونا دو متضاد جہات کا حامل ہے ایک جانب قسمتی کا منصب بھی ہوسکتا ہے (جبکہ فیصلے انصاف کے تقاضوں کے مطابق ہوں) اور بدقسمتی کا مظہر بھی بن سکتا ہے جبکہ (فیصلے انصاف سے ماورا ہوں) اور اس منصب پر فائز ہو جانے کے بعد یہ تصور کیا جانا کہ اس منصب پر فائز شخصیت پر ناقدانہ نظر ڈالنا ''توہین عدالت'' کے زمرے میں شمار کیا جائے گا فقہ اسلامی کی تعلیمات کے منافی ہے اور نیک نیتی سے ناقدانہ نقطہ نظر کا اظہار

Marfat.com

کرنا کسی بھی اعتبار سے ''توہین عدالت'' کے ضمن میں نہیں آتا۔ اس منصب عالیہ پر فائز ہو جانے کے بعد ذہن میں آمریت کے جذبات کا پیدا ہونا قابل تعریف نہیں ہے۔ اس منصب پر فائز ہون کے بعد بھی قاضی کو درپیش معاملات میں نہ صرف اپنے ہم منصب شخصیات سے مشورہ لینا بلکہ دیگر افراد سے مشورہ کرنا اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ تاریخ اسلام میں ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں جن میں خلیفہ وقت اور قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) نے بھی اپنے قائم کردہ قاضیوں کو مشورہ لینے کا حکم دیا۔

یہ احساس کمتری نہیں تو اور کیا ہے کہ ہمارا اپنا ایک مستقل اعلیٰ روایات پر مبنی ''نظام عدل'' موجود ہونے کے باوجود ہمارے وکلاء، قانون دان افراد اور قضاۃ بحث اور فیصلہ کرتے وقت دنیا بھر کے قوانین اور عدلتوں کے فیصل شدہ معاملات کے حوالے تو دیتے ہیں فقہ اسلامی اور مسلمان قاضیوں کے فیصلوں کے حوالے دیتے ہوئے ''شرماتے'' ہیں کہ کہیں ان پر ''قدامت پسندی'' کی ''چھاپ'' نہ لگ جائے۔ آنکھیں بند کر کے تصور کرلیا گیا ہے کہ اسلامی فقہ اور قوانین اسلامی مکمل طور پر ماضی کی ''حسین یادگاروں'' میں ایک ''یادگار'' کے طور پر باقی ہے جبکہ اسلامی قانون اور فقہ سے آگاہ و شناسا افراد بخوبی جانتے ہیں کہ جس قدر بہترین اصول فقہ اسلامی میں ذکر کئے گئے ہیں اس قدر آج کے ترقی یافتہ دور کے عدالتی فیصلوں میں بھی نہیں ہیں۔ کسی قانون کی چند خوبیوں کا یہ مطلب نہیں ہو جاتا کہ وہ سب کا سب منظور اور کسی قانون کی چند کمیوں کا یہ معنیٰ بھی نہیں ہو جاتا کہ وہ سب کا سب قابل استرداد ہو جائے۔

اسلامی نظام عدل میں ''مشاورت'' کی بنیاد پر فیصلے کئے جانے کو مستحسن قرار دیا ہے چنانچہ عطاء بن السائب نے ابو البختری کے حوالے سے خلیفہ ثانی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے (جو قاضی اقضاۃ (چیف جسٹس) کے چہرے پر بھی فائز تھے)

''حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت حابس بن سعد طائی (صحابہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (کوحمص کا قاضی مقرر کیا اور ان سے دریافت کیا؟

''حابس! تم فیصلہ کس طرح کروں گے؟

''انہوں نے جواب دیا!

''کتاب اللہ کی روشنی میں''

''فرمایا!

Marfat.com

''اگر کتاب اللہ میں کوئی حکم نہ ملا؟''

''انہوں نے جواب میں کہا؟

''پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سنت کی طرف رجوع کروں گا!''

پھر فرمایا! پھر۔

''اگر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت میں کوئی چیز نہ ملی؟

عرض کیا!

''پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس بارے میں اپنے ہم نشینوں سے بھی ''مشورہ'' کروں گا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا!

''تم نے بالکل ٹھیک اور خوب کہا!

اس روایت میں حضرت حابس بن سعد الطائی کے جواب میں یہ کہنا کہ میں ''اپنے ہم نشینوں سے بھی مشورہ کروں گا'' اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس کی تصویب کرنا ''قضاۃ'' کے باہمی مشورہ کرنے کی ترغیب دے رہا ہے۔

موجودہ حالات میں یہ بات بھی شدت سے محسوس کی گئی ہے کہ چیف جسٹس صاحب نے اپنے دیگر رفقاء سے باہمی مشوروں کو درخور اعتنا نہ سمجھا جس کی بنا پر اس قسم کی حالات پیدا ہوئے۔ پاکستان کے مشہور و معروف قانون دان جسٹس (ر) عطاء اللہ سجاد بھی اپنے ایک انٹرویو میں کہتے ہیں چیف جسٹس اور ججوں کے مابین ریلیشن شپ برادرانہ تعلقات جو باہمی احترام، اعتماد، مفاہمت اور یکانگت پر استوار ہوتے ہیں۔ کورٹ میں وہ ایک دوسرے کو ''مائی برادر'' کہہ کر پکارتے ہیں۔ کوئی جج چاہے تو چیف جسٹس کو ''مائی لارڈ'' کہہ لے آپ دیکھیں کہ ان کا اصل کام انصاف کی فراہمی ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ ان میں باہمی ربط وضبط اور تعلق خاطر کا سلسلہ استوار رہے۔

ان میں ''باس'' اور ''سبارڈی نیٹ'' کے تعلقات نہیں ہوتے۔ یہ بات تو سوچی بھی نہیں جاسکتی بلکہ وہ سب برابر ہیں۔ البتہ چیف جسٹس کو FIRST AMONG THE EQUALS یعنی برابر کے لوگوں میں اول نمبر کہاں جاتا ہے۔ عدالت میں ان میں کوئی چھوٹا بڑا نہیں ہوتا۔ البتہ انتظامی معاملات میں چیف جسٹس کو بعض اضافی اختیارات حاصل

Marfat.com

ہوتے ہیں۔

پانچ رکنی بنچ میں اگر تین جج ایک طرف اور چیف جسٹس اور ایک جج دوسری طرف ہیں تو تین ججوں کا فیصلہ ہی مانا جائے گا۔

البتہ نئے ججوں کے تقرر کے بارے میں اگر کوئی ایسا نظام بنایا جائے جس میں سینئر برادر ججوں کا مشورہ بھی شامل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے روایت یہی ہے کہ چیف جسٹس اس بارے میں برادر ججوں سے مشورہ لیتے رہے ہیں۔ اس کا بہت سا انحصار عدالت کے ماحول پر ہے اور موجودہ صورتحال سے قبل کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس مقدمہ پر ''بغاوت'' کی صورت پیدا ہوگئی ہو عام طور پر معاملات اتفاق رائے سے طے پا جاتے تھے۔

کئی بار ایسا ہوا کہ کئی مسئلہ پر فل کورٹ میٹنگ بلائی گئی باہم صلاح مشورے سے جو فیصلہ ہوا چیف جسٹس نے اسے قبول کرلیا۔ انصاف اسی طرح ہوتا ہے۔ انتظامی معاملات کے علاوہ مقدمات کی سماعت کے دوران بھی اگر جج صاحبان کا اختلاف رائے سامنے آتا تو اس پر بھی تبادلہ خیال ہوتا اور اکثر اتفاق رائے ہو جاتا۔

آخر میں جسٹس (ر) عطاء اللہ اس خواہش کا اظہار کرتے ہیں......

''شاہ صاحب کی جگہ میں ہوتا تو انہیں بٹھا کر پوچھتا کہ

برادران! بتائیں آپ کی کیا شکایات ہیں۔ ہم آئیں مل بیٹھ کر طے کر لیتے ہیں۔ ایسا ہوتا تو شاید انجام کار یہ سب کچھ نہ ہوتا...... اب تو اس حسرت کا اظہار ہی کیا جاسکتا ہے کہ کاش ایسا ہوتا۔''

ماضی اور حال کے قضاۃ کی آراء سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ججوں کی آراء کے اختلاف کو باہمی مشورہ کی صورت میں بدل دیا جائے تو یہ انصاف کے حصول میں بہترین ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔

(روزنامہ جنگ لاہور 9 دسمبر 1997ء)

♥......♥......♥

Marfat.com

ایٹمی دھماکہ ہی مستقل حل اور علاج ہے

اس بات پر ہمارا مکمل ایمان ہے کہ خالق کائنات نے خاتم النبیین نور مجسم محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل کردہ اپنی عظیم آخری کتاب ''القرآن'' میں جن احکامات کو بیان فرمایا ہے وہ یقیناً برحق ہیں اور ان میں شک وشبہ کے ''مرض'' میں مبتلا ہونے والا دائرہ ایمان سے خارج قرار پاتا ہے اور یہ کہ وہ تمام احکامات انسانی فطرت اور طبیعت کے عین مطابق ہیں اور یہ ممکن بھی نہیں کہ خالق کے احکامات مخلوق کی خلقت، فطرت اور جبلت کے خلاف ہوں۔ جب دونوں ہی انسانیت کے رشتے کے اعتبار سے یکساں ہیں تو پھر اس ذات مقدسہ نے کافر اور مسلمان کے درمیان احکامات میں تفریق رُوا کیوں رکھی؟ ان کے طرز عمل...... انداز فکر...... ان کی عادات واطوار...... ان کے طریقے ہائے بود باش...... اور...... ان کے انداز عبادات میں امتیازی فرق کو کیوں بیان فرمایا؟ ماضی میں بیتے ہوئے کافروں کے رویوں کو قرآن مجید میں ذکر فرما کر انہیں ابدیت کیوں عطا فرمائی؟ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان وقوعہ پذیر واقعات کو قرآن عظیم میں ذکر فرما کر انہیں ابدیت کیوں عطا فرمائی؟ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان وقوعہ پذیر واقعات کو قرآن عظیم میں ذکر فرما کر کس کے لیے ہدایت کا سامان مہیا فرمایا۔ ماضی کے واقعات کو ماضی کے حوالوں سے ذکر فرما کر ماضی کے حوالے کیوں نہیں کر دیا؟ مستقبل میں آنے والے مسلمانوں کے لیے ان میں کیا کیا عبرت کے سامان رکھے؟ اور کیوں رکھے؟ صرف تلاوت کرنے کے لیے یا ان سے سبق حاصل کرنے کے لیے بھی؟ اور اسی قسم کے بہت سے سوالات تدبر وتفکر کی دعوت دے رہے ہیں۔

جہاد کس سے کرنا ہے؟ کیوں کرنا ہے؟ اور کب کرنا ہے؟ جہاد کے فوائد کیا کیا ہیں؟ کیا جہاد کے ظاہری مضمرات کو دیکھتے ہوئے جہاد کو ترک کر دیا جائے؟ اگر یہ انتہائی ضروری ہوتو آقائے دو جہاں ﷺ اور خلفاء راشدینؓ نے ان کٹھن اور مشکل حالات میں امن کی خاطر جہاد کو ترک کیوں نہ فرمایا؟ وہ بھی حکمران تھے ان مقدس ہستیوں نے اپنے اقتدار اور حکمرانی کو بچاؤ کی خاطر جذبہ جہاد کو سرد ہونے کیوں نہ دیا؟ ان کے خیر خواہوں اور مشیروں نے انہیں بھی امن

Marfat.com

کی بقاء کی خاطر جہاد کو ترک کرنے کے مشورے دیئے ہوں گے انہوں نے ان مشوروں کو کیوں قبول نہ کیا؟ اور کیوں مسلسل جہادی شعلوں کو بھڑکاتے رہے؟ کیونکہ ان کے ذہنوں اور قلوب میں اسلام دشمن طاقتوں اور کافروں کے بارے میں حاکم اعلیٰ کے فرامین اور احکامات راسخ تھے۔ خالق کائنات کو انسانیت کا دشمن قرار نہیں دیا جاسکتا ہے وہ تو رحمان ہے اس کی صفات رحمانیت کی جلوہ آرائیاں تو کافر و مسلمان ہر دو کے لیے برابر ہیں پھر وہ کیوں حکم دے رہا ہے۔

"اور یہ نہ سمجھیں کہ کافر لوگ کہ وہ بھاگ نکلے وہ ہرگز تھکا نہ سکیں گے ہم (مسلمانوں) کو۔"

اور ان (کافروں) کے لیے تیار کر رکھو جو قوت تمہیں بن پڑھے اور جتنے گھوڑے تم پال سکوں ان سے ان کے دلوں میں دھاک بٹھاؤ جو اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن ہیں اور ان کے علاوہ اور دشمن بھی ہیں جن کو تم نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے (اور یاد رکھو) جو کچھ تم اللہ کی راہ (جہاد کی تیاری) میں خرچ کرو گے تمہیں (اس کی کمی) پوری کر دی جائے گی اور کسی طرح گھاٹے میں نہیں رہو گے۔" (القرآن الانفال 60,59)

مفسرین کرام نے ان آیات مقدسہ کے ایک ایک پہلو کو نہایت تفصیل و تشریح کے ساتھ بیان فرمایا ہے جن مین چند ایک ملاحظہ فرمائیں۔

اگر یہ کافر دغا باز اور غدار معاہدوں کو علانیہ پس پشت ڈال کر آپ کے مقابل میدان جنگ میں آجائیں تو ان کو ایسی سخت سزا دیجئے جسے دیکھ کر ان کے پیچھے رہ جانے والے یا ان کے بعد آنے والی نسلیں بھی عبرت حاصل کریں اور عہد شکنی کی کبھی جرات نہ کرسکیں۔ (ہندوستان میں آج تک کس کس معاہدے کی پاسداری کی ہے ہر ایک اس سے آگاہ ہے، قیام پاکستان سے لے کر اب تک جن جن معاہدوں کو اس نے توڑا ہے یا ان کو پس پشت ڈال دیا ہے یا ان کو ماننے سے انکار کر دیا ہے وہ خود ایک طویل فہرست کی متقاضی ہے، کشمیر کے بارے میں کئے ہوئے معاہدے کہاں گے؟)

خدا پر بھروسہ کرنے کے معنی یہ نہیں کہ اسباب، آلات اور ضروریات کو ترک کر دیا جائے نہیں بلکہ مسلمان پر فرض ہے کہ جہاں تک قدرت ہو سامان جہاد فراہم کرتے رہیں۔ حضور ﷺ کے دور مبارک میں گھوڑے کی سواری، شمشیر زنی اور تیر اندازی وغیرہ سامان جہاد تھا چنانچہ اسی پس منظر میں گھوڑوں کی تیاری کا ذکر فرمایا چنانچہ جوں جوں آلات حرب تیار

Marfat.com

ہوتے رہے بنتے رہے مسلمان مجاہدین انہی جدید ہتھیاروں کے ساتھ کافروں سے ہر میدان جنگ کے اندر مقابلہ کرتے رہے چنانچہ آج بندوق، توپ، ہوائی جہاز، آبدوز کشتیاں، آہن پوش کروزر، ٹینک، میزائل، ایٹمی ہتھیار، جوہری ہتھیار اور تمام اقسام کے بم وغیرہ بنانا، تیار کرنا، استعمال میں لانا اور فنون حربیہ کا سیکھنا سب سامان جہاد ہیں۔ اس طرح آئندہ جو جو اسلحہ وآلات حرب وضرب تیار ہوتے رہیں گے وہ سب آیت کے منشاء میں داخل ہیں۔

اور یہ سب سامان اور تیاری دشمنوں پر رعب جمانے اور دھاک بٹھانے کے لیے ہے کیونکہ جنگ سے بچنے کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ اگر جنگ کرنے والے افراد کے پاس ہم پلہ ہتھیار ہوں گے تو ان ہتھیاروں کی یکسانیت بھی جنگ سے روکے رکھے گی اور تاریخ اس کی شاہد ہے۔

حکم جہاد کا دیا جارہا ہے اور جہاد مال و دولت کے خرچ کیے بغیر ممکن نہیں تو خالق کائنات مسلمانوں کو یہ بتا رہا ہے کہ تم اپنے ذہنوں میں یہ فاسد خیال نہ لاؤ کہ مال و دولت خرچ کرنے کا کیا فائدہ، ہتھیاروں اور سامان حرب کے بنانے اور خریدنے میں اربوں روپوں کا جو خرچ ہوگا وہ کون پورا کرے گا تو رب العالمین نے مسلمانوں کو ڈھارس دیتے ہوئے تسلی دی کہ تمہارے ان تمام اخراجات کی کمی پوری کرنا میری ذمہ داری ہے۔ خرچ تم کرو گے اوراس کا عوضانہ میرے ذمہ ہے، کافرلوگ تمہیں ہتھیاروں کی تیاری میں غربت، افلاس، فقرو فاقہ اور معلوم نہیں کس کس طرح ڈرائیں گے اور تم ان کے ان ڈراؤنے خوابوں سے ڈرنا نہیں ہے بلکہ ایک دفعہ خرچ کر کے دیکھو تو سہی اور پھر اسکا صلہ بھی پا کر دیکھو۔ غنی اور مال وزر سے مالا مال کرنا میرا کام ہے جہاد کی تیاری میں ہتھیاروں کے بنانے میں جس قدر مال خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ ملے گا بلکہ ایک درہم کے بدلہ سات درہم بلکہ بسا اوقات دنیا میں بھی اس سے کہیں زیادہ عطا کر دیتا ہوں۔

غربت و افلاس سے ڈرانے والوں نے کبھی اس امر پر غور کیا کہ آج تک جتنے ممالک نے بھی ایٹمی ہتھیار بنائے ہیں کیا وہ ایٹمی ہتھیاروں کو بنائے جانے کی بناء پر غربت کا شکار ہوگئے ہیں؟ کیا امریکہ ایٹمی ہتھیاروں کی بناء پر مفلس ہوگیا؟ کیا برطانیہ ایٹمی ہتھیاروں کی وجہ سے غربت کا شکار ہوا ہے؟ کیا فرانس جوہری توانائیوں کے حاصل ہونے کی وجہ سے فرقہ و فاقہ کشی سے دوچار ہے؟ کیا روس صرف ایٹمی ہتھیاروں کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہوا ہے؟ کیا چین صرف ایٹمی دھماکوں کے کرنے کی وجہ سے اربوں افراد کو زندگی کی سہولیات سے

Marfat.com

بہرہ ور کرنے سے محروم ہوا ہے؟

اگر ایٹمی دھماکے کرنا مفلسی اور فاقہ کشی کی بنیاد بنتے تو دنیا میں سب سے غریب ترین ممالک امریکہ، برطانیہ، فرانس، روس اور چین ہوتے اور ان سے بڑھ کر دنیا میں کوئی اور ملک غریب نہ ہوتا۔

لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے مفلسی، غربت، فقرو فاقہ اور ترقی نہ کرنے کی وجوہات کچھ اور ہیں ان کا ایٹمی دھماکوں سے کوئی تعلق نہیں۔

قوموں کی زندگی کی باگ ڈور جب مصلحت کوش، مصلحت اندیش اور مصلحت بین حکمرانوں، وزیروں، مشیروں اور مصاحبوں کے ہاتھوں میں آجاتی ہے تو پھر وہ اقتدار کی ''لیلیٰ'' کے فراق کا تصور کرتے ہی مصلحتوں کے نام پر حقائق کا مقابلہ کرنے کی بجائے مستقبل کے نادیدہ حالات کا معروضی انداز میں اس ''دردسوزی'' سے نقشہ کھینچتے ہوئے تصویر کشی کرتے ہیں کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید مستقبل کی باگ ڈور کی تمام لگامیں انہوں نے اپنے ہاتھوں میں تھامی ہوئی ہیں اور مستقبل کی ترقی کی راہیں ان کے سامنے مودبانہ انداز میں ہاتھ باندھے ہوئے موجود ہیں اور صرف ان کے چشم نازنین کے اشاروں کی منتظر ہیں۔ عقل و خرد، بصیرت و بصارت کا واسطہ دیتے ہوئے فہم و فراست کا ڈھنڈورا پیٹتے ہوئے احتیاط و اجتراز کا نعرہ لگاتے ہوئے اور عالمی تناظرات کے دامن میں چھپ کر وطن کے تحفظ کی قسم کھانے والوں کو انہی تیروں سے چھلنی کرنے لگتے ہیں جو تیر اصل میں دشمن کے ہاتھوں میں ہونے چاہئیں۔ اور دشمن انتہائی شاطرانہ انداز میں ان تیروں سے براہ راست تیر اندازی کرنے کی بجائے دوست نما دشمنوں اور خیر خواہی کے نام پر قوم کی عصمت و آبرو کو لوٹنے والوں کے ہاتھوں میں تھما کر خود تماش بین بن کر الگ تھلگ کھڑا ہوا دلائل و براہین کی جنگ و معرکہ آرائی سے محظوظ ہو رہا ہوتا ہے اور جب دیکھتا ہے کہ اس کے دیئے ہوئے ہتھیاروں سے آراستہ ''غازی'' اور دوستی کے لبادے میں پوشیدہ ''دشمن'' اپنے اپنے منصوبوں میں ناکام ہوتے ہوئے نظر آ رہے ہیں تو پھر وہ خود ہی ہمدرد مخلص کا روپ دھار کر کبھی خود بنفس نفیس ٹیلیفون کی ریڈیائی تاروں کے ذریعے اور کبھی مختلف ڈراوٴنے اور کبھی خوبصورت چہروں سے آراستہ وفود در وفود کی شکل میں کبھی انسانیت کے نام پر اور کبھی امن کا بھکاری بن کر اور کبھی دنیا کے پرستاروں کو مال و دولت کا لالچ دے کر اور کبھی وطن کے متوالوں کو عبرتناک سبق سکھانے کا پیغام دے کر اپنا مقصد حاصل کر رہا ہوتا ہے۔

Marfat.com

زندہ و جاوید قومیں خشت و سنگ کی چٹانوں کو تراش کر اپنی زندگی گزارنے کی راہوں کو خود ہی نکالا کرتی ہیں وہ دوسروں کی تراشیدہ اور نادیدہ راہوں پر چل کر اپنے آپ کو ہلاکتوں کی غاروں میں دھکیلا نہیں کرتیں۔

تابندہ روایات کی حامل قوموں کی حکمران اپنے اقتدار کی طوالت کو نہیں بلکہ ملک و وطن کی بقا کو پیش نظر رکھتے ہیں اور قوموں کی زندگی اور موت کی کشمکش میں اپنے دور اقتدار میں عظیم کارنامے سرانجام دے کر جہاں اپنے آپ کو "امر" کر جاتے ہیں وہاں وہ ملک و وطن کے استحکام کو چار چاند بھی لگا جاتے ہیں لیکن جب وہ "دیکھو اور انتظار کرو" کے جھمیلوں میں پڑ کر اپنی صلاحیتوں کو ضائع کرنے لگتے ہیں اور حکمرانی کو ہی اپنا محور قرار دے کر کسی بھی قسم کی قربانی کو پیش کرنے سے کنی کترانے لگتے ہیں تو پھر نہ اقتدار باقی رہتا ہے اور نہ ان کا نام ونشان باقی رہتا ہے۔

ہندوستان کے دھماکا نے ایک اشتعال انگیز صورت حال کو پیدا کر دیا ہے۔ پاکستان کا ایک ایک مجاہد مشتعلانہ انداز میں حکمرانوں سے اس امر کا طالب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس اشتعال انگیز ماحول میں حکمرانوں کو ایٹمی دھماکہ کرنے کا بہترین موقع عنایت فرما دیا ہے کاش وہ اس موقع سے فائدہ حاصل کرنے کی جرات رندانہ کا مظاہرہ کر پائیں آج نہ صرف پاکستان بلکہ معیشت کے دلدار ممالک بھی اس اشتعال انگیز صورتحال میں مشتعل ہیں اگرچہ ان کے اشتعال کی وجوہات وہ نہیں جو کسی پاکستانی کی ہوسکتی ہیں لیکن پاکستان کے حکمران اسی اشتعال انگیز صورت میں فائدہ اٹھاتے ہوئے ایٹمی دھماکہ کر دیں تو ان کا یہ قلندرانہ عمل کئی لحاظ سے ان کے موقف سے سچا ثابت کر دے گا اور ان کے ایٹمی دھماکہ کے نتیجے میں دنیا کا اسلام دشمن موقف اپنی موت آپ مر جائے گا یا ان کے پاس حکومت کے عذر کو قبول کرنے میں وہ ہچکچاہٹ اور تردد نہ ہوگا جو تاخیر کی صورت میں حکومت کو برداشت کرنا پڑے گا اور جن کے نتائج اس سے کہیں زیادہ خوفناک ہوں گے جتنے آج نکل سکتے ہیں یہ ایک مسلمہ قانونی موقف ہے جس کو عدالتیں بھی تسلیم کرتی ہیں کہ اگر کوئی قتل فوری برانگیختگی Sudden Provocation کے نتیجہ میں سرزد ہو تو جرم کے ارتکاب کرنے والے کے موقف کو سن کر سزا میں نرمی اختیار کی جاتی ہے اور یہی موقف بھارت کا بھی تھا کہ "غوری" کے دھماکے نے بھارت کو مزید دھماکہ کرنے پر مجبور کر دیا اور دنیا نے بھارت کے موقف کو ابھی تک من حیث المجموع رد نہیں کیا لیکن اگر فوری برانگیختگی والے عمل کو بروقت نہ کیا جائے بلکہ چند دنوں کے وقفہ کے بعد کیا جائے تو عدالت

Marfat.com

ملزم کے موقف کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتی ہے اور وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوتی ہے کہ اب اس جرم کا ارتکاب باقاعدہ منصوبہ بندی اور سازش کے تحت کیا گیا ہے جس کے نتیجے میں وہ اسے سزا میں نرمی کا مستحق قرار نہیں دیتی اور اسے جو سزا ملنی چاہیے تھی وہی مل کر رہتی ہے اس لیے حکمران یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ "دیکھو اور انتظار کرو" کی پالیسی پر عمل پیرا ہو کر بعد میں دھماکہ کر لیں گے تو یہ ان کی بھول ہوگی بعد میں انہیں کون دھماکہ کرنے کا موقع دے گا؟ وہ تو پھر دھماکہ کرنے کے قابل بھی نہیں چھوڑے جائیں گے۔ ان حکمرانوں کے اردگرد ایسا جال بن دیا جائے گا کہ وہ اس جال سے لاکھ نکلنا بھی چاہیں نہیں نکل سکیں گے بھارت نے جو جو مقصد حاصل کرنے تھے وہ حاصل کر چکا ہوگا اور پاکستانی حکمران پھر ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔

حکمرانوں اور وزراء کا متزلزلانہ موقف کئی خدشوں کی نشاندہی کر رہا ہے ایک طرف وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے پاس تمام ضروری لوازمات موجود ہیں تو جب موجود ہیں تو ان کو استعمال کر کے اپنے موقف کی سچائی پر حق و صداقت کی مہر ثابت کر دیں وگرنہ ایسا دعویٰ کر کے دنیا اور قوم کو کیوں دھوکہ دے رہے ہیں؟ ایک شخص زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے اور اس کی جیب میں اس کی زندگی کی بقا کا نسخہ بھی موجود ہے اور اس نسخہ کے مثبت و منفی دونوں اثرات بھی ہیں کیا وہ اس نسخہ کو جیب میں چھپا چھپا کر اور اس کے منفی اثرات کا تذکرہ کرتے کرتے کب تک اپنے آپ کو زندہ رکھ سکے گا؟ جب کہ وہ بخوبی جانتا ہے کہ اس کی زندگی کی بقا اس نسخہ کے استعمال ہی میں مضمر ہے جب تک حکمرانوں کی نگاہیں منفی اثرات پر منجمد رہیں گی وہ نہ اپنے آپ کو بچا سکیں گے اور نہ ملک و وطن کو محفوظ رکھ سکیں گے اور جتنی جلدی ان کی نگاہیں مثبت اور پائیدار اثرات پر مرتکز ہونگی اتنی ہی ملک و وطن کے لیے ہی بہتر ہونگی۔

خالق ارض و سما کی سچی اور برحق کتاب القرآن کیا مسلمانوں کے ذہن و قلوب اور کپڑوں کے نفیس اور عمدہ جزدانوں میں موجود نہیں ہے؟ کیا اس کتاب المقدس کے برحق ہونے میں شک ہے؟ کتاب عظیم کی موجودگی اور گھروں میں رکھے جانے کے باوجود بھی "نسخہ کیمیا" وہ رہنمائی اور فائدہ کیوں نہیں پہنچا رہا ہے۔ جو حقیقی معنی میں فائدہ پہنچایا جانا چاہیے؟ اس لیے وہ پڑھنے والوں سے "عمل" کا تقاضا کرتی ہے عمل کا اظہار ہی مسلمانوں کو ترقی کے بام عروج پر پہنچا جائے گا صرف اور صرف کتاب عظیم کے اپنے پاس ہونے کے دعویٰ کرنے سے کافر نہ گھبرایا ہے نہ ڈرا ہے اور نہ خوفزدہ ہوا ہے اسے صرف یہی خوف دامن گیر ہے کہ کہیں

Marfat.com

مسلمان قرآن کے احکامات پر عمل ہونے کے لیے تیار نہ ہو جائیں۔ ''کتاب'' کی موجودگی اور چیز ہے اور اس پر عمل پیرائی دوسری چیز ہے۔ ایٹم بم کے لوازمات کے وجود سے کافر اتنا نہیں گھبرا رہا ہے۔ جتنا ایٹم بم کے عملی مظاہرہ کی صورت سے دھماکہ سے گھبرا رہا ہے اس لیے اس کی پوری کوشش یہی ہے کہ دھماکہ سے پہلے ہی حکمرانوں کا ''دھماکہ'' کر دیا جائے اور قرآن تو یہ تعلیم دے رہا ہے۔

''بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دے رہے ہو جبکہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔''

حال اور سابق حکمرانوں کے طرز عمل سے آہستہ آہستہ یہ بات واضح ہوتی چلی جا رہی ہے کہ موجودہ حکمران ایٹمی دھماکہ کرنے کے بارے میں ابھی تک کش مکش کا شکار ہیں اور ان کے طرز عمل سے، اخباری بیانات سے، انٹرویو سے اور وزراء کے متضاد بیانات سے اس امر کو تقویت مل رہی ہے کہ وہ ایٹمی دھماکہ نہ کرنے کے بارے میں ذہنی طور پر تیار ہو چکے ہیں۔ اب صرف سوال یہ درپیش ہے کہ عوام کو دھماکہ نہ کرنے کے بارے میں کس طرح مطمئن کیا جائے؟ اور کس طرح عوام میں سرخ روئی حاصل کی جائے؟ ایک طرف عوام بھارت کے مقابلے میں کسی بھی قسم کی سستی، کاہلی، کمزوری اور بزدلی کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور نہ ہی وہ ایسے حکمرانوں کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں جو بھارت کے بارے میں نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ دوسری طرف نام نہاد دانشوراں قوم میں سے جو شخصیات بھارت کی ہم نوائی میں بیانات دینا چاہتی ہیں وہ بھارت کے مذموم عزائم کی مذمت کی بجائے اس کو معاشی مسائل کی خوفناک صورت حال کے حوالے سے ذکر کر کے عوام کی توجہ کو اصل مسئلہ سے ہٹانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ تیسری طرف سابق حکمران ''ایٹمی دھماکہ'' کرنے کے بارے میں جو زوردار بیانات داغ رہے ہیں وہ اس امر کی چغلی کھا رہے ہیں کہ انہیں ان کے آقاؤں نے یقین دہانی کرادی ہے کہ موجودہ حکومت سے ''ایٹمی دھماکہ'' نہ کرنے کے بارے میں معاملات طے پا چکے ہیں اس لیے وہ ان آقاؤں سے اپنے مستقبل کے بارے میں تو مایوسی کا شکار ہیں البتہ وہ عوام میں اپنی مقبولیت کو قائم رکھنے کے لیے ایسے بیانات دے رہے ہیں جس میں یہ تاثر ابھارا جائے کہ ایٹمی دھماکہ نہ کرنے کے بارے میں سب سے بڑی رکاوٹ موجودہ حکمران ہیں اس لیے کیوں نہ ان کے خلاف تحریک چلوائی جائے۔ اور اس طرح ہر شکاری اپنے اپنے شکار کی تلاش میں مصروف عمل ہے غالباً ان کو یہ معلوم ہو گیا ہے کہ موجودہ حکمران چونکہ دھماکہ کرنے

Marfat.com

کے موڈ میں نہیں ہیں اس لیے کیوں نہ عوامی ردعمل میں شریک ہو کر بھی ایک سیاسی پوائنٹ حاصل کر لیا جائے اور حکومت کے خلاف پائے جانے والے ردعمل میں مزید اضافہ کیا جائے۔

حکمرانوں کے پیش نظر یہ بات بھی رہنی چاہئے کہ دشمن دشمن میں فرق ہے وہ ممالک جو حکمرانوں کو ایٹمی دھماکہ نہ کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ ان کے اور دشمن بھی ہوں اور انہیں اپنے وضع دار دشمنوں ہی سے واسطہ پڑ رہا ہو اس لیے وہ پاکستان کے حقیقی دشمن بھارت .کیخلاف وہ تجربہ نہیں رکھتے جو پاکستان کو بھارت کے بارے میں ہے اور پاکستان کو بھارت ہی کے بارے میں کیا بلکہ سارے نام نہاد دوستوں کے بارے میں ایک جیسا ہی تجربہ ہے۔ کیا امریکہ برطانیہ وغیرہ ہمارے دفاعی رفیق نہیں تھے؟ انہوں نے کب ہمارے ساتھ کیے ہوئے دفاعی معاہدوں کو طے شدہ شرائط کے مطابق پورا کیا ہے؟ 1965 اور 1971ء کی جنگیں ان معاہدات کے ہوتے ہوئے ہی ہوئی ہیں تو کیا ان جنگوں میں ان طاقتوں کو اپنے ساتھ کیے ہوئے معاہدوں کے پورا کرنے کی کبھی توفیق ملی؟ پاکستان پر جن پابندیوں کے عائد کرنے کی وہ دھمکیاں دے رہے ہیں وہ پابندیاں تو ایک عرصہ سے پاکستان پر عائد ہیں ان پابندیوں کے باوجود پاکستان بفضل تعالیٰ موجود ہے اور موجود رہے گا۔ اس لیے حکمرانوں کو مزید پابندیوں کے عائد ہو جانے سے گھبرانا نہیں چاہیے۔

حکمرانوں کو اپنے نام نہاد دوستوں پر یہ بات بھی واضح کرنی چاہیے کہ پاکستان کے قیام میں ہندوؤں کے طرز عمل کا بھی ایک کردار رہا ہے اور ان کے اس کردار نے ہی ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک الگ مسلم ریاست کے تصور کو عملی جامہ پہنایا تھا بھارت کے ہندوؤں کا جو کردار پاکستان کے قیام سے پہلے مسلمانوں کے ساتھ رہا ابھی تک اس کردار اور سلوک میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ بلکہ وہ منفی کردار پاگل پن کی حدود کو چھونے لگا ہے اور یہ سب دھماکے اس طویل کشمکش کا نتیجہ ہیں۔ معاہدات کے تحفظ کی امید کسی ایسے شخص سے تو کی جاسکتی ہے جو ذاتی طور پر اچھی صفات کا حامل ہو لیکن ایسی قوم سے نہیں کی جاسکتی جو من حیث المجموع پاکستان کے وجود ہی کی دشمن ہو۔ کچھ خصوصیات من حیث المجموع قوم کی ہوتی ہیں اور کچھ خصوصیات کا تجزیہ اور فیصلہ من حیث المجموع اکثریت کی بنیاد پر ہوا کرتا ہے اور افراد سے فرداً فرداً ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ ایک شخص بری سوسائٹی اور بری قوم میں رہنے کے باوجود اچھی صفات کا حامل ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی فرد اچھی سوسائٹی اور اچھی قوم میں رہنے کے باوجود بری صفات کا حامل ہو لیکن

Marfat.com

قوموں میں من حیث المجموع افراد کا لحاظ ہوتا ہے اس لیے ان میں ایک یا دو افراد کے اچھے ہو جانے سے وہ قوم اچھی نہیں بن جاتی، ممکن ہے کہ حکمرانوں کو ذاتی طور پر اچھے ہندو سے واسطہ پڑا ہو اور وہ اس کے کردار سے متاثر ہو گئے ہوں اس لیے ان کی سوچ میں وہ مضمرات نہ آسکے ہوں جو من حیث المجموع اس قوم کے ہیں اس لیے حکمران اوران کے وزراء یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ ہندو کے ہمیشہ دو روپ رہے ہیں جس روپ میں سے وہ حکمرانوں سے ملاقاتیں کرتے ہیں وہ روپ اس سے بالکل مختلف ہے۔ جس کا اظہار وہ بھارت میں عوام سے کرتے ہیں ہندو کا مسکرانا اور نمستے سے مغرب اوراس کے پرستار تو دھوکہ کھا سکتے ہیں ایک پاستانی نہیں کھا سکتا۔ حکمرانوں کو حکمران بن کر نہیں بلکہ ایک پاکستانی کی حیثیت سے ایٹمی دھماکے کے بارے میں غور کرنا چاہیے ایٹمی دھماکہ کے بعد اس کا اگلا قدم کشمیر کی جانب اٹھ رہا ہے اوراس کے ابتدائی اقدامات کا اندازہ بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ اگر بھارت کے کشمیر کی جانب اٹھنے والے عملی اقدامات کے بعد ایٹمی دھماکہ کیا گیا تو اس وقت تک اتنی تاخیر ہو چکی ہوگی جو حکمرانوں کے کسی کام نہ آئے گی۔ وہ دھماکہ مغربی دنیا کی نگاہ میں پھر بھی اسی طرح باعث ملامت ہوگا جس طرح آج ہے۔ وہ حکمرانوں کے اس جواز کو کبھی بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے کہ بھارت کے حملہ کی بنا پر مجبوری کی وجہ سے کیا گیا ہے وہ پھر بھی حکمرانوں کو یہی کہہ کر ملامت کریں گے کہ آخر ہماری آمد کا انتظار ہی کرلیا جاتا آخر یو این او کے قراردادوں کا لحاظ ہی کرلیا جاتا اور آخر سلامتی کونسل کے ویٹو کا انجام ہی دیکھ لیا ہوتا جبکہ پاکستان ان تمام مراحل کے 1947، 1965 اور 1971 میں گزر چکا ہے اوراس امر کا تلخ تجربہ رکھتا ہے کہ بھارت کی نگاہ میں یو این او سلامتی کونسل اور سپر طاقتوں کی حیثیت کیا ہے؟ کیوں نہ اس کمیٹی کی جنگ کے آغاز سے پہلے ہی ایٹمی دھماکہ کر کے ہندوستان کو کشمیر پر حملہ کرنے سے روک دیا جائے۔ کشمیر پر حملہ کرنے کے بعد دھماکہ کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ حملہ سے پہلے ہی ایٹمی دھماکہ کر دیا جائے۔

معیشت اوراقتصادیات کی ترقی کی بنیاد خارجی امدادی مراحل سے کہیں زیادہ داخلی عوامل پر ہوتی ہے اور یہی اقتصادیات کا بنیادی اصول ہے یہ حکمرانوں کی بھول ہے کہ مغربی طاقتیں پاکستانی معیشت کے استحکام کے بارے میں مخلص ہیں انہیں پاکستان کی معیشت کے استحکام سے نہیں بلکہ اپنے اقتصادی مفادات سے غرض ہے وہ اس امر کو بخوبی جانتی ہیں کہ اگر پاکستان ایٹمی دھماکہ کے بعد استحکام کی طرف رواں دواں ہو گیا تو ان کے ہاتھوں سے ایک

Marfat.com

بہت بڑی منڈی نکل جائے گی۔ اس لیے وہ اپنی منڈی کو اپنے ہاتھوں سے کھونا نہیں چاہتے اور ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے انہوں نے اپنے ایجنٹ وزراء اور بیوروکریٹس کی شکل میں حکمرانوں کے اردگرد مقرر کر رکھے ہیں جو حکمرانوں کو مستقبل کا حسین خواب دکھا کر ظلمتوں کی طرف دھکیل رہے ہیں جس میں وطن کی تباہی کے علاوہ کچھ نہیں۔

کیا بھارت پاکستان کی ترقی کی جانب قدم اٹھانے کی مہلت دے گا؟ مغربی امداد جب تک پاکستان پہنچے گی اس سے پہلے پہلے کشمیر پر حملہ ہو چکا ہوگا (نعوذ باللہ من ذالک) کیونکہ کشمیر کی آزادی بھارت سے زیادہ امریکہ کی ضرورت بن چکا ہے۔ افغانستان میں وہ جو کچھ حاصل کرنا چاہتا تھا وہ حاصل نہ کر سکا اس لیے اب اس کی نگاہیں کشمیر پر جم چکی ہیں اور کشمیر پر قبضہ کرنے کا حل امریکہ اور اسکے حواریوں کے نزدیک صرف ایک ہے کہ پاکستان کو ایٹمی دھماکہ کرنے سے روک دیا جائے اور اگر دھماکہ ہوگیا تو امریکی خواب ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور کون عقل مند اپنے خوابوں کو ریزہ ریزہ کرنا چاہتا ہے؟

خالق کائنات تو اشگاف الفاظ میں پیغام ہدایت عطا فرما رہا ہے:

''یہودی اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کی پیروی نہ کرنے لگے'' (البقرہ:۱۲۰)

ایک اور مقام پر مسلمانوں کو یہ حکم واضح انداز میں دیدیا ہے:

''اے ایمان والو! غیر (مسلموں) کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔ وہ تمہارے نقصان اور خرابی پہنچانے میں کبھی کوتاہی نہیں کریں گے۔ ان کی مدینہ سے بھی دشمنی ظاہر ہو جاتی ہے لیکن جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ کہیں زیادہ ہے۔'' (آل عمران:۱۱۸)۔

پاکستانیوں کے لیے زندگی اور موت کا سوال ہے لیکن حکمرانوں کے انداز فکر اور طرز عمل سے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ وہ ابھی تک بھارت کے ایٹمی دھماکہ کو 'بچوں کا کھیل'' سمجھ رہے ہیں اور وہ اس سے اسی انداز سے نبرد آزما ہونے کی تیاریوں میں مصروف ہیں جیسے بچے ''بموں'' کو ''کھلونا'' سمجھ کر طفلانہ حرکتیں کرتے ہیں اور اس کا اندازہ وزراء کی اس ٹیم سے بھی لگایا جاسکتا ہے جو ملک کے اندر سیاسی جماعتوں کے قائدین کے خیالات و نظریات جاننے کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ ان وزراء کی اس ٹیم سے بھی لگایا جاسکتا ہے جو ملک کے اندر سیاسی جماعتوں کے قائدین کے خیالات و نظریات جاننے کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ ان وزراء کو

Marfat.com

اتنے اہم مسئلہ پر فیصلہ کرنے کا کس قدر اختیار حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں؟ کیا ان وزراء کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ سیاسی زعماء کی تجاویز پر عمل پیرا ہونے کا نہ صرف وعدہ کریں بلکہ عمل بھی کرا سکیں؟ کیا ان وزراء کے فرائض میں صرف یہ ہے کہ وہ سامع بن کر ان کے خیالات کو اپنے ''باس'' تک پہنچا دیں۔ یا ان سیاسی زعماء کے خدشات کا الزالہ کا اختیار کس قدر حاصل ہے؟ جس طرح انسان خود اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کر سکتا ہے کیا دوسرا بھی کماحقہ اسی طرح ان جذبات و خیالات کو بیان کر سکتا ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو اصل فیصلہ کرنے والی شخصیت کس طرح ان سے آگاہ ہو کر فیصلہ کرنے کے لیے کسی نتیجہ پر پہنچ سکے گی؟ اس طریق کار میں ان خدشات و اعترافات کا ازالہ کیسے ممکن ہوگا؟ نیز وزراء اپنی اہمیت شخصیت اور کارکردگی کے مظاہر میں کہیں غیر اہم باتوں کو بڑھا چڑھا کر اور اہم باتوں کو سرسری انداز میں بیان کر کے ملاقات کے مقاصد کو فوت کرنے کے مجرم قرار نہیں پائیں گے؟ ایک ہفتہ گزرنے کو ہے وزراء وغیرہ کی ابھی ملاقاتیں ختم ہونے کو نہیں آ رہیں حالانکہ اگر حکمران اس ''دھماکہ'' کی اہمیت کو جان سکتے تو وہ پاکستان کے تمام سیاسی زعماء و قائدین سے ملک و وطن کے نام پر درخواست کر کے ایک دو دن کے وقفہ اور عزت و وقار کے ساتھ مشترکہ ملاقات کر کے انہیں مقاصد کو بہتر انداز سے حاصل کر سکتے تھے۔ فیصلہ کرنے والی قوتیں اور شخصیات تمام سیاسی زعماء کے خیالات و نظریات کو انہیں کی زبان سے اور انہی کے جذبات کی روشنی میں ایک مشترکہ اجلاس میں خود سنتیں، ان کے سوالات و خدشات کا جواب و ازالہ کرتیں، ان کی تجاویز و آراء پر جرح و تنقیح کر کے فوری طور پر بہتر نتائج حاصل کر سکتی تھیں وہ کام جو ایک ہفتہ میں نہیں ہو پا رہا وہ ایک اور دو دن میں اس سے کہیں بہتر انداز میں ہو جاتا۔ آخر غیر سرکاری طور پر بھی تو مختلف سیاسی پارٹیوں اور اداروں نے بھی تو حکومت سے کہیں پہلے ''آل پارٹیز کانفرنسیں'' منعقد کر کے مشترکہ موقف کو اختیار کرنے کی قابل ستائش کوششیں کی ہیں۔

لیکن یہ طرز عمل تو اس وقت اختیار کیا جا سکتا تھا جب اہم مقاصد کو فوراً حاصل کرنا مقصود مطلوب ہوتا لیکن جب مقصد انتظار اور انتظار ٹھہرا تو پھر وہی طریق کار اختیار کیا گیا۔ جس میں انتظار کی گھڑیاں طویل سے طویل تر ہو جائیں۔ خطرات سر پر منڈلا رہے ہوں تو زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا قومیں کیا اس طرح فیصلہ کیا کرتی ہیں؟ دشمن نے جنگ کا اعلان تو کر دیا ہے اور جنگ کے دوران فیصلے نہیں بلکہ ملک لمحات میں ہوا کرتے ہیں اور جو سپہ

Marfat.com

سالار سرعت کے ساتھ فیصلہ کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو وہ میدان جنگ میں کبھی کامیاب نہیں ہوا کرتا۔ وہ خود بھی ڈوبتا ہے اور قوم کو بھی لے ڈوب جاتا ہے پاکستان کی سیاسی و دینی جماعتیں اگر ملک و وطن سے مخلص ہیں تو وہ حکمرانوں کو سمجھانے کی بجائے قوم میں یہ شعور اور سوچ پیدا کریں کہ ان کی نجات صرف اور صرف ایٹمی دھماکہ کرنے ہی میں ہے اخباری اطلاعات کے مطابق جس طرح غیر ملکی طاقتوں نے ڈالروں اور پونڈوں پر اپنی پروردہ این جی اوز کو دھماکہ نہ کرنے کے حالات پیدا کرنے کا حکم دیا ہے تو اس کے مقابلے میں وطن کی حفاظت کے حوالے سے ہم میں سے ہر ایک کی ذمہ داری ہے اور ہم پر وطن کا قرض ہے کہ وہ حکومت کو دھماکہ کرنے پر مجبور کر دے چاہے جلوس نکال کر چاہے مضامین لکھ کر چاہے جلسے کر کے چاہے بیانات دے کر اور چاہے اجتماعات کر کے۔

ایٹمی دھماکہ نہ کرنے پر حکومت کی ترجیحات اور خطرات سے پہلو تہی کا اندازہ اس سے بھی بخوبی ہو جاتا ہے کہ اس نے سفارتی طور پر اس نازک اور اہم مسئلہ کو کس طرح اٹھایا ہے۔ کیا یہ مسئلہ اس قدر ہی غیر اہم تھا کہ ایک انتہائی قریبی وفادار اور مخلص ہمسایہ ملک سے معاملات طے کرنے کے لیے صرف ایک محکمہ کے سیکرٹری کو بھیجنے پر اکتفا کر لیا گیا ایک سیکرٹری جب غیر ملکی زعماء سے بات چیت کرے گا تو پروٹوکول اور آداب میزبانی و مہمانی کے مطابق وہ اپنے عہدہ شخصیت ہی سے بامقصد مذاکرات و ملاقات کر سکتا ہے زیادہ سے زیادہ غیر ملکی حکمران یا ذمہ دار شخصیت سے الوداعی ملاقات کر پائے گا یا وہ اپنے ملک کے سربراہ کا پیغام پہنچا سکے گا تو اس طرح کی ملاقات میں وہ اس ملک کے صدر یا وزیراعظم یا ذمہ دار شخص سے کیا معاہدہ طے کر پائے گا؟ اور اس طرح کے معاہدات یا یقین دہانیوں کی کیا اہمیت ہوگی؟ بین الاقوامی معاملات میں اس طرح کی غیر سنجیدگیاں مثبت کی بجائے منفی اثرات مرتب کرتی ہیں سیاسی معاملات کو سیاسی انداز اور سفارتی معاملات کو سفارتی اطوار و انداز ہی سے حل کیا جائے تو ملک و وطن کے لیے بہتر نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ معاملہ اگر کسی آقا کے ملک کے سیکرٹری کا ہو تو سیکرٹری تو کیا بے اختیار ''سفیر'' بھی سب کچھ منوالیا کرتا ہے اور جب معاملہ غلام جیسے ملک کا ہو تو غلام ملک کے سیکرٹری سے بھی غلاموں جیسا ہی سلوک روا رکھا جاتا ہے۔

طبقہ ''انتظاریہ'' پچھلے بارہ دنوں سے بین الاقوامی رد عمل کا انتظار کر رہا ہے اور اسے اس اعلامیہ اور فیصلہ ہی سے اندازہ کر لینا چاہیے جو جی 8 کی سربراہی کانفرنس نے شرکاء کے

Marfat.com

بھارت کے بارے میں کیا ہے یہ کانفرنس عام سیکرٹریوں اور نمائندگان کی نہیں تھی بلکہ سرمایہ کاری میں انتہائی ترقی یافتہ اور تسلیم شدہ ممالک کے سربراہوں کی کانفرنس تھی کانفرنس کا اعلامیہ ان افراد کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے جو دھماکہ کے بعد ملک کی معیشت کی زبوں حالی کی افواہیں اڑا رہا ہے۔ یقیناً دھماکہ کے بعد بعض ممالک کی جانب سے امداد بند ہو جائے گی لیکن کتنے عرصے کے لیے؟ زیادہ سے زیادہ ایک سال یا دو سال کے لیے اس سے زیادہ یہ ممالک اپنی امداد نہ دینے کو روک نہیں سکتے کیونکہ امداد دینا ان ممالک کی مجبوری ہوتی ہے کیا یہ ممالک اپنی ساری کی ساری امداد بغیر سود کے دیتے ہیں؟ آٹے میں نمک کے برابر صرف چند فنڈز ایسے ہوتے ہیں جن میں بغیر سود کے امداد ہوتی ہے وگرنہ ساری رقم سود در سود وصول کیا جاتا ہے وہ کون سا ایسا تاجر ہے جو اپنی تمام کاروباری رقم بغیر منافع کے کسی کو ادھار دے دے؟ وہ کون سا ایسا صنعتکار ہے جو اپنی تمام مصنوعات بغیر منافع کے فروخت کر دے؟ اگر واقعی دھماکہ کے بعد ان ممالک کی طرف سے امداد دینا مستقل طور پر بند ہو چکا ہوتا تو پھر بھارت کے پہلے دھماکہ کے بعد دوبارہ ان ممالک نے امداد دینی شروع کیوں کی؟ کیونکہ یہ ممالک امداد ہی کی آڑ میں امداد لینے والے ملک کی معیشت کو کنٹرول کرتے ہیں کیا کوئی سپر طاقت چاہے گی کہ اس قدر جغرافیائی اہمیت کا حامل ملک اس کے تصرف سے نکل جائے؟ کوئی تاجر اپنے خزانہ کو جمع کر کے نہیں رکھا کرتا اس کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے جمع شدہ خزانہ سے مزید زیادہ سے زیادہ منافع کمائے اور یہی مجبوری بین الاقوامی سرمایہ دار ممالک کی ہوتی ہے کہ وہ امداد دے کر زیادہ سے زیادہ منافع کمانا چاہتے ہیں اس لیے امداد دینا ان کی مجبوری ہے۔

اگر ایٹمی دھماکہ ملکی معیشت کو تباہ و برباد کرنے کا ذریعے بنتا تو سب سے پہلے دھماکہ کے بعد بھارت کی معیشت تباہی و بربادی کا نشانہ بنتی اور بھارتی دھماکہ کے بعد بھارت کی سٹاک مارکیٹ کریش ہو چکی ہوتی لیکن صورتحال اس کے بالکل برعکس ہے دھماکہ بھارت کر رہا ہے اور سٹاک مارکیٹ دھماکہ نہ کرنے والے ملک پاکستان کی کریش ہو رہی ہے گزشتہ دو دنوں میں پاکستان کی سٹاک مارکیٹ میں پہلے دن مارکیٹ انڈیکس 52 پوائنٹ گری اور دوسرے روز مزید 69 پوائنٹ گر گئی جبکہ بھارت کی سٹارک مارکیٹ میں کمپنیوں کے حصص کی قیمتیں بڑھ گئیں اور یہ دنیاوی نقصانات اس لیے ہو رہے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو فراموش کر دیا ہے وگرنہ اللہ تعالیٰ کا فرمان تو بالکل واضح ہے:

Marfat.com

"اے ایمان والو! اگر تمہیں آسودگی حاصل ہو تو ...... (کافروں) کو بری لگتی ہے اور اگر تمہیں برائی (نقصان) ہوں تو خوش ہوتے ہیں اور اگر تم تکلیفوں کو برداشت اور ان سے کنارہ کشی کرتے رہو گے تو ان کا فریب تمہیں کچھ.......... نقصان نہ پہنچا سکے گا یہ جو کچھ کرتے ہیں خدا اس پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔"

دانش وروں کا طبقہ ہر زمانہ میں موجود رہا ہے جو اپنی دانش وری کے زور پر آسمانوں سے تارے بھی توڑ کر لاتا رہا ہے اور اگر یہ طبقہ خوش قسمتی یا بدقسمتی سے حکومت کے ایوانوں میں داخل ہو جائے تو پھر اکبر کے نورتنوں کی طرح حکمرانوں کو اسی مقام پر پہنچا کر دم لیتا ہے جہاں انہوں نے اکبر کو پہنچا دیا تھا اب یہ حکمران کی صلاحیت پر موقوف ہے کہ وہ ان دانشوروں کی دانشورانہ چالوں میں آ کر اکبر بنتا ہے یا ان سے بچتا ہوا "جہانگیر" بن جاتا ہے۔ حقیقی اور نام نہاد دانش ور طبقہ میں ایک امتیازی فرق یہ بھی ہے کہ نام نہاد "دانش ور" اپنے اور اپنے دنیاوی آقا کے مفادات کے پس منظر میں رہ کر دانش کی "جگالی" کرتا ہے جبکہ دوسرا طبقہ قرآن و حدیث کی تعلیمات کی روشنی میں اپنی کم فہمی کو جلا بخشنے کی کوشش کرتا ہے۔

جہاد کی فرضیت کے وقت بھی آج ہی کی طرح دنیا دو طاقتوں میں منقسم تھی۔ ایک طرف کفر کی طغیانی تھی جس کے پاس اپنے زمانے کے اعتبار سے دنیا کے اعلیٰ سے اعلیٰ ترین ہر طرح کے ہتھیار موجود تھے ہر قسم کے دنیاوی سامان سے آراستہ و پیراستہ تھے۔ مال و زر ان کے قدموں میں بچھا جاتا تھا۔ فارس و روم اپنے وقت کی سپر طاقتیں بنی ہوئی تھیں اور دوسری طرف نہتے بے یار و مددگار فقر و فاقہ میں مبتلا ضعیف و ناتواں مسلمان تھے جو کسمپرسی کی زندگی گزار رہے تھے اور دونوں کے طرز زندگی گزارنے کے اسلوب میں دنیاوی درجہ بندی میں کوئی مطابقت نہ تھی۔ اس وقت بھی آج کی مانند بین الاقوامی حالات پر گہری نظر رکھنے والے موجود تھے وہ بھی بین الاقوامی معاملات کو معروضی شکلوں میں لا لا کر دیکھا کرتے تھے ان کے ذہنوں میں بھی یہ بات بٹھا دی گئی تھی یہ ناتواں مسلمان کس طرح کافروں کا مقابلہ کر پائیں گے۔ لیکن تاریخ خود اس امر پر شاہد ہے کہ انہیں بے آسرا مسلمانوں نے اپنی قوت ایمانی کے بل بوتے پر ان دونوں سپر طاقتوں کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا۔ مسلمان نے تیری اور اپنی تیئں کوششوں کے بعد جب بھی خدائے بزرگ برتر کی ذات مقدسہ پر توکل اور بھروسہ کرنے کے بعد عملی قدم اٹھایا ہے تو اس ذات والا قدس نے مسلمانوں کو فتح و کامرانی سے ہم کنار ہی کیا ہے

Marfat.com

اور اسی فتح و کامیاب کا پیغام دیتے ہوئے وہ مسلمانوں سے فرمارہا ہے: ''اے مومنو! اور سستی نہ کرو اور نہ غم کھاؤ، اگر ایمان رکھتے ہو تو تم ہی غالب آؤ گے۔ (آل عمران:139)
خالق حقیقی مسلمانوں کو یہی پیغام دے رہا ہے کہ دشمنان اسلام کے مقابلے میں سختیوں سے گھبرا کر سستی اور نامردی کے جذبات واحساسات اپنے اندر پیدا نہ کرو۔
آنے والے حوادث و مصائب سے خوفزدہ ہو کر اور ان کے غم میں بیٹھ کر اپنے آپ پر نحوست کی کیفیت طاری کرنا مسلمان کا شیوہ نہ رہا ہے نہ ہے۔ اس پیغام کو ایک اور مقام پر اس انداز میں دھرایا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے ''اے مومنو! پس تم سستی نہ کرو (یعنی دشمن کے مقابلے میں کمزوری نہ دکھاؤ) اور (انہیں) صلح کی طرف نہ بلاؤ اور تم ہی غالب آؤ گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ ہرگز تمہارے کاموں میں تمہیں نقصان نہ دے گا۔'' (محمد:35)
اس آیت مقدسہ میں بھی مسلمانوں کو یہی پیغام دیا جارہا ہے کہ جنگ کی سختیوں سے گھبرا کر صلح کی طرف نہ دوڑو۔ وگرنہ اس کے نتیجے میں دشمن شیر ہو کر تمہیں دباتا چلا جائے گا اس فرمان کی سچائی اور صداقت کو مسلمانوں نے ایک مرتبہ نہیں ہزاروں مرتبہ دیکھا بھی ہے اور آزمایا بھی ہے صلح جن شرائط پر ہونی چاہیے اور قرآن نے جن شرائط کا ذکر کیا ہے اس کی بنیاد دنیاوی مصلحت کوشی پر نہیں ہے۔ اس لیے فرمارہا ہے کہ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں اگر تم صبر واستقامت اور خدا کے احکامات پر ثابت قدم رہو گے تو خدا تمہارے ساتھ ساتھ ہوگا اور تمہیں انجام کار غالب ہی فرمائے گا اور کسی حالت میں بھی تمہیں نقصان میں نہیں رکھے گا اور نہ رہنے دے گا اور قرآن کے احکامات کا یہ خاصا ہے کہ یہ ہر زمانہ کے لیے اسی طرح کارگر ہیں جیسے ماضی میں رہے گا اور قرآن کے احکامات کا یہ خاصا ہے کہ یہ ہر زمانہ کے لیے اسی طرح کارگر ہیں جیسے ماضی میں رہے ہیں۔ جس طرح نصرت الٰہی ماضی میں ساتھ ساتھ رہی ہے اسی طرح حال اور مستقبل میں بھی ساتھ ساتھ رہے گی لیکن شرط صرف یہی ہے کہ ''تم مومن رہو۔''
انسانیت کی فلاح و کامرانی کے دعویداروں سے سپر طاقتوں کے ''کف گیروں'' سے اور یہود و نصاریٰ کے ایجنٹوں سے ایک سیدھا سادھا انسان یہ سوال کرتا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ ایٹمی ہتھیار بہت نقصان دہ ہیں تو انصاف کے کس اصول کے تحت یہ جائز قرار پایا کہ اگر یہ ہتھیار امریکہ، روس، برطانیہ، چین، اسرائیل اور بھارت کے پاس ہوں تو درست ہیں لیکن اگر پاکستان، ایران، عراق، لیبیا کے پاس ہوں تو ہلاکت خیز بن جائیں۔ جب ہتھیار ایک ہی کے طرح کے ہیں تو وہ جس کے پاس بھی ہونگے تو ہلاکت خیزی ہی بپا کریں گے کیا اگر امریکہ کسی

Marfat.com

وقت اپنا ایٹمی ہتھیار استعمال کرے گا تو وہ ہلاکت خیزی کی بجائے امن کے پھول نچھاور کرلے گا؟ کیا امریکہ اور روس کی ایٹمی ہتھیاروں کی آپس میں "دھینگا مشتی" ہو جائے تو دنیا میں اس کی مالا کی پتیوں سے گل برتیں گے؟ یہ عجب فلسفہ ہے کہ جب ہلاکت خیز ایٹمی ہتھیاروں کسی کافر ملک کے پاس ہوں تو نسل انسانی کی بقا اور ان کی ترقی کا ذریعہ بن جائیں اور اگر کسی مسلمان ملک کے پاس ہوں تو نوع انسانی کی ہلاکت کا ذریعہ قرار پائیں؟ جب دونوں کے پاس ہی نہیں ہلاکت خیز ہتھیار ہیں تو دونوں کے پاس ہی نہیں ہونے چاہئیں۔ اور اگر یہ ہلاکت خیزی نہیں پھیلاتے تو دونوں کے پاس رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے؟ یہود و نصاریٰ کے یہی امتیازی قوانین اور موقف ان کی دوغلی پالیسی کی منافقت کو ظاہر کردیتے ہیں کہ اصل مسئلہ ایٹمی ہتھیاروں کی موجودگی نہیں ہے بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ کسی بھی مسلمان ملک کے پاس ایٹمی ہتھیار نہیں ہونے چاہئیں۔

حکومت کے لیے نجات کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہ خالق کائنات کے پیغام کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلام کی تعلیمات پر سچے دل سے عمل کرنے کا پختہ ارادہ باندھتے ہوئے ایٹمی دھماکہ کردے وقتی تکالیف، تنگیوں، آزمائشوں اور عارضی امتحانات کے جھمیلوں میں پڑے بغیر سود و زیاں میں "تاجرانہ" موقف اختیار کیے بغیر اس راہ پر گامزن ہو جائے جس راہ پر چلنے کا حکم حکومتیں عطا کرنے والی "ذات مقدسہ" نے دیا ہے اسی میں ہم سب کی نجات ہے ورنہ وہ وقت دور نہیں کہ ہماری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

ایٹمی دھماکہ کرنے یا نہ کرنے کے متعلق اگر حکومت کو حتمی فیصلہ تک پہنچنے میں مشکلات محسوس ہو رہی ہیں تو اس کا جمہوری طریقہ یہی ہے کہ وہ قوم، قوم کے نمائندوں اور قوم کے قائدین کو اعتماد میں لے۔ اب تک تو وہ سیاسی اور غیر سیاسی، مذہبی اور غیر مذہبی، ملکی اور غیر ملکی شخصیات سے ان کا عندیہ ہی معلوم کرتی رہی ہے اور ان کے خیالات و آراء سے آگاہی اور اپنی مجبوریوں کا اظہار ہی کرتی رہی ہے لیکن اس طویل طریق کے اندر وہ کسی نتیجہ پر پہنچی ہے قوم اس کی وجہ جاننے کی خواہش مند ہے تاکہ وہ بھی اس فیصلہ کے نتیجے میں مستقبل کے پروگرام طے کر سکے اس گومگو کی پالیسی کے نتیجے میں ملک کی صنعتی، معاشی، کاروباری، تجارتی اور معاشرتی سرگرمیوں پر دن بدن منفی اثرات میں اضافہ ہوتا جارہا ہے اور جس کا مشاہدہ معاشرے میں رہنے والا ہر فرد محسوس کر رہا ہے۔

Marfat.com

حکومت نے ان دو ہفتوں کے درمیان یقیناً کوئی ایسی رپورٹ تیار کرلی ہوگی جس میں سود و زیاں میں مقابلہ کرتے ہوئے منفی یا مثبت سفارشات بھی پیش کی ہونگی اور اگر وہ کوئی ایسا شعبہ یا سیل قائم نہیں کر سکی ہے تو اسے پہلی فرصت میں ایسا سیل قائم کر لینا چاہیے تا کہ قومی فیصلہ کرنے میں مدد مل سکے اگرچہ مختلف اہل قلم نے انتہائی قیمتی معلومات فراہم کردی ہیں اور انہوں نے بالتفصیل مضامین، بیانات، اداریوں، تجزیوں اور رپورٹوں میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث بھی کی ہے اور ابھی تک یہ سلسلہ جاری ہے لیکن یہ صرف آراء پیش کر سکتے ہیں ان پر فیصلہ نہیں کر سکتے ہیں فیصلہ بہر حال حکومت ہی نے کرنا ہے اور حکومت کو فیصلہ کرنے میں آسانی رہے گی کہ وہ دیکھے کہ اب تک ملک میں اس بارے میں کیا چھپ چکا ہے اور عوامی نکتہ نظر کیا ہے۔ نیز وہ دیکھے کہ:

1- عوام نے من حیث المجموع کیا رائے قائم کی ہے؟ اگر عوام ایٹمی دھماکہ کرنے کے بارے میں فیصلہ کر چکے ہیں تو کیا انہیں اس فیصلہ کے مضمرات اور نقصانات کو برداشت کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار کیا گیا ہے؟ اور انہیں اس امر کے لیے بھی تیار کر لیا گیا ہے کہ انہیں چند ماہ یا سال تک مزید قربانیاں پیش کرنی پڑیں گی اور ان متوقع قربانیوں کی فہرست میں یہ یہ چیزیں شامل ہیں۔

2- بیوروکریٹس (نوکر شاہی) جنہوں نے حکومت کی پالیسیوں پر عمل کرنا اور کرانا ہے ان کی اس بارے میں اپنی سوچ کیا ہے کیونکہ حقیقی حکمران تو وہی ہیں کیا وہ بھی ملک و وطن کی خاطر قربانیاں پیش کرنے کے لیے تیار ہیں؟ کیا وہ ملکی بجٹ کے غیر ترقیاتی اخراجات پر کنٹرول کرنے کے لیے تیار ہو چکے ہیں؟ کیا وہ اپنے آراستہ و پیراستہ دفاتر اور محلات کی آرائش و زیبائش میں قومی خزانے کو اپنے اللوں تللوں میں خرچ کرنہ کرنے کے بارے میں ذہنی طور پر تیار ہو چکے ہیں یا فیصلہ کے بعد انہیں تیار کیا جائے گا؟ کیونکہ دھماکہ کرنے میں ایک بڑی رکاوٹ بیوروکریسی کا رویہ بھی ہے۔

3- کیا حکمران طبقہ جن میں صدر، وزیر اعظم، گورنر، وزراء اعلیٰ، وزیروں اور مشیروں کی فوج ظفر موج اپنے قائم کردہ جھوٹے وقار کو ترک کرنے اور اپنے گھروں اور محلات پر قومی خزانے کو لٹانے کو ترک کرنے پر ذہنی اور عملی طور پر تیار ہو چکے ہیں اور کیا وہ حکمرانی کے عہدے پر فائز ہوئے عامیانہ اور سیدھی سادھی زندگی گزار سکیں گے؟

4- ایٹمی دھماکہ کرنے کے بعد معاشی بدحالی کا جو تصور ابھارا گیا ہے کیا اس میں ہر طبقہ کا

Marfat.com

سرکاری ملازم اپنے غیر ترقیاتی اخراجات میں کمی کرنے اور اپنے دفاتر کی آرام دہ زندگی کو تھوڑے عرصے کے لیے داغ مفارقت دے کر سادہ زندگی کے لیے آمادہ ہو چکا ہے کیونکہ بیوروکریٹس کو سرکاری طبقہ کے بارے میں یہ یقین کی حد تک یہ خدشات پائے جا رہے ہیں کہ وہ جن آرام دہ ماحول کا خوگر ہو گیا ہے اسے ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکے گا وہ عوام سے قربانی لینے کا طالب ہے قربانی دینے کا نہیں۔

-5 جاگیردار، سرمایہ دار اور ناجائز ذرائع سے دولت کے انبار لگانے والے کیا اسی طرح معاشرے میں طبقاتی کشمکش کو جاری رکھیں گے یا ان سے بھی ملک و وطن کے نام پر قربانیاں طلب کر کے طبقاتی درجہ بندی میں کمی کی جائے گی۔

-6 غیر ملکی امداد پر پلنے والی این جی اوز کے بارے میں حکومت کی پالیسی میں کیا تبدیلیاں واقع ہوں گی فیصلہ اگر ایٹمی دھماکہ کرنے کے بارے میں ہوا (جس کا امکان ابھی تک کم ہے) تو انہیں پھر بھی قوم میں احساس کمتری پیدا کرنے کی کھلی چھٹی دی جاتی رہے گی یا حکومت میں اتنی جرات پیدا ہو سکے گی کہ وہ این جی اوز کو ملنے والی امداد کو خود اپنی نگرانی یا اپنے تصرف میں لا کر خرچ کر سکے۔

-7 امید ہے کہ حکومت کے قائم شدہ سیل نے باقاعدہ ایسی رپورٹ بھی تیار کر لی ہو گی جس میں اس امر کی پوری تفصیل موجود ہو گی کہ کتنے غیر ملکی حکمرانوں، سفیروں، نمائندوں وغیرہ نے دھماکہ کے بارے میں اپنا کیا کیا عندیہ ظاہر کیا ہے اور دھماکہ کرنے کے بعد کن کن امور کی دھمکیاں دی ہیں یا کن کن رکاوٹوں کو خود پیدا کرنے کا عندیہ دیا ہے۔

-8 اس سیل نے اس قسم کی رپورٹ بھی تیار کر لی ہو گی جس میں دوست ملکوں اور خصوصاً اسلامی ملکوں کا رویہ دھماکہ کے بعد کیا ہو گا؟ اور کیا اسلامی ملک ایسا ہی کردار کریں گے جیسا عراق لیبیا ایران اور مصر کے بارے میں ماضی میں کر چکے ہیں یا اب ان رویوں میں عملی طور پر کیا فرق متوقع ہے۔

-9 جہاں تک خالص سیاسی جماعتوں کے قائدین کا تعلق ہے ان کے بارے میں سیل نے اس امر کا جائزہ بھی لیا ہو گا کہ ان کے مطالبات کے پیچھے کیا کیا عوامل کارفرما ہیں ایک انتہائی اہم شخصیت نے اپنی نجی گفتگو میں اس امر پر تعجب کا اظہار کیا کہ

Marfat.com

لوگوں کو ابھی تک یہ نہیں معلوم کہ محترمہ اتنے شدومد سے ''دھماکہ'' کرنے کا مطالبہ کیوں کر رہی ہیں؟ جبکہ انہیں دو مرتبہ اقتدار پر فائز ہونے کا موقع بھی حاصل ہو چکا ہے دینی قائدین کے بارے میں تو جذبہ جہاد کے پس منظر میں اصرار سمجھ میں آتا ہے لیکن محترمہ کا مغرب کے آقاؤں کے خلاف میدان عمل میں نکلنا خالی از علت نہیں تو انہوں نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ اصل میں بات یہ ہے کہ یہ تو یقینی بات ہے کہ دھماکہ کے بعد غیر ملکی امداد بند ہو جائے گی اور اس آڑ میں محترمہ کا وہ تمام سرمایہ جو یورپ کے اندر محفوظ ہے اور محفوظ ہو جائے گا اور اس کی حفاظت کے امکان اس لیے بھی بڑھ جائیں گے کہ ''اسلامی دھماکہ'' کے خلاف یورپ میں اسلام دشمنی اتنے عروج پر پہنچے گی کہ وہ ہر اس کوشش کو ناکام بنانے کے درپے ہو جائیں گے جس سے پاکستان کو معاشی طور پر استحکام ملتا نظر آئے گا ان کی حتیٰ المقدور کوشش یہ ہوگی کہ پاکستان کے خزانے میں غیر ملکی کرنسی کم سے کم جمع ہو تاکہ پاکستان کے خزانہ میں غیر ملکی کرنسی نہ ہونے کے بعد مالیاتی عدم توازن پیدا ہو جائے اور اس کی تائید سابق صدر فاروق لغاری صاحب کے اس بیان سے بھی ہو رہی ہے کہ ان کی معلومات کے مطابق آصف زرداری اور بینظیر کے ڈیڑھ ارب ڈالر (گویا 75 ارب روپے تقریباً) بیرون ممالک میں ہیں اور اسی طرح دوسرے سیاستدانوں کے بھی بیرون ممالک میں اربوں ڈالر موجود ہیں جس بناء پر وہ چاہتے ہیں کہ دھماکہ ہو تاکہ وہ رقم محفوظ سے محفوظ تر ہو جائے۔

-10 اس سیل کو اس امر پر بھی غور کرنا چاہیے کہ جیسے ہی غیر مسلم ممالک اپنی امداد کو روکنے کا اعلان کریں ویسے ہی پاکستان بھی اپنے تمام قرضوں کی ادائیگی سے انکار کردے کیونکہ حالت جنگ کے اندر دشمن کو ہر لحاظ سے نقصان پہنچانا روا ہوتا ہے اور جنگوں کی تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں چنانچہ دشمن سے بدعہدی کے خوف کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں۔

اے مومنو! اور اگر ہم کو کسی قوم سے دغابازی کا خوف ہو تو (ان کا عہد) انہی کی طرف پھینک دو (اور) برابر (کا جواب دو) کچھ شک نہیں کہ خدا دغابازوں کو دوست نہیں رکھتا (الانفال:58)

❤ ...... ❤ ...... ❤

Marfat.com

شہید پاکستان کے چاہنے والوں سے اپیل

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ......امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

اہل سنت وجماعت کی عظمت رفتہ کی بحالی کے لئے ہمہ وقت متحرک اور فعال رہنے والے، روشن راہوں کے مخلص مسافر شہید پاکستان، محسن پاکستان، مفکر اسلام، داعی اتحاد اہلسنت وجماعت جناب قاری حافظ علامہ مفتی ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی الازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شہادت کے دردناک سانحہ نے ہمیں ایک عظیم راہنما سے محروم کردیا ہے۔ کبھی نہ بھولنے والے اس المناک سانحہ کا دکھ ہم سب کا مشترکہ دکھ ہے۔ ہر دردمندل دل جناب شہید پاکستان، شہید اسلام ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جدائی کے غم میں سوگوار ہے۔ دل کی تہوں میں اتر جانے والی اداسی کی شدت کو کم کرنے کے لئے میں نے اپنے شہید قائد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر تحقیقی کام شروع کرنے کا فیصلہ کیا ہے کیونکہ ہم سے ہمیشہ کے لئے بچھڑ جانے والے ہمارے راہبر وراہنما ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اپنی زندگی میں ہمیں یہی سبق پڑھایا تھا کہ بیٹا! زندگی کے ہر ہر لمحے کی قدر کرنا اور حیاتی کی ہر ساعت اور ہر گھڑی کو کسی بڑے مقصد اور کسی عظیم مشن کے ساتھ جوڑے رکھنا...... میں نے احباب کے مشورہ سے جناب شہید پاکستان ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حیات وخدمات کے حوالے ''ریسرچ ورک'' کے ایک تفصیلی منصوبے کا خاکہ تیار کیا ہے......اس منصوبے کی تکمیل کے لئے مجھے آپ جیسے اہل علم اور اہل درد کی معاونت، راہنمائی اور سرپرستی کی ضرورت ہر قدم پر محسوس ہوگی، مجھے یقین ہے کہ آپ کا مخلصانہ تعاون مجھے حاصل رہے گا۔

میری آپ سے انتہائی دردمندی کے ساتھ گذارش ہے کہ

☆ شہید پاکستان ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ وابستہ اپنی یادوں کو قلمبند کر کے مضمون کی صورت میں ہمیں ارسال کریں۔ ☆ آپ کے ریکارڈ میں شہید پاکستان کی کوئی تصویر، تقریر کی کوئی کیسٹ یا مووی، بیان کا کوئی تراشہ اور ان کی کوئی تحریر، کوئی فتویٰ موجود ہو تو وہ ہمیں بھجوائیں، ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ اس کی کاپی کروا آپ کی امانت آپ کو واپس بھیج دیں گے۔ ☆ آپ اپنے دوست احباب، علماء، مشائخ، جماعتوں کے قائدین کو بھی ترغیب دلائیں کہ وہ شہید پاکستان ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے اپنی یاداشتیں اور جذبات واحساسات تحریر کر کے ہمیں بھجوائیں۔ ☆ شہید پاکستان کے حوالے سے ہم نے جو تحقیقی کا شروع کیا ہے اس سلسلہ میں آپ اپنی تجاویز وآراء سے بھی ہمیں نوازیں تاکہ ہم ان کی روشنی میں کام کو آگے بڑھا سکیں۔

میں اس گذارش کے ساتھ آپ سے اجازت چاہتا ہوں کہ اپنا مضمون جلد از جلد ہمیں ارسال کریں۔ بے حد شکریہ

والسلام

محمد ضیاء الحق نقشبندی

پی آر او جامعہ نعیمیہ لاہور......صدر فکر رائٹرز فورم

Marfat.com

Marfat.com

آپ نے ان کالمز کی تحریر بغیر کسی مالی منافع کے کی، بلکہ آپ کا ہر کام بغیر مالی لالچ کے ہوا کرتا تھا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ آپ کے خیال میں دین اسلام کی تبلیغ و ترویج اور مسلک حقہ اہلسنت کے لیے کام اور خدمت کے لیے رقم اور معاوضہ لینا اس خدمت اور کام کو بیچ دینے کے مترادف تھا۔ آپ کے خیال کے مطابق اگر ہم نے ان کاموں کی رقم لے لی تو ہم نے کیا نیکیاں کمائیں اور پھر ہمارا اخلاص اور للّٰہیت کہاں گئی۔ دراصل یہ سوچ کر جدامجد مفتی محمد حسین علیہ الرحمۃ کی تھی جو کہ مکمل طور پر خاندان میں آگے منتقل ہوئی۔

والد گرامی کی یہ بامعنی، بامقصد کالمز لطافت اور جاذبیت سے بھرے ہوئے تھے۔ دنیا بھر کی معلومات ان میں موجود ہیں۔ اس سے قبل 74 کالمز نشانِ راہ (1) میں پیش کیگیے ہیں۔ اب نشان راہ (2) کے نام سے آپ کے تحریر کردہ 43 کالمز قارئین کی خدمت میں پیش کیے جارہے ہیں جو کہ ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی کے میڈیا سیکرٹری، برادر محترم محمد ضیاء الحق نقشبندی مجددی کی والد گرامی سے محبت، الفت اور عقیدت کا مظہر ہے۔ بقول علامہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب:

''ضیاء الحق نقشبندی نے بکھرے ہوئے پتوں کو اکٹھا کر کے پھولوں کے گلدستے بنا کر قارئین کی محفل مطالعہ کو سجا دیا ہے۔ انھوں نے ذروں کو سمیٹ کر آفتاب بنا دیا ہے۔ قطروں کو اکٹھا کر کے دریا بہا دیے ہیں۔''

برادرم عزیز محمد ضیاء الحق نقشبندی کو ان کی اس گراں قدر کاوش پر داد تحسین دیتے ہوئے اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ والد گرامی علیہ الرحمہ کی ان تحریروں سے زندگی گزارنے کے حسین نکات سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین!

علامہ ڈاکٹر محمد راغب حسین نعیمی

ناظم اعلیٰ جامعہ نعیمیہ، لاہور

Marfat.com

Marfat.com